شامِ صحابہ رضی اللہ عنہم

عہدِ یزید بن معاویہ کے حوادث: واقعہ کربلا اور
حصارِ مکہ پر ایک نایاب تحقیق، پہلی بار منظرِ عام پر









تالیف
علامہ علی احمد عباسی رحمہ اللہ

اعداد و تقدیم
محمد فہد حارث

حارث پبلی کیشنز

شامِ صحابہ رضی اللہ عنہم

عہد یزید بن معاویہ کے حوادث: واقعہ کربلا اور
حصارِ مکہ پر ایک نایاب تحقیق، پہلی بار منظرِ عام پر

تالیف:

علامہ علی احمد عباسی رحمہ اللہ

اعداد و تعارف:

محمد فہد حارث

حارث پبلی کیشنز

حارث پبلی کیشنز

شامِ صحابہ رضی اللہ عنہم

عہد یزید بن معاویہ کے حوادث: واقعہ کربلا اور
حصارِ مکہ پر ایک نایاب تحقیق، پہلی بار منظر عام پر

تالیف: .... علامہ علی احمد عباسی رحمہ اللہ
اعداد و تعارف: .... محمد فہد حارث
اشاعت اوّل: .... نومبر 2020
تعداد کتاب: 1100
کمپوزنگ: .... مسز محمد عمران
قیمت: .... ______

پبلشر:
حارث پبلی کیشنز


بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین

مقدّمة

سوشل میڈیا کے توسط سے ایک نجی ٹی وی چینل کی رمضان ۱۴۴۱ ہجری کی ٹرانسمیشن کا ایک ویڈیو کلپ دیکھنے کا موقع ملا جو کہ یومِ" امام" حسن رضی اللہ عنہ کے موقع پر نشر ہونے والے پروگرام کا حصہ تھا۔ پروگرام میں موجود اہلسنت عالم نے تاریخ کے حوالے سے ایک تیسرے گروہ کی بات کی:

''جو کہ نہ صرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذمہ دار تھا بلکہ یہ تیسرا گروہ وہی تھا جس نے اٹھارہ ہزار خطوط لکھ کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ بلا کر شہید کیا تھا''۔

اہلسنت عالم کا یہ کہنا تھا کہ ان کے برابر بیٹھے شیعہ عالم چوکس ہو کر فوراً بولے کہ

''تاریخ شیعہ سنی نہیں ہوتی صرف تاریخ ہوتی ہے چنانچہ حسین کی شہادت کا ذمہ دار تیسرا گروہ نہیں بلکہ یزید تھا، عمر بن سعد تھا، عبید اللہ بن زیاد تھا اور پھر زور دے کر کہا کہ حسین کو شہید کرنے جو فوج آئی تھی وہ سب صحابی زادوں پر مشتمل تھی اور ساتھ ہی زبان چبا چبا کر بولے کہ عمر بن سعد کون تھا، عمر بن سعد بن ابی وقاص صحابی سعد بن ابی وقاص کا بیٹا تھا، عبید اللہ بن زیاد، زیاد بن ابیہ کا بیٹا تھا، یزید بن معاویہ، معاویہ بن ابوسفیان کا بیٹا تھا۔ پس حسین کو کسی تیسرے گروہ نے نہیں بلکہ صحابی زادوں نے شہید کیا، تابعین نے شہید کیا اور حسین کی شہادت میں اس شخص کا بھی ہاتھ تھا

جس نے یزید کو حکومت پر بٹھایا تھا''۔

اہلسنت کے عالم اس کا کوئی جواب نہ دے سکے سوائے اس کے نہایت خجالت سے کہہ سکے کہ

" کیا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا یزید کو کہ حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرو؟ حسن وحسین رضی اللہ عنہما تو معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے تھے"۔

اس پر شیعہ عالم نے جواباً نہایت نخوت سے کہا کہ

" یہ سب جھوٹی روایتیں ہیں۔"

خیر آمدم برسرِ مطلب یہ سب کچھ پاکستان کے ایک نجی ٹی وی چینل پر ہو رہا تھا اور کسی کی ہمت نہ تھی کہ تنقیصِ صحابہ وسیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم کے ضمن میں اس شیعہ عالم کا منہ بند کروا سکے۔ اور کوئی کروا بھی کیسے سکتا ہے جب کہ یہ سارا مواد اپنی شیعیت نوازی میں خود اہلسنت نے روافض کے ہاتھوں میں تھمایا ہے۔

سو اِسی لحاظ سے مناسب سمجھا کہ چند سطروں میں روافض اور اہلسنت میں شامل ان کالی بھیڑوں، جو کہ واقعہ کربلا ومشاجرات کے سلسلے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تنقیص کے مرتکب رہتے ہیں، کا مخالفانہ بیانیہ خود ان کی سوچ، ان کے الفاظ میں نقل کر دیا جائے۔ تاکہ اہلسنت کے ان مخبوط الحواس لوگوں کی عقل کچھ ٹھکانے آئے جو یزید کی قبر میں کیڑے بھرنے کو "حُبِّ حسین رضی اللہ عنہ" اور کارِ ثواب سمجھ کر کرتے ہیں۔ تو سنیے:

"حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کا اکیلا ذمہ دار یزید نہیں تھا، یزید تو محض ایک مہرہ تھا۔ حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کا ذمہ دار تو معاویہ (رضی اللہ عنہ) تھا جس نے یزید کو تخت پر بٹھایا تھا اور لوگوں کی گردنوں پر تلواریں رکھ کر اس کی

بیعت لی تھی۔ حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے ذمہ دار وہ ڈھائی سو صحابی تھے جو روم و فارس سے تو نہتے بھی ٹکرا گیے لیکن جب بات خاندانِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آئی تو اپنی جانوں کے خوف سے یزید جیسے فاسق کی بیعت کر کے شترمرغ کی طرح منہ ریت میں دبا گئے۔ دورِ نبوی میں تو یہ اتنے سورما بنتے تھے کہ ۳۱۳ ہو کر بے سروسامانی کے عالم میں ۱۰۰۰ کے لشکر سے بھڑ جاتے تھے لیکن بعدازاں ان میں اس قدر بزدلی عود کر آئی کہ حسین (رضی اللہ عنہ) کے قتل ہو جانے کے بعد بھی یزید جیسے قاتل وظالم کی بیعت میں داخل رہے۔ حسین (رضی اللہ عنہ) کے قاتل تو اصل میں یہ بزدل صحابہ تھے جنہوں نے حسین کو اکیلے کربلا میں شہید ہونے کے لیے چھوڑ دیا اور خود مدینہ و مکہ و بصرہ میں بیٹھ کر طہارت و نماز کے مسائل پر مذاکرے اور درسِ حدیث منعقد کر رہے تھے۔ جب آلِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کربلا میں دشمنانِ رسول کے ہاتھوں شہید ہو رہے تھے تو یہ بزدل مدینہ و مکہ میں منہ چھپائے بیٹھے قال اللہ و قال رسول اللہ کر رہے تھے۔ ان میں سے کسی سے یہ نہ ہوا کہ دمشق جا کر یزید کا گریبان پکڑ کر کہتا کہ تیری اوقات کیا کہ تو نے نواسۂ رسول کو شہید کیا۔ پھر چاہے ایسی جرات دکھانے کے سبب ان کی جان چلی جاتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تو ان کی ہمتیں اس قدر بڑھی ہوئی تھیں کہ کعب بن اشرف کے پہرے داروں سے گھرے مقفل مضبوط قلعے میں جا کر اس کو قتل کر آتے تھے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ان کی منافقت و بزدلی یوں کھل کر سامنے آئی کہ اتحادِ امت کا بہانہ بنا کر نہ صرف یزید کی بیعت کی

بلکہ اس کی طرف انگلی بھی نہ اٹھا سکے کہ اے یزید تو قاتلِ حسین (رضی اللہ عنہ) ہے، لے ہمیں بھی حسین (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ شہید کر دے۔

ارے ان لوگوں کی بزدلی کا تو یہ عالم تھا کہ جب اکیلا حسین (رضی اللہ عنہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو بچانے کوفہ کی جانب عازمِ سفر ہوا تو بجائے اس کے کہ یہ اس کا ساتھ دیتے الٹا عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس حسین (رضی اللہ عنہم) کو ہی ڈپٹنے لگے کہ اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ مت ڈالو①۔ یہی نہیں ان کا ابو سعید الخذری (رضی اللہ عنہ) بھی دوڑتے بھاگتے آیا لیکن وہ بھی حسین (رضی اللہ عنہ) کا ساتھ دینے نہیں بلکہ اس کو یزید جیسے فاسق فاجر کے خلاف جہاد سے روکنے کے لیے۔ ان سب بزدلوں کی پرواہ کیے بغیر جو کہ اتحادِ امت کے منافقانہ نعرے کے نام پر اسلام کو مردہ کر چکے تھے، ہمارا حسین (رضی اللہ عنہ) اکیلے ہی اسلام کو زندہ کرنے نکلا۔ اور تو اور اس معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو دیکھو کیسے تلوار کے زور پر اپنے ظالم و جابر و فاسق بیٹے کو حکومت پر بٹھا دیا۔ ارے جب حسین (رضی اللہ عنہ) کو پتہ چل گیا تھا کہ یزید فاسق، شرابی اور زانی ہے تو کیا معاویہ (رضی اللہ عنہ) جس کے سامنے یزید کے شب و روز تھے، اس کو نہیں معلوم چلا ہوگا کہ یزید فاسق، شرابی اور زنا کار ہے جبکہ خود تمہارے علماء یہ گواہی دیتے ہیں کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے یزید کی برائیاں دیکھ کر اس کو رات کے اندھیرے میں کبائر کا ارتکاب کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ سب پتہ تھا معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو، لیکن پھر بھی اس نے محض اپنی چودھراہٹ

① طبری ۴/۲۵۴۔

و بادشاہت قائم رکھنے کو یزید جیسے فاسق کو تخت سپرد کر دیا۔ حسین (رضی اللہ عنہ) کے اصل قاتل تو تمہارے وہ ڈھائی سو صحابہ بشمول معاویہ (رضی اللہ عنہ) تھے جنہوں نے یزید کو تخت پر بٹھایا تھا اور حسین (رضی اللہ عنہ) کو یزید کے خلاف ان کے جہاد میں اکیلا قتل ہونے چھوڑ دیا تھا۔ دیکھو ذرا یزید کی فوج کس پر مشتمل تھی، یہ عمر بن سعد کون تھا، یہ ابن زیاد کون تھا، یہ یزید کون تھا۔ یہ سب صحابی زادے اور صحابی بھتیجے تھے نا۔ تمہارے صحابیوں نے ایسی تربیت کی تھی اپنے لڑکوں کی کہ وہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے نکل کھڑے ہوئے اور ان کی بیبیوں کو سرِ بازار برہنہ سر رسوا کیا۔ یہ ہے ان لوگوں کی تربیت جن کو تم صحابہ کہتے ہو۔ تُف ہے ایسی تربیت پر۔

اور تو اور حسین (رضی اللہ عنہ) کربلا میں مظلوماً شہید ہو گئے لیکن تم لوگ اسی طرح یزید کی حکومت کے ہرکارے بنے رہے، اس کی طرف سے حکومتی ذمہ داریاں قبول کرتے رہے، اس کی طرف سے شمالی افریقہ جہاد کو جاتے رہے جبکہ تم کو خود اس کے خلاف جہاد کرنا چاہیے تھا۔ تمہارا عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہ) برابر یزید کے دربار جا کر وہاں سے وظائف لیتا رہا۔ تمہارا عبداللہ بن عباس وعبداللہ بن عمر و ابو سعید الخذری و انس بن مالک (رضی اللہ عنہم) سب اس قاتل، فاسق، جابر یزید کی بیعت میں بدستور داخل رہے۔ کسی میں اتنی غیرت نہ تھی کہ وہ اٹھ کر یزید سے حسین (رضی اللہ عنہ) کے قصاص کا ہی مطالبہ کر لیتا۔ لیکن مطالبہ کرتا بھی تو کیسے، سب کو اپنی جان کا ڈر جو تھا، سب نہایت ڈرپوک و بزدل جو تھے، ان کی بہادری بس بدر، احد، حنین، موتہ اور روم و فارس فتح کرنے تک تھی۔ یزید کے آگے تو یہ

سب بھیگی بلّی بنے اس سے وظیفے لیتے رہتے تھے۔ اور تو اور ذرا اس عبداللہ بن حنظلہ کو دیکھو۔ واقعہ کربلا کے تین سال کے بعد یزید کی بیعت توڑی بھی تو یہ کہہ کر نہیں توڑی کہ اے ملعون یزید تو قاتلِ حسین (رضی اللہ عنہ) ہے بلکہ یہ کہہ کر توڑی کہ یزید فاسق و شرابی ہے۔ گویا اس کے نزدیک قتلِ حسین (رضی اللہ عنہ) کی کوئی حرمت ہی نہیں۔ پھر ذرا اس عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کو بھی دیکھ لو کہ جب اہل مدینہ یزید کی بیعت توڑ دیتے ہیں تو بجائے اس کے کہ وہ اس ظالم کی بیعت توڑنے پر بیعت توڑنے والے مجاہدین کا ساتھ دیتا، خود اٹھ کھڑا ہوا یزید کی بیعت پر لوگوں کو مستقیم رکھنے کے لیے۔ ذرا آلِ ابی طالب کو ہی دیکھ لو کہ کیسے حرہ کے موقع پر اپنے ہی خاندان کے حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کا ان میں سے کسی نے لحاظ نہ کیا اور یزید کی بیعت میں داخل سب اتحادِ امت کا راگ الاپتے رہے۔ پس حسین (رضی اللہ عنہ) کو یزید نے نہیں، ان لوگوں نے شہید کیا ہے جنہوں نے یزید کی بیعت کی اور حسین (رضی اللہ عنہ) کا ساتھ نہ دیا۔ اصل قصوروار یہ صحابی اور صحابی زادے ہیں۔ بزدل، ڈرپوک، مصلحت پسند اور اسلام کو مردہ کرنے والے جس کو اکیلا حسین (رضی اللہ عنہ) کربلا میں زندہ کر آیا تھا۔"

پس نوشت

یہ سب معاذ اللہ ثم معاذ اللہ میں نہیں کہہ رہا کیونکہ میں تو یزید کو امیر المومنین اور رحمہ اللہ اور جائز خلیفہ مانتا ہوں۔ یہ سب رافضی کہتے ہیں اور یہ سب اہلسنت کے ان لوگوں کے نظریات کا منطقی نتیجہ ہے جو حبِ حسین رضی اللہ عنہ کو بغضِ یزید سے جوڑ کر یزید کی قبر میں کیڑے بھرنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ چلو یزید نے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا تو کیا ہوا، کم ازکم وہ حسین رضی اللہ عنہ کا قصاص ہی لے لیتا۔ جب ان کے سامنے کہا جاتا ہے کہ یزید نے قصاص نہیں لیا تو کسی صحابی یا خاندانِ رسالت کے شخص نے بھی تو اس سے حسین رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ نہیں کیا تو آگے سے فرما دیتے ہیں کہ جب گردنوں پر تلوار ہو تو کون قصاص کی بات کرے گا۔ بقول شاعر

وہی قاتل وہی شاہد وہی منصف ٹھہرے
اقربا میرے کریں قتل کا دعویٰ کس پر

سو اہلسنت کا متشیع طبقہ تو خود صحابہ رضی اللہ عنہم کو اتنا بزدل مان رہا ہے کہ وہ یزید سے قتلِ حسین رضی اللہ عنہ کا مطالبہ تک کرنے سے ڈرتے تھے جبکہ یہی صحابہ رضی اللہ عنہم روم وفارس جیسی بڑی طاقتوں سے ٹکرا گیے تھے۔ خیر یہ باتیں تو ضمناً آ گئیں۔ پس اہلسنت حضرات لگے رہیں حُبِ اہل بیت کے نام پر تاریخ کے اسی بیانیے کی ترویج واشاعت میں جس کی تان آ کر خود ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی رسوائی پر ٹوٹتی ہے کیونکہ دراصل

اہلسنت کا یہ گروہ حبِ حسین رضی اللہ عنہ میں نہیں بلکہ بغضِ یزید میں مبتلا ہے۔اب اس بغض کی زد کہاں کہاں پڑتی ہے، اس سے ان کو کیا لینا دینا۔ایسے ہی متشیع فکر اہلسنت کی دی گئی ہمتوں سے ہی تو اقلیت ہوتے ہوئے ٹی وی پر پوری قوم کے سامنے آکر ایک رافضی یہ کہتا ہے کہ

''یزید مردود ہے تو اس مردود کو تخت پر کس نے بٹھایا تھا۔حسین کو کربلا میں صحابی زادوں نے شہید کیا تھا''۔

اور پھر زبان چبا چبا کر عمر بن" سعد بن ابی وقاص" بولتا ہے۔یہاں تو" خال النبی صلی اللہ علیہ وسلم " کی حرمت بھی محفوظ نہ رہی ،" خال المومنین" کی حرمت کا کوئی کیا رونا روئے۔

اس رافضی پر تو تف ہے ہی، لیکن اس سے زیادہ اہلسنت کے متشیع طبقہ پر تُف ہے کیونکہ جب تاریخ کی تنقیح کا کام کر کے اصل صورتحال واضح کرو تو یہی لوگ کہتے ہیں کہ تاریخ کی تنقیح غیر علمی رویہ ہے۔ہمارے علماء نے تاریخ کو حدیث کی کسوٹی پر نہیں پرکھا سو تم ایسا کیوں کرتے ہو، پھر بھلے ان کے" علماء" کے اس تساہل سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے منہ پر روافض کتنی ہی کالک کیوں نہ پوتتے ہوں۔(استغفر اللہ ثم استغفر اللہ)

دور اندیش علماء درست کہہ گیے کہ یزید سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گریبان تک پہنچنے کا ذریعہ ہے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد ،صحابہ رضی اللہ عنہم پر تنقید کا دروازہ کھولنے کا راستہ۔اور آج ہماری آنکھوں کے سامنے یہ سب علی الاعلان ہو رہا ہے۔

فاعتبروا يا أولي الأبصار

کچھ زیرِ نظر کتاب کے بارے میں

مذکورہ بالا تمہید میں راقم نے اہلسنت کی متشیع فکری کے جن منطقی نتائج کی طرف اشارہ کیا بعینہٖ انہی کی صدائے بازگشت قارئین کو زیرِ نظر کتاب "شام صحابہ رضی اللہ عنہم" میں سننے کو ملے گی۔ اس کتاب کی اشاعت کی کہانی کچھ یوں ہے کہ

حارث پبلی کیشنز نے جو پہلی کتاب شائع کی تھی وہ مولانا علی احمد عباسی مرحوم کی" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاسی زندگی" تھی۔ گویا حارث پبلی کیشنز کا علم کی بازیافت کا سفر مولانا علی احمد عباسی صاحب کی ہی ایک کتاب کے جدید ایڈیشن کی اشاعت سے ہی شروع ہوا تھا۔ اس کے بعد ادارے نے عباسی مرحوم کی دوسری کتاب " سیرتِ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ (اتہام شیعیت کی حقیقت)" بھی جدید طباعت کے ساتھ شائع کی جو تقریباً ناپید ہو چکی تھی۔ ہماری معلومات کی حد تک مولانا علی احمد عباسی مرحوم کی خود کی تصنیف کردہ یہی دو کتب تھیں، اس کے علاوہ آپ نے ابومخنف لوط بن یحییٰ کے "مقتلِ حسین رضی اللہ عنہ" کے اردو ترجمہ مع تعلیقات وحواشی کا کام کیا تھا جو کہ مکتبۂ محمود ا / ۲۶ بی ایریا لیاقت آباد کراچی سے شائع ہوتا رہا تھا۔ ان کے علاوہ ہمارے ناقص علم میں آپ کے کسی اور علمی کام کی معلومات نہیں تھیں یہاں تک کہ چند ماہ قبل محبی ومکرمی محمد عقیل اعظم خاں صاحب کے طفیل علم ہوا کہ مولانا عباسی مرحوم کی ایک غیر مطبوعہ کتاب" شامِ صحابہ رضی اللہ عنہ" کے نام سے موجود ہے جس کا مسودہ امیر شریعت سید

عطاء اللہ شاہ بخاری کے نواسے مولانا سید محمد کفیل شاہ بخاری حفظہ اللہ کے پاس ہے۔ پس اس سلسلے میں کفیل شاہ بخاری صاحب سے رابطہ کیا تو آپ نے نہایت فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس مسودے کی فوٹو کاپی راقم کو اشاعت کے لیے ارسال کردی۔ یہ مسودہ مولانا علی احمد عباسی مرحوم نے خود سید محمد کفیل شاہ بخاری حفظہ اللہ کو بھجوایا تھا تاہم اس کی اشاعت سے قبل ہی آپ داعی اجل کو لبیک کہہ کر آخرت کے سفر پر روانہ ہوگئے۔ اس کے بعد ۱۹۹۸ء سے یہ مسودہ یونہی اشاعت کے انتظار میں غیر مطبوعہ حالت میں پڑا رہا۔

الحمدللہ محمد عقیل اعظم خاں صاحب کے توسط سے راقم کو اس مسودے سے متعلق جیسے ہی علم ہوا، دل میں پکّا ارادہ بنا لیا کہ حارث پبلی کیشنز کے بینر تلے اس کتاب کو جدید طباعت کے ساتھ شائع کرنا ہے اور یوں اس ارادے کی عملی تکمیل کی صورت میں آج یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔

اس کتاب کی اشاعت سے متعلق ہم یہ بات واضح کردیں کہ ہم نے کتابِ ہٰذا کے مندرجات کو لفظ بہ لفظ پڑھا ہے اور کتاب میں کئی مقامات ایسے آئے جہاں ہم کو صاحبِ کتاب کی تحقیق سے اختلاف محسوس ہوا لیکن چونکہ مصنف کی وفات کے بعد اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہورہا ہے، اس لیے دیانتداری کے تقاضے کے تحت ہم نے مناسب سمجھا کہ کتاب کو بغیر کسی تنقیدی حواشی کے من وعن شائع ہونے دیا جائے البتہ چند ایک جگہ توضیحی حواشی لگانے کا اہتمام کیا ہے لیکن وہ بھی چند ابتدائی مباحث پر۔ چنانچہ اسی سبب ہم نے پہلے ایڈیشن کے ضمن میں کتاب پر سوائے چند توضیحی حواشی کے کسی بھی قسم کے تنقیدی حواشی کے کام کو مؤخر کرنا مناسب جانا۔ ان شاءاللہ اگر کتاب کے اگلے ایڈیشن کی نوبت آئی تو بشرطِ فرصت، جیسے مؤلف مرحوم کی پہلی

کتاب" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاسی زندگی" پر بھرپور تنقیدی وتوضیحی حواشی کا کام کیا تھا، اسی طور سے اس کتاب پر بھی خاص محنت کرنے کا ارادہ ہے۔ البتہ سرِ دست مذکورہ وجہ اور بڑھتی ہوئی معاشی ذمہ داریوں کی مصروفیات کے سبب، بغیر کسی تنقیدی حواشی کے کتاب شائع کی جارہی ہے۔ پس کتاب کے تمام مندرجات سے ادارے کا کُلّی طور پر متفق ہونا ضروری نہیں۔

اس کتاب کی طباعت کے سلسلے میں سب سے پہلے تو اس اللہ عزوجل کے حضور شکر گزار ہوں کہ اس مالک نے اس احقر کو اس قابل بنایا کہ وہ یہ کام کر سکے۔ اگر اس کی مدد شاملِ حال نہ ہو تو کوئی کام ممکن نہیں۔ اسی کے کرم سے یہ کام ہوسکا ہے اور اس کام کی ہر اچھائی صرف اسی ذاتِ باری تعالیٰ کے سبب سے ہے۔ اس مالک کُل کے شکریہ کے بعد محمد عقیل اعظم خاں حفظہ اللہ اور سید محمد کفیل شاہ بخاری حفظہ اللہ صاحبان کا شکریہ ادا کروں گا کہ ان کے تعاون کے بغیر یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچنا ناممکن تھا۔ ان کی وجہ سے کتاب کے مسودے کی دستیابی ممکن ہوسکی تو ہی کتاب کی اشاعت کا کام بن پڑا۔ اللہ ان دونوں حضرات کو اس تعاون کے لیے جزائے خیر سے نوازے۔ آمین۔

اس کے علاوہ ہم اپنے نہایت فاضل، محترم اور علم دوست انسان جناب حافظ عمران حفظہ اللہ کے بھی نہایت شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اپنے مصروف اوقات میں سے اس کتاب کے لئے وقت نکالا اور نہایت دقّتِ نظری سے کتاب کی نہ صرف پروف ریڈنگ کی بلکہ کتابت کی غلطیوں کو بھی پوری جانفشانی کے ساتھ درست فرمایا۔ اللہ اس تھکا دینے والے کام کے لئے ان کو جزائے خیر سے نوازے۔ یہ احقر ہمیشہ ان کا ممنون رہے گا کہ جب بھی اس کو اُن سے کسی طور کی مدد وتعاون درکار ہوا، حافظ عمران صاحب ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ موجود رہے۔ اللہ ان کو دین و دنیا میں بہتیرا

ترقیاں نصیب کرے اور ان کے لئے دونوں جہانوں میں آرام وسکون کا بندوبست کرے۔ آمین

اسی طرح اس کتاب کی اشاعت میں اور بھی چند احباب کی خصوصی مدد شاملِ حال رہی لیکن کیا کروں ان کی درویشانہ صفت کا کہ انہوں نے اپنے ناموں کا تذکرہ کرنے سے سختی سے منع کر رکھا ہے، اسی لئے ان کا نام لئے بغیر ہی ان کی جناب میں ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں۔

کسی بھی کام میں کمال صرف اس ذاتِ بے ہمتا کو ہی سزاوار ہے، مخلوق کا کام تو غلطیوں سے پُر ہوتا ہے۔ پھر بھی اپنے تئیں پوری کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں کوئی غلطی کوئی کمی نہ رہ جائے، تاہم اس کے باوجود اگر کوئی کمی یا غلطی رہ جائے تو قارئین سے التماس ہے کہ اس بابت مطلع فرمائیں، ان شاء اللہ ایجابی طریق سے آئی ہر تنقید کو سر آنکھوں پر رکھا جائے گا۔

محمد فھد حارث

حارث پبلی کیشنز

دبئی، متحدہ عرب امارات

۱۳ صفر ۱۴۴۲ ہجری بمطابق یکم اکتوبر ۲۰۲۰ء

انتساب

نواسۂ امیر شریعت سید محمد کفیل شاہ بخاری حفظہ اللہ

اور

محبی ومکرمی محمد عقیل اعظم خاں صاحب حفظہ اللہ

کے نام

کہ یہ دونوں حضرات ہی اس کتاب کی اشاعت کی وجہ بن سکے ورنہ مولانا علی احمد عباسی مرحوم کی یہ علمی تحقیق غیر مطبوعہ حالت میں ہی اس صفحۂ ہستی سے نابود ہو جاتی۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ! امابعد!

کچھ عرصے سے بعض مدعیان علم کی ایسی کتابیں سامنے آ رہی ہیں، جن میں دعویٰ تو کیا گیا ہے متبع سنت ہونے کا، لیکن تبرا بازی میں یہ لوگ روافض سے کم نہیں۔ روافض کی کتابوں کا زہر عوام اہل سنت تک زیادہ نہیں پہنچتا، لیکن جب نام نہاد سنی لوگ ایسی زہریلی کتابیں لکھیں جیسی اس وقت ہمارے پیش نظر ہیں، تو ہمیں اپنا فرض نظر آیا کہ اللہ کی کتاب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جامعہ اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں ان ہفوات کی تردید کر کے اہل السنۃ کو متنبہ کریں کہ ان تقیہ بازوں کی خرافات ومفتریات کو ہرگز قابل اعتنا نہ جانیں اور ہم عصر سیدنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کے موقف پر اپنے تصورات کی بنا رکھیں۔ وللہ عاقبۃ الامور۔

تاریخ میں واقعات بیان کیے جاتے ہیں اور کوشش ہوتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو صحیح پس منظر کے ساتھ پوری تحقیق کر کے، تعمیری انداز میں واقعات کا جائزہ لیا جائے، جائزہ ایسا ہو کہ توازن قائم رہے، ہم عصر اکابر قوم کے اجماعی مواقف پیش نظر رہیں، اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ پھر جس ماحول کی بات ہو، اس کے عمومی احوال سے مناسبت دیکھ کر روایت قبول کی جائے، یعنی روایت سے زیادہ درایت پر مدار رکھا جائے۔

جو لوگ ملّی زاویہ نگاہ سے، کسی تاریخی موضوع پر بحث کرتے ہیں، ان کا رویہ ملّی ہوتا ہے لیکن جن کے پیش نظر ملت نہیں ہوتی، قوم کا ارتقاء نہیں ہوتا، تاریخ کا تسلسل قائم رکھنے کی انہیں فکر نہیں ہوتی اور اہل ملت کی یک جہتی ان پر شاق ہوتی ہے، تو وہ

فرقہ وارانہ انداز اختیار کر کے اور ہم عصر لوگوں کے مواقف سے بے نیاز ہو کر، جو چاہتے ہیں لکھ مارتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے پیش نظر عموماً شخصیتیں ہوتی ہیں اور اپنی پسند و ناپسند پر ان کا مدار ہوتا ہے۔

ایسے لوگوں کی تحریروں سے اگر باہمی نفرت پھیلے، اخلاف کے دلوں سے اسلاف کی حرمت نکل جائے تو انہیں اس کی پروا نہیں ہوتی۔ چنانچہ دیار پاک میں ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں اپنے آپ کو اہل السنہ مگر ہوتے ہیں غلیظ رافضی۔ اس لیے ان کا طریق استدلال وہی ہوتا ہے جو ہمارے پیش نظر چند کتابوں کا ہے۔

چونکہ ان کتابوں میں مذہبی زاویہ نگاہ سے بحث کا دعویٰ کیا گیا ہے، اس لیے خیال ہوا کہ شاید ان تحریروں میں کتاب اللہ سے، حضور ﷺ کی سنت جامعہ سے، ہم عصر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماعی مواقف سے، اور ان کے تربیت دادہ ہم عصر علماء وفقہاء کے طرز عمل سے، استفادہ کیا گیا ہوگا، جو کہ کرنا چاہیے تھا۔

مگر جب ان کتابوں پر نظر ڈالی تو محسوس ہوا کہ ''شام غریباں'' میں کوئی تقیہ باز ذاکر سنت کا لبادہ اوڑھ کر، اہل السنہ کو گم راہ کرنے، اور ہم عصر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جناب میں سوء ادب پیدا کرنے کے لیے، لچھے دار تقریر کے ذریعے رونے رلانے کا سماں باندھ رہا ہے۔

ان کتابوں میں نہ کتاب وسنت سے مستفاد اصول وقواعد کا کچھ ذکر ہے۔ اور نہ ہم عصر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قطعی الثبوت مواقف کا۔ جتنے حوالے دیئے گئے ہیں، اور تبرا بازی کی گئی، تو ان علماء کی تحریروں سے جو اکثر عجمی الاصل ہیں اور جو چوتھی صدی ہجری اور اس کے بعد پیدا ہوئے، جب سبائی روایتیں عام ہو گئی تھیں اور سبائیت زدہ فرض ناشناس مصنفوں نے جذبات میں بہہ کر بے محابا اپنی کتابوں میں انہیں نقل کر

دیا، یا راوی کا نام لے کر اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھ بیٹھے۔

یہاں ہمیں ایک ''بے پڑھا لکھا'' شیر فروش یاد آ رہا ہے، جس نے ایسے ہی ایک پیشہ ور داستان گو ''واعظ'' کا بیان سن کر کہا تھا:

''مولوی جی تم جو کچھ کہہ رہے ہو، اس سے ہمارے سینے میں آگ لگ رہی ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور ان کے گھر والوں کے ساتھ اتنا کچھ ہو گیا اور اس وقت کے لوگوں نے سب کچھ سہہ لیا۔ کیا ان لوگوں نے دین چھوڑ دیا تھا جو ''ٹس سے مس'' نہیں ہوئے؟''

ایسے نام نہاد ''عالموں'' کی کتابیں پڑھ کر، ناواقف لوگوں کا حال عموماً وہی ہوتا ہے جو اس شیر فروش کا ہوا اور یوں ان کے دلوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خلفاء اسلام اور پہلی صدی کے اہل ایمان کی حرمت دلوں سے نکل جاتی ہے۔

اس لیے ہم نے سوچا کہ کیوں نہ ہم عالم خیال میں ایک ''شام صحابہ رضی اللہ عنہم'' منعقد کریں اور اس میں وہ سب حضرات موجود ہوں، جن کے نام بطور حجت پیش کیے جاتے ہیں اور دوسری طرف ہوں وہ سب اہل ایمان اور ان کے ائمہ ہدیٰ جو اِن واقعات کے عینی شاہد تھے اور جن کے مواقف کتاب وسنت اور تاریخ کے معتبر ترین مآخذ میں مرقوم ہیں اور خس وخاک کے انبار میں دبے ہوئے کہیں کہیں تاریخ کے اوراق میں مل جاتے ہیں۔ اس گروہ با صفا میں وہ لوگ نہیں جو تسنن کا نام لے کر رفض کی اشاعت کے مجرم ہیں اور ''کربلا'' ان کی تحریروں کا محور ہے۔ ان لوگوں کی کج نگاہی بلکہ کور چشمی کی انتہا ہے کہ جس گروہ با صفا کے اتباع کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، ان کے اجماعی فیصلوں کو یہ لوگ باطل قرار دے کر اپنے آپ کو اہل السنہ باور کراتے ہیں۔

تو ناظرین کرام، چشم تصور وا کیجیے اور اس ایوان پر نظر ڈالیے جہاں صرف کتاب اللہ پر مدار ہے، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش نظر ہے اور ہم عصر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماعی فیصلوں سے بات ہوتی ہے۔ اس بارگاہ میں اگر فلاں وفلاں اپنی چرب زبانی سے صورت حال مسخ کرنے کے لیے کچھ کہے تو اس کی شنوائی نہیں ہوتی بلکہ پھٹکار پڑتی ہے۔

عالم ارواح میں اس عدالتی کارروائی کی منظر کشی اس لیے بھی ضروری ہوئی کہ ایران میں یہودیوں کی مدد سے اسلام کے نام پر ایک نیا فتنہ سر اٹھا رہا ہے، جہاں ''امامت'' کا بھی چکر چلایا گیا ہے۔ اس حکومت کے حامیوں اور بڑے کارکنوں جس سیاہ پوش کو دیکھو وہ آیۃ اللہ اور حجۃ اللہ بنا ہوا ہے۔

اس لیے خطرہ ہے کہ اگر اس تحریک نے جڑ پکڑ لی تو قرب وجوار کے مسلم ممالک بھی اس کی لپیٹ میں آجائیں گے جیسے اس وقت عراق کا حال ہے۔ ایسا حال نہ بھی ہو، تب بھی یہ امر عیاں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صنادید اسلام پر تبرا بازی کا ایک نیا انداز شروع ہو جائے گا جس سے ناواقف لوگ اسلام کے نام کے سبب متاثر ہو جائیں گے اور کتنے سبائیت زدہ لوگ ہیں، جن میں کوئی شیخ الحدیث بنا ہوا ہے اور کوئی مفکر اسلام، وہ سب بھی اس سیلاب بلا میں بہہ جائیں گے۔ پھر امت کا جو حال ہو سو ہو۔ اعاذنا اللہ من کید السفہاء والشیاطین۔

غیر رسمی ایوانِ عدالت

کمرہ بھرا ہوا ہے دو فریقوں کی قطاروں سے، جو کچھ فاصلے پر آمنے سامنے بیٹھے ہیں۔ ایک طرف ہے ابومخنف اور اس کے دائیں بائیں ہیں ابن جریر طبری اور مسعودی۔ ان کے پیچھے ہیں وہ جو تاریخ نویس کہلاتے ہیں۔ ان کے پیچھے ہیں وہ علماء وفقہاء وصلحاء جنہوں نے فرض ناشناس مورخوں کی روایات واہیہ پر تکیہ کر کے امیر المومنین یزید کو فاسق وفاجر، ظالم وجابر، ذریت طاہرہ کا قاتل اور حرمین شریفین کو تاراج کر کے خون کی ندیاں بہانے والا باور کرلیا، اور اس درجہ برافروختہ ہوئے کہ نام لے کر ان پر لعنت کے جواز کا فتویٰ دے بیٹھے۔ بلکہ جرات یہاں تک کہ ان کی خلافت ہی کو ناجائز قرار دے دیا۔

ان کے مقابل کا منظر کچھ یوں ہے:

سب سے آگے بیٹھے ہیں امیر المومنین یزید، ان کی دائیں جانب ہیں، شیخ الصحابہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور بائیں طرف ہیں حَبر الامۃ سیدنا عبداللہ بن العباس رضی اللہ عنہما۔ ان کے پیچھے صف ہے ان اکابر واعاظم صحابہ رضی اللہ عنہم کی جو اس وقت موجود تھے۔ اسی صف میں وہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ہیں جو عسکری وانتظامی خدمات انجام دے رہے تھے اور بدستور دیتے رہے۔ یعنی بقول شیر فروش ''ٹس سے مس'' نہیں ہوئے۔

ان کے پیچھے ہیں وہ علماء وفقہاء رحمۃ اللہ علیہم جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تربیت دادہ تھے اور جن کی فقہ پر تین چوتھائی امت عمل کرتی چلی آرہی ہے اور جو اس وقت خاص

کوفے میں موجود تھے۔ انہی کے ساتھ ہیں وہ بنو ہاشم جو ''کربلا'' سے زندہ واپس آئے اور وہ تمام فتنے دیکھے جو بعد میں برپا ہوئے۔

ایوان جب دونوں فریقوں سے بھر گیا اور سب اپنی اپنی متعین جگہ بیٹھ گئے۔ تو ایک دروازے سے داخل ہوئے امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دوسری طرف سے تشریف لائے امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ۔ دونوں نے گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور مسند عدالت پر پہلو بہ پہلو بیٹھ گئے۔ ان دونوں کی تشریف آوری اس لیے تھی کہ معاملہ انہی دونوں کے فرزندوں کا تھا۔ رضوان اللہ وسلامنا علیہم اجمعین۔ مسند پر بیٹھنے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اجازت سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''حضرات! ہمیں یہاں بٹھایا گیا ہے مظلوموں کی دادرسی کے لیے مگر میں کہتا ہوں کہ مظلوم تو ہم دونوں بھی ہیں۔ کون سا بہتان ہے جو ہم پر نہیں رکھا گیا اور کون سا افترا ہے جو ہمارے بارے میں وضع نہیں کیا گیا۔ ہماری سیرتیں مسخ کر دی گئیں حتی کہ صورتیں بھی، اور ہمارے لیے وہ سب الفاظ روا رکھے گئے جو کوئی سلیم الطبع، شریف النفس شخص قرآن پر ایمان کے دعویٰ کے ساتھ، اپنے منہ سے نہیں نکال سکتا۔ اب بتاؤ جب خود ہم دونوں کو دادرسی کی ضرورت ہے تو اس مسند پر بیٹھنا ہمیں کب زیب دیتا ہے''۔

پھر آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

''بھائی صاحب میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کہی اور عذر ہمارا معقول ہے یا نہیں''۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بات تو تمہاری ٹھیک ہی ہے۔ مگر جب ہمیں طلب کیا گیا ہے تو یہاں بیٹھنا تو ہوگا ہی۔ اس لیے سب سے پہلے میں کہتا ہوں کہ حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ہاشمی ساتھی پس پردہ چلے جائیں، اور عبیداللہ بن زیاد بھی اپنے کارکنوں کے ساتھ یہاں سے اٹھ جائیں اور میاں ابن الزبیر رضی اللہ عنہما تم بھی اندر جا کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھو کیونکہ آج میں رورعایت کی اجازت نہیں دے سکتا۔ بات صاف ہونی چاہیے، اگرچہ کسی کو ناگوار ہو''۔

پھر آپ نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا:

''لوگو! جو یہاں جمع ہو، اور ہمیں تم نے اپنا منصف قرار دے دیا ہے تو سنو، آج صرف مستغیث اور اس کے گواہوں کا بیان سنا جائے گا اور جو انداز کوئی اختیار کرے اس کی اسے اجازت ہے''۔ ①

---

① البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۱۸۔

امیر المومنین یزید رحمہ اللہ

اب کھڑے ہوئے امیر المومنین یزید رحمہ اللہ اور دائیں بائیں دیکھ کر عدالت کی اجازت سے فرمایا:

''محترمو! آپ میں سے اکثر حضرات جہادِ روم میں میرے ساتھ تھے۔ میرے سب شب وروز آپ کے سامنے رہے۔ میری انتظامی اور عسکری خدمات کی ایک ایک بات آپ نے ملاحظہ کی اور شخصی حیثیت سے بھی مجھے خوب پرکھا۔

پھر نہایت درجہ متاثر ہو کر آپ حضرات نے مجھے فتی العرب ① کا خطاب دے کر نوازا۔ اور میری ایسی عزت افزائی کی کہ اول تو میری ولایت عہد پر اجماع کیا اور پھر دس برس تک میری شخصی اور ملّی احوال کا جائزہ لے کر میری خلافت پر بھی اجماع کر لیا۔

خلافت ملنے پر میری حکومت میں تین سانحے گزرے۔ ایک الطّف میں میرے عزیز محترم ومحبوب حسین اور ان کے بعض افراد کی شہادت، پھر چار برس بعد، میرے اپنے ہم وطن اہل مدینہ کے بعض افراد کی شورش اور پھر میری طرف سے پوری طرح اتمام حجت کے بعد، اس انداز کی

① ہسٹری آف دی عربس از پروفیسر حتی صفحہ ۲۰۱.

تادیبی کارروائی، کہ شہر کے اکابر اور آل عبد مناف نے میرے کارکنوں کا ساتھ دیا اور انصار کا سب سے بڑا گھرانا، بنو عبد الاشہل پوری طرح میری حمایت ① پر تھا۔ یوں چند گھنٹوں میں یہ فتنہ فرو ہو گیا۔

اب چونکہ اس فتنے کے اصل محرک کا مجھے علم تھا، اس لیے میرے حکم سے میرے فوجی دستے نے مکہ معظّمہ کا محاصرہ کر لیا تھا تاکہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو تنبیہ ہو۔

للہ فرمایئے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ میرا رویہ کیسا تھا۔ انہوں نے تجدید بیعت سے انکار کر دیا، تو کیا میں نے ان کے خلاف کوئی قدم اٹھایا، یا کوئی پابندی عائد کی، یا لوگوں کو ان کے پاس آنے جانے سے روکا۔

میرا امیر وہاں موجود تھا، لیکن اس نے میرے فرمان کے مطابق کوئی نگرانی قائم نہیں کی۔ میں نے ان کے عم بزرگوار عبد اللہ بن العباس رضی اللہ عنہما کو لکھا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو سمجھائیں اور انہیں امت کا کلمہ متفرق کرنے سے روکیں۔ ① سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما یہاں تشریف رکھتے ہیں اور صحیح صورت حال وہ بتا سکتے ہیں''۔

یہ سنتے ہی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے اور فرمایا:

''مستغیث کا بیان سچا ہے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ عمرے کے لیے آئے تھے اور میرے ہی پاس ان کا قیام تھا۔ میں نے انہیں تجدید بیعت پر آمادہ

---

① البدایہ والنہایہ: جلد ۸ صفحہ ۲۱۸ ۔

② حوالہ مذکورہ صفحہ ۱۶۴ ۔

کرنے کی کوشش کی، مگر وہ تیار نہیں ہوئے۔ تو پھر میں نے انہیں سمجھایا کہ بیعت نہیں کرتے تو نہ کریں مگر کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جو امت کے لیے موجب فتنہ ہو۔ یہ جو عراقیوں نے آنا جانا شروع کر دیا ہے تو ان کی باتوں سے دغا کی بو آتی ہے۔

انہیں سمجھانے میں اکیلا میں ہی نہ تھا اور اعزہ واقرباء بھی تھے اور ہمیں امید تھی کہ ہمارے دلائل سے وہ مطمئن ہو جائیں گے، اور ان کا ارادہ بدل جائے گا۔ اسی لیے میں نے امیر المومنین کو لکھ دیا تھا کہ جہاں تک میری اور میرے گھرانے کی کوششوں کا تعلق ہے تو میں امید رکھتا ہوں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ایسا کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے جو آپ کے لیے تشویش کا باعث ہو، مگر ہونی تو ہو کر رہتی ہے۔ ہماری باتوں کو انہوں نے دور بیٹھے کی باتیں جانا اور سبائیوں کو عینی شاہد سمجھ کر مخلص باور کر لیا۔ چنانچہ وہ ہمارے روکے نہ رکے اور سبائیوں کے ساتھ چل پڑے''۔ ①

یہ کہہ کر عبداللہ بن العباس رضی اللہ عنہما بیٹھ گئے۔ اب امیر المومنین کھڑے ہوئے اور یوں خطاب کیا:

''حضرات بات اتنی ہی نہیں۔ عزیزانہ کوششوں میں ناکامی کے بعد، ہماری سرکاری کوششوں کی ناکامی بھی دیکھیے۔ میرے امیر نے جب یہ صورت حال دیکھی تو اس نے سرکاری طور پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے استدعا کی کہ سبائیوں کی باتوں میں نہ آئیں اور واپس آ کر بعزت واحترام رہتے رہیں۔ ان سے کوئی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ وہ اگر چاہتا تو قوت

① البدایہ والنہایہ: جلد ۸ صفحہ ۱۶۴، ناسخ التواریخ .

کے بل پر انہیں روک سکتا تھا۔ مگر جہاں اسے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا پاس تھا، وہاں اسے حرم کی حرمت بھی ملحوظ خاطر تھی اور میرا طرز عمل بھی اس پر ہویدا تھا جس کی پیروی کا میں نے اسے مکلف کیا تھا۔ میرے بزرگ سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے بڑی کوشش کی تھی۔ یہ موجود ہیں، اگر چاہیں تو اپنی کوششوں کی تفصیل سے ایوان کو مطلع کر سکتے ہیں''۔

سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما

یہ سنتے ہی سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے اور عدالت کی اجازت سے فرمایا:

''لوگو! مجھے پہچانو۔ میں ہوں عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے سگے چچا کا فرزند اور سگا بہنوئی۔ مجھے اور میرے بھائیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچوں کی طرح پالا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دوں کہ یہ مرد جری، جو تمہارے سامنے بیٹھا ہے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہما، جسے ہم نے اپنے اجماع سے امت کا امام منتخب کیا یہ میرا داماد ہے۔ ①

اب بتاؤ اپنے بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور اپنے داماد یزید کو میں جانتا ہوں یا مجوسیوں کی اولاد میں یہ سبائیت زدہ شخص جو مورخ بنا ہوا ہے۔ کیا کسی کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ ہمارے مواقف تو غلط تھے اور جو منظر کشی ان لوگوں نے کی ہے اسے صحیح باور کیا جائے؟

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت پر جو صدمہ ہمیں، ہمارے اعزہ اور ہم عصر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مخلص اہل ایمان کو ہوا، اور اس کے جو اثرات ہمارے قلوب پر پڑے، اسے ہمارے علاوہ اور کون جان سکتا ہے اور جو

① انساب الاشراف للبلاذری تحت الترجمہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما۔

نفرت ان کے قاتلوں سے ہمیں ہے اور ہمیشہ رہی وہ کسی اور کو کیا ہو سکتی ہے۔
اب بتاؤ کہ امیر المومنین کے اور ہمارے تعلقات میں یگانگی اور شگفتگی ماند پڑ گئی، یا پہلے سے زیادہ ہو گئی۔ پھر سبائیہ سے جو بے تعلقی اور نفرت ہمیں تھی وہ بڑھی یا کم ہوئی۔

ان نام نہاد مورخوں نے ہمارے مواقف کیوں نظر انداز کر دیئے اور کیوں ان ملحدوں اور زندیقوں کے بیان قابل توجہ سمجھے، جن کا کھلا ہوا منصوبہ تھا کہ ''کربلا'' کے سانحے کو غلط اور بے حقیقت رنگ دے کر، یزید کی خیالی بدکاری، اور طرح طرح کی خود ساختہ بدعنوانی کا چرچا کر کے ہم سب کو بے حیثیت بنا دیں اور پھر بڑھتے بڑھتے خود رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی پر اتر آئیں۔ یعنی آپ کو اپنے مقصد میں ناکام ثابت کر کے ختم نبوت کا انکار کر دیں اور کسی دوسرے کے آنے کا عقیدہ وضع کر کے امت کو بے آسرا بنانے کی کوشش میں نفس دین پر خطِ نسخ پھیر دیں۔

اب میں سادہ سے انداز میں صحیح واقعہ بیان کرتا ہوں، جس کے سب عینی شاہد یہاں موجود ہیں۔ یہ حقیقت ہے اور ناقابل تردید کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ خاموش بیٹھے تھے اور بیعت سے انکار کے علاوہ انہوں نے کچھ نہیں کیا تھا۔ یہ معلوم کر کے سبائی مفسدوں اور غداروں نے ان کے پاس آنا جانا شروع کر دیا اور انہیں باور کرایا کہ تمام عراق ان کی آمد کا منتظر ہے اور اتفاق کر چکا ہے کہ مرکز سے تعلق منقطع کر کے ان کی خلافت پر اجماع کر لے۔

ہم جانتے تھے کہ ان سبائی غداروں سے رابطہ قائم کرنے میں پہل سیدنا

حسین رضی اللہ عنہ نے نہیں کی تھی، اس لیے ہم نے انہیں بہت سمجھایا کہ ان دغا بازوں بے وفاؤں کی باتوں میں نہ آئیں۔ یہ جھوٹے ہیں اور صرف فساد بپا کر کے امت کو فتنے میں مبتلا کرنے کے علاوہ ان کا اور کوئی مقصد نہیں۔

یہ لوگ اگر سچے ہیں تو انہیں چاہیے کہ اپنے وطن کو واپس ہوں، وہاں کی سیاسی فضا ہموار کریں اور جب قطعیت کے ساتھ واضح ہو جائے کہ حکومت کے کارکنوں کو سیاست سے بے دخل کر دیا گیا ہے، اور حسینی خلافت کا اعلان کر دینے کے تمام اسباب فراہم ہو گئے ہیں، تب بے شک عراق کا قصد کریں اگرچہ یہ اقدام ہماری نگاہوں میں پھر بھی قرین صواب نہیں ہو گا کیونکہ یہ خرق اجماع کہلاتا ہے، جس پر سخت وعیدیں ہیں۔

مگر ہماری کوششیں بے کار گئیں اور عین اس وقت جب حاجی لوگ مناسک حج کی تکمیل میں مشغول تھے اور بعض نے آخری طواف کے بعد شہر سے جانا بھی شروع کر دیا تھا، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ان ساٹھ کوفیوں کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے جو حاجیوں کے بھیس میں انہیں لینے کے لیے آئے تھے۔

مجھے جب یہ معلوم ہوا تو فوراً والی مکہ کے پاس گیا اور انہیں آمادہ کر لیا کہ وہ سرکاری طور پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے واپسی کی استدعا کریں اور اطمینان دلائیں کہ اگر واپس آ جائیں تو ان سے کوئی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ امیر نے عرب کے قاعدے کے مطابق اپنے بھائی یحییٰ کو میرے ساتھ کر دیا تھا۔

ہم نے انہیں راہ میں جا لیا اور ہر طرح سمجھایا کہ سرکاری یقین دہانی کی پزیرائی میں وہ واپس آ جائیں۔ مگر وہ کسی طرح واپسی پر راضی نہیں

ہوئے۔ ①

ان کی طرف سے خرق اجماع کا یہ ارتکاب میری برداشت سے باہر تھا اور میں تیار نہ ہوسکا کہ اپنے آپ کو اس عصیان میں ملوث کردوں۔ اس لیے میں نے اپنی بیوی اور ان کی بہن زینب کو ان کے ساتھ جانے سے روکا اور واپسی کا حکم دیا۔ مگر وہ بھائی کے ساتھ جانے پر بضد رہیں۔ تو میں نے محض رضاء الٰہی کے لیے اپنی محبت اور تعلق خاطر قربان کر کے انہیں طلاق دے دی۔ ساتھ ہی اپنے فرزند علی کو بھی واپس لے آیا جو زینب کے بطن سے میرا واحد زندہ بیٹا تھا۔

اس ہوش مند مومن صادق نے بھی رضاء الٰہی کے لیے ماں سے جدائی برداشت کر لی۔ زینب سی بیوی سے میرا اور زینب سی ماں اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ جیسے ماموں سے علی کا جدا ہونا ہم پر جیسا شاق تھا، اسے ہم ہی جانتے ہیں۔

یہ محض قواعد شرعیہ کی پاسداری تھی اور اجماع امت کی حرمت کا تقاضا، جو ہم نے سینے پر پتھر رکھ کر پورا کر دیا''۔

اتنا کہہ کر آپ بیٹھ گئے۔

① البدایہ والنہایہ: جلد ۸ صفحہ ۱۶۳، طبری جلد ۴ صفحہ ۲۹۱.

باقی بات

اب امیر المومنین کھڑے ہوئے اور اپنی تقریر کا سلسلہ یوں جوڑا:

''حضرات! بات اتنی ہی نہیں۔ میں نے والیٔ عراقین ابن زیاد کو فرمان بھیجا کہ

''جو فتنہ سر اٹھا رہا ہے اسے ٹالنے کی کوشش کرو اور ایسی تدبیر بروئے کار لاؤ کہ شورش پسند لوگ شہر کے امن میں خلل نہ ڈال سکیں۔ جس پر فساد کا شبہ ہو اسے قید میں ڈال دو۔ مگر کسی کو قتل مت کرنا جب تک وہ خود تلوار نہ اٹھائے''۔ ①

بہر حال سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے روانہ ہو جانے کے باوجود، میں نے کوئی سخت قدم نہیں اٹھایا، اور نہ عبید اللہ بن زیاد نے۔ انہوں نے صرف اتنا کیا کہ مفسد ٹولے کے چند بڑے بڑے لوگوں کو قید میں ڈال دیا۔ انہیں میں مختار ثقفی بھی تھا۔

ابن زیاد نے دوسرا تعمیری کام یہ کیا کہ کچھ نفری کے ساتھ عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے بھیجا کہ جس طرح ممکن ہو صورت حال درست کرنے کے لیے ایسی تدبیر کریں کہ فتنہ سر نہ اٹھا سکے۔

① طبری جلد ۴ صفحہ ۲۰۱.

چنانچہ ابن سعد کی کوشش بار ور ہوئی اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ میرے پاس آنے کے لیے دمشق کی طرف روانہ ہو گئے۔ ① تو بتائیے کہ پھر میرا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا اختلاف ہی کیا رہا اور ایسا کب ہو سکتا تھا کہ مجھے یا میری حکومت کو ان کے خلاف فوجی کارروائی کرنی پڑتی۔

اب جو وہ قتل ہوئے تو بتائیے کہ اس ظلم و جرم و شقاوت کا ارتکاب کن لوگوں نے کیا اور مجھ پر یہ الزام کیوں ہے کہ میں قاتل آل البیت ہوں۔ شاید اس موضوع پر کسی عینی شاہد کا بیان، اسی اجلاس میں حاضرین کرام سن سکیں۔

پھر فرمائیے کہ کیا اہل مدینہ پُر امن تھے اور انہوں نے میرے خلاف شورش بپا نہیں کر رکھی تھی۔ مجھے جب والی مدینہ نے یہ اطلاع بھیجی کہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے داعی ابن المطیع، یہاں کی فضا مکدر کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور کچھ لوگ ان کے ہمنوا ہوتے جا رہے ہیں تو میں نے انہیں لکھا کہ ان شورش پسندوں کا ایک وفد میرے پاس بھیج دو۔ یہ لوگ میرے پاس آئے اور میں نے ہر طرح ان کی استمالت کی کوشش کی اور ان کے جائز مطالبات پر ہمدردانہ غور کرنے کا وعدہ کیا، پھر انہیں انعام واکرام کے ساتھ رخصت کر کے مطمئن ہو گیا کہ جوار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رہنے والے یہ لوگ اپنے وعدہ کے مطابق سلامت روی اختیار کر کے حرم پاک کی بے حرمتی سے احتراز کریں گے۔ ②

---

① البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۷۱، طبری جلد ۴ صفحہ ۲۳۔

② صحیح البخاری۔

مگر میرے پاس نکلتے ہی ان کا رویہ بدل گیا اور انہوں نے مدینہ طیبہ پہنچ کر لوگوں کو میرے خلاف بھڑکانے کا سلسلہ شروع کر دیا اور وہ بھی شخصی حیثیت سے میرے کردار پر کیچڑ اچھال کر۔ جھوٹ بول نہیں سکتے تھے اور افترا کر نہیں سکتے تھے، اس لیے تلبیس سے کام لیا۔ میں نقرس کا مریض تھا اور اس تکلیف کے سبب بعض اوقات مسجد نہ جا سکا تو کہہ دیا کہ تارک صلوٰۃ ہوں۔

ہم ٹھنڈے ملک کے رہنے والے تھے اور فرمان فاروقی رضی اللہ عنہ کے مطابق علماء وفقہاء رحمۃ اللہ علیہم شام نے مثلث پینے کی حلت کا فتویٰ دے دیا تھا، لیکن چونکہ مدنی فقہاء رحمۃ اللہ علیہم اس کی حلت کے قائل نہ تھے تو کہہ دیا کہ میں نشہ باز ہوں۔

شریعت کے صریح احکام ہیں کہ اپنی فقہ پر عمل پیرا شخص دوسرے فقہاء کے نزدیک فاسق نہیں کہلاتا، اس کے باوجود ان لوگوں نے مجھے فاسق قرار دے کر میرے خلاف ''جہاد'' کا اعلان کر دیا اور بھول گئے کہ امام کا شخصی فسق اس کے جائز حکمران ہونے کی راہ میں حائل نہیں ہوتا، جب تک وہ حکماً کسی ایسے عمل کی تلقین نہ کرے جو صراحتاً شریعت مطہرہ کے خلاف ہو۔ ①

① اس سلسلے میں ائمہ اربعہ اور جملہ مجتہدین فقہاء ومحدثین علماء اہلسنت کا مسلک ہے۔ عقیدۃ الطحاویہ میں اس طرح مذکور ہے: ''ولا نری الخروج علی ائمتا وولایۃ امورنا وان جاروا ولا ندعوا علیهم ولا ننزع یدا من طاعتهم من طاعة الله فریضة ما لم یامروا بمعصیة وندعو لهم بالصلاح والمعافاة '' (صفحہ ۵۰) یعنی ''اور ہم اپنے ائمہ (سربراہان مملکت) اور حکام کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں اور ہم انہیں بددعا دینا (بھی جائز نہیں سمجھتے) اور ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لینا بھی جائز نہیں سمجھتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کے تقاضے سے ہم ان کی اطاعت کو اس وقت تک فرض سمجھتے ہیں جب تک وہ کسی معصیت کا حکم نہ دیں اور ہم ان کے لیے صلاح اور معافاۃ کی دعا کرتے ہیں''۔ (محمد فہد حارث)

اس وقت بھی قرآنی حکم ہے کہ فساد کی بجائے اس کا مرافعہ عدالت میں کر کے وہاں سے شرعی حکم حاصل کیا جائے۔ پھر بھی امام نہ مانے تب البتہ اس کے خلاف خروج کیا جا سکتا ہے۔ یہاں تو ایسی کوئی بات نہ تھی۔ پھر ان لوگوں نے اس ہنگامہ آرائی کا جواز کیسے ڈھونڈ لیا، اور کیوں نہ دیکھا شہر کے اکابر واعاظم اس شورش کو اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ سے غداری تصور کرتے تھے اور لوگوں کو اس فتنے میں مبتلا ہونے سے روکتے تھے۔

چند جذباتی انصاری جوان اِن شرپسندوں کے بہکائے میں آ گئے اور کچھ دوسرے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر انہوں نے میرے خلاف ایک فوجی جتھہ بنا لیا۔ پھر غضب یہ کیا کہ میرے حکومت کے نمائندوں اور میرے خاندان کے لوگوں کو شہر بدر کر کے میری بیعت توڑ دی۔

میری حکومت کے نمائندے اگر چاہتے تو اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور میرے حمایتیوں کی مدد سے ان کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے حرم کی حرمت کے احترام میں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا اور معاملہ مجھ پر چھوڑ دیا۔

اس طرح ان باغیوں کی تادیب میرے لیے ناگزیر ہو گئی۔ آپ حضرات نے خود ہی اعلان کر دیا تھا کہ ان کی شورش احکام الٰہی کے خلاف تھی اور ملت سے غداری کے مترادف۔

میرے فوجی دستے نے جو کچھ کیا اس کے آپ حضرات عینی شاہد ہیں، کیا میرے فوجیوں نے کوئی حرکت ایسی کی، جو امت کے لیے موجب

اشتعال ہو اور آنحضرت ﷺ کے حضور مجھے شرمندہ ہونا پڑے۔ ①

① اشارہ ہے مؤرخین کی نقل کردہ مجروح روایات کے ضمن میں موجودہ دور کے ان معترض حضرات کے اعتراضات کی طرف جن کے تحت یہ تمام حضرات اس غم میں ہلکان ہوئے جا رہے ہیں کہ واقعہ حرہ کے موقع پر شامی فوجوں نے مدینہ میں ایک ہزار عورتوں کی نہ صرف عصمت دری کی بلکہ ان ایک ہزار عورتوں سے کئی ہزار بچے بھی متولد کروالیے۔ قطع نظر اس بات کے کہ ہزار عورتوں کی عصمت دری کی ان غیر ثابت روایتوں میں سے کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں جس کو صحیح تو دور کی بات حسن لغیرہ بھی کہا جا سکے، کیا کبھی ان حضرات نے خود سے اس واقعہ کے مندرجات کی تحقیق کرنے کی کوشش کی کہ **قرون مشہود لھا بالخیر** میں سے ایک قرن کے مسلمانوں کو بدترین قسم کے فوجی جرائم میں ملوث قرار دینے والی اس کہانی کی اسنادی حیثیت کیا ہے، یہ ہم تک کس ذرائع سے پہنچی ہے اور اس کی صداقت کا اثبات تو کجا محض امکان ہی کس حد تک قابل تسلیم ہے؟

حکومت قائمہ کی اطاعت سے انکار کرنے والے ایک قلیل گروہ کی سرکوبی کو اگر جنگ کہا جا سکتا ہے تو چلیے اہل مدینہ کے باغیوں کے خلاف یزید کا عسکری اقدام جنگ ہی سہی، مگر یہ کوئی نئی جنگ تو نہ تھی جس کو خیر القرون کے مسلمانوں نے پہلی دفعہ لڑا ہو۔ اس سے آگے پیچھے مسلمانوں نے کئی جنگیں لڑیں، کفار کے خلاف ان کے دیار وامصار میں جا کر جہاد تک کیا لیکن ایسی قتل وغارت گری اور شہر کو مباح کرنے کی داستانیں، جیسے کہ واقعہ حرہ کے سلسلے میں بیان کی جاتی ہیں، کبھی کفار کے خلاف جنگوں میں نہ سنائی دی گئیں۔ یہ وہی زمانہ تھا جب کچھ ہی دن ہوئے اسلام کے لشکر کافروں کی مملکتوں میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے، لیکن مفتوح قوموں کی حسیناؤں اور پری جمالوں کی طرف آنکھ اٹھا کر تک نہ دیکھا، نہ ان کے شہروں کو مباح الدم قرار دیا، وہاں فاتحانہ داخل ہونے کے باوجود لوٹ مار کا بازار گرم کرنے کی اجازت بھی کسی کو حاصل نہ ہو سکی اور نہ ہی کسی کے ضمیر نے ایسا کرنا گوارا کیا تو پھر یہ کیسے قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ اسی زمانہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کی سرکردگی میں **مستخلفین** کے خلاف تادیبی کاروائی کرنے والے مسلمان مجاہدین اچانک ایسے بے حیا، بدکار اور سفاک ہوگئے کہ دیارِ رسول ﷺ میں لوٹ کھسوٹ، قتل عام اور بقول بعض پاک بیبیوں کی عصمتوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیں۔ حد ہوتی ہے ناسمجھی اور تعصب کی بھی۔ اللہ دروغ بافوں کو سمجھے، بڑی ہی ناپاک اور گھناؤنی داستان ہے جو انہوں نے اہل بیت کی غالی عقیدت میں بنوامیہ کو ذلیل ورسوا کرنے کی خاطر گھڑی اور اس بات کا خیال بھی نہ کیا کہ بنوامیہ ویزید کو ظالم ثابت کرنے کے چکر میں اسلام کی بے مثال عسکری تاریخ کا دامن اس افسانہ طرازی کے ہاتھوں کیسا داغدار ہوا جاتا ہے۔ افسوس تو عبدالمنان راسخ اور طاہر اسلام عسکری صاحب جیسے لوگوں پر ہے جو بعض علماء کے ان علمی تسامح کو اپنے استدلال کے لیے لے کر آتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ مدینہ پر لشکر کشی کرنے والی فوج میں بیشتر حضرات صحبت رسول ﷺ سے متصف تھے اور باقی کی اکثریت جلیل القدر تابعین پر مشتمل تھی۔ بقول مورخ المسعودی: ''**فبعث الیھم یزید مسلم بن عقبہ المری فی اربعۃ الاف**'' (التنبیہ والاشراف صفحہ ۳۰۴) یعنی یزد نے مسلم بن عقبہ المری کو چار ہزار فوج لے کر بھیجا۔ ان مسلم بن عقبہ المری کو بعض اہل علم نے صحابی بتایا ہے جبکہ ان کے زیر کمان جو دوسرے ==>

ایک طرف آپ حضرات ہیں اور آپ کے مواقف اور دوسری طرف یہ نام نہاد تاریخ نویس ہیں جنہوں نے عظمت وجلال کبریائی سے بے خوف ہوکر مجھ پر ایسے ایسے بہتان رکھے کہ اللہ ہی ان سے سمجھے گا۔

اب عرض ہے کہ جب مجھ پر یہ واضح ہو چکا تھا کہ اہل مدینہ کی شورش میں ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کا ہاتھ ہے تو کیا میرے لیے ضروری نہیں ہو گیا تھا کہ اس فتنے کا استیصال کروں اور کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ آپ حضرات نے ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے اقدامات کو فتنہ قرار دیا تھا۔

مجھے ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے عزائم کا اندازہ اسی وقت ہو گیا تھا۔ جب انہوں نے تجدید بیعت کا معاملہ مشتبہ رکھا۔ یہ دلیل تھی کہ ان کا منصوبہ سیاسی ہے لیکن میں نے پھر بھی کوشش کی کہ معاملہ پرامن طریقے پر حل ہو جائے۔

میں نے انہیں مصالحانہ خطوط لکھے جن کا لہجہ سرکاری نہ تھا بلکہ عزیزانہ تھا۔ پھر خود ان کے بھائی کو بھیجا کہ وہ فساد سے بچیں اور حرم کی بے حرمتی سے باز رہیں اور خود اپنے اعزہ واقربا کے طرز عمل کا خیال کریں۔

==>افسران ایک ایک ہزار کے دستوں کی قیادت کر رہے تھے ان میں سے سیدنا عبداللہ بن سعلۃ الفزاری رضی اللہ عنہ جو کہ مجاہدین دمشق کے کماندار تھے، کی بابت ابن حجر نے صحابیت کا امکان ظاہر کیا ہے جبکہ دوسری ہزار پر متعین کماندار سیدنا حصین بن نمیر السکونی کو ابن عساکر، ابوعلی مسکویہ، امام قرطبی وغیرہ نے صحابی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کی کتابت کرنے والا بتایا ہے جس کی بابت ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ جلد اول میں حصین بن نمیر کے ترجمہ میں نشاندہی کی ہے، اسی طرح تیسری ہزار پر متعین سیدنا عبداللہ بن عصام الاشعری رضی اللہ عنہ جو کہ اہل اردن کے کماندار تھے، ان کا ذکر ابن حجر نے الاصابہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذیل میں کیا ہے:

اب جس فوج میں چار کماندار شرف صحابیت سے متصف ہوں، ان کی بابت یہ قیاس کرنا کہ انہوں نے اپنی فوج کو مدینہ میں لوٹ کھسوٹ کی اجازت دے رکھی تھی جس کے تحت افواج شام نے تین دن تک مدینہ میں قتل وغارت گری کا بازار گرم رکھا تھا، شرف صحابیت سے بے اعتنائی اور سبائی پروپیگنڈہ سے متاثر ہونے کا شاخسانہ ہی ہوسکتا ہے۔ (محمد فہد حارث)

مگر انہوں نے میری سلاست روی کا کچھ اثر نہ لیا اور ایسے برافروختہ ہوئے کہ اپنے اس بھائی کو قتل کر دیا۔ اول تو حرم میں قتل، پھر بھائی کا قتل اور پھر امام جماعت کے قاصد کا قتل۔ کیا اس کی کوئی مثال ملتی ہے؟①

انہوں نے اتنے ہی پر بس نہیں کی بلکہ اپنے داعی کو بھیج کر اہل مدینہ کو بغاوت پر اکسایا۔ اہل مدینہ میں سرکشی کو ہوا دے کر میرے قاصد کو مکہ معظمہ میں قتل کرنا کیا ایسی حرکتیں نہ تھیں کہ میری طرف سے سخت ترین کارروائی کی جاتی؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے قاصد کے قتل پر جہاد کا حکم نہیں دیا تھا، کیونکہ عملاً یہ اعلان جنگ کی صورت ہوتی ہے۔

میں نے ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو لکھا تھا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور ساری امت کے نزدیک جو حضرات ان سے بدرجہا زیادہ محترم ہیں انہوں نے جب یک زبان ہو کر میری ولایت عہد پر اجماع کیا اور ان میں جن سینکڑوں حضرات نے میری خلافت کا زمانہ پایا، وہ سب میرے دس سالہ کوائف دیکھ کر، برضا ورغبت میری بیعت میں داخل ہو گئے اور ساری امت نے میری خلافت کو اجماعی قرار دیا، تو پھر کسی کے لیے کب روا رہا کہ وہ اس اجماع کی بے حرمتی کرے۔②

جب کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے صریح احکام کے مطابق یہ حق پہنچتا تھا کہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف سخت ترین کارروائی کروں، تو کیا واقعی میں نے ایسا کیا؟

---

① البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۴۸ .
② انساب الاشراف جلد ۴ صفحہ ۱۶ .

میں نے تو اپنے فوجیوں کو صرف اتنا حکم دیا تھا کہ حدودِ حرم کے باہر سے مکہ معظّمہ کا محاصرہ کر لیا جائے تا کہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو تنبیہ ہو اور وہ اہل مدینہ کی بغاوت کا انجام دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ اور جان لیں کہ رائے عامہ میرے ساتھ ہے اور خود اہل مکہ میں صنادید اسلام میری حمایت پر ہیں۔

للہ بتایئے کہ میرا حکم قواعد شرعیہ کے خلاف تھا؟ پھر بتایئے کہ مقبول انام اجماعی حکومت کے خلاف اگر حرم شریف کو فوجی مورچہ بنا لیا جائے تو حکومت قائمہ کا یہ فرض نہیں بن جاتا کہ مجرموں اور مفسدوں کو قرار واقعی سزا دے کر حرم کو دارالامن بنا دے۔

کیا حرم کی حرمت اس میں ہے کہ طرح طرح کے مجرم وہاں پناہ لے کر بیٹھ جائیں اور گمان کر لیں کہ انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا کیونکہ وہ حرم میں پناہ گزیں ہیں۔ جب عام مجرموں کو معاف نہیں کیا جا سکتا اور انہیں عبرت ناک سزا دی جاتی ہے تو باغی لوگ تو کہیں زیادہ سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔

جو لوگ معاشرے میں انتشار پھیلائیں، کلمہ متفرق ہو رہا ہو لوگوں پر زمین تنگ ہو جائے، حتیٰ کہ باہر سے آنے والے لوگ عمرہ کرنے کے لیے بھی حرم میں داخل نہ ہو سکیں تو کیا ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کا یہ صریح حکم نہیں کہ ایسے لوگوں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے تا کہ تائب ہو کر دوبارہ جماعت میں شامل ہو جائیں یا پھر کیفر کردار کو پہنچیں۔

لیکن میں نے نہایت ضبط و تحمل سے کام لیا اور فوجی دستے کو صرف محاصرے کا حکم دیا۔ میرے فوجیوں نے جو کچھ کیا وہ آپ کے علم میں

ہے تو بتائیے کہ اس حصار کے وقت وہ سب کچھ ہوا جو افترا پرداز راویوں نے اسے حصار کہنے کے باوجود بیان کیا ہے اور کیا اس کا امکان تھا کہ قتال کی ابتدا میرے فوجیوں کی طرف سے ہو۔

قتال کی ابتدا ہوتی ہے ہمیشہ محصوروں کی طرف سے جو اندرونی مصائب وآلام سے زچ ہو کر لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ قتال کی ابتدا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے ہوئی اور ظاہر ہے کہ یہ قتال حرم کے باہر ہوا۔ تو پھر مجھ پر حرم کو تاراج کرنے کا الزام کس بنا پر عائد کیا جاتا ہے۔

یہاں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان جیسے دوسرے حضرات موجود ہیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ اپنی آنکھوں دیکھی سب باتیں بیان فرما دیں گے۔

شیخ الصحابہ
سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

اب عدالت کی طرف حکم ہوا کہ کوئی صاحب اگر بولنا چاہیں تو بولیں۔ یہ سنتے ہی کھڑے ہوئے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ آپ کا کھڑا ہونا تھا کہ سب مؤدب ہو کر ہمہ تن گوش ہو گئے۔ آپ نے بلند آواز سے فرمایا:

''لوگو! میری بات سنو۔ جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں ہوں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیعۃ الرضوان میں اپنے والد ماجد سے بھی پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں اپنا ہاتھ دینے والا۔ اور میرے ساتھ ہیں وہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے آخر دم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ ان میں وہ ہیں جن کے گھر میں ابتدا دعوت کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گنے چنے اصحاب کے ساتھ جمع ہوا کرتے تھے اور میرے والد ماجد کے ایمان لانے سے پہلے کسی میں ہمت نہ تھی کہ حرم کعبہ میں نماز پڑھ سکے۔ دیکھ لو یہ بیٹھے ہیں الارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ پھر ان میں وہ انصار رضی اللہ عنہم ہیں جو پہلی اور دوسری بیعۃ عقبہ میں شریک تھے۔ دیکھ لو یہ ہیں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما۔ پھر ان میں اصحاب بدر رضی اللہ عنہم ہیں، اصحاب احد رضی اللہ عنہم ہیں، اصحاب خندق رضی اللہ عنہم ہیں اور اصحاب بیعۃ الرضوان رضی اللہ عنہم ہیں۔ انہی میں وہ ہیں جنہوں نے ارتداد عرب کا فتنہ فرو کیا اور جنہوں نے اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے دنیا کی قوموں سے جنگ مول لی جنہوں

نے تخت کیانی اوندھا دیا اور درفش کاویانی کے پرخچے اڑا دیئے۔

ان سب کے ساتھ وہ سب علماء وفقہاء رحمۃ اللہ علیہم ہیں جو خاص کوفے میں، مدینہ طیبہ میں اور مکہ معظّمہ میں اس وقت موجود تھے جب یہ واقعات رونما ہوئے۔ الطّف کا سانحہ، اہل مدینہ کی شورش اور حصار مکہ کی ایک ایک بات انہوں نے دیکھی اور عینی شاہدوں سے سنی۔ علقمہ بن قیس، اسود بن ہلال، عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہم جیسوں کو بھلا کر تم کس فقہ پر عمل کرو گے؟''۔

پھر آپ نے مؤرخوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے فلاں اور اے فلاں، میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تم اس وقت دنیا میں تھے جب یہ واقعات رونما ہوئے۔ کیا تمہارا فرض یہ نہیں تھا کہ اول پوری طرح تحقیق کرتے، پھر بات منہ سے نکالتے اور قلم سے لکھتے۔ تم نے تقیہ بازوں، فتنہ پروروں، اور کذابوں کی روایتیں نقل کرتے وقت ہمارے مواقف تو دیکھے نہیں جو واقعات ثابتہ ہیں اور سچا سمجھ لیا ابو مخنف ① اور سدی ② جیسوں کو۔ تمہیں اللہ تعالیٰ کا یہ صریح فرمان کیوں یاد نہیں رہا۔

---

① یہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ اردی ہے جو عند المحدثین سخت مجروح راوی ہے۔ ابو حاتم الراوی نے اسے متروک الحدیث، ابن معین نے بے وقعت اور ابن عدی نے آگ لگانے والا کٹر شیعہ اور شیعوں کا مورخ بتلایا ہے۔ **(الجرح والتعدیل ۱۸۲/۷، تاریخ ابن معین ۴۳۹/۳، الکامل فی الضعفاء لابن عدی ۲۴۱/۷)** جبکہ امام اسماعیل الاصبہانی نے اس کو ناقابل اعتبار اور ابن الجوزی نے کذاب بتایا ہے۔ **(الموضوعات ۴۰۶/۱)** (محمد فہد حارث)

② یہ محمد بن مروان السدی ہے۔ امام ذہبی نے میزان میں اس کی بابت لکھا ہے کہ جمہور نے اس کو متروک قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے اس کو کذاب کہا ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ یہ ثقہ نہیں ہے جبکہ ابن عدی نے اس کو ضعیف بتلایا ہے۔ **(میزان الاعتدال تحت ترجمہ محمد بن مروان سدی)** (محمد فہد حارث)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ⑥ ①

''اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، تمہارے پاس ایک بدراہ شخص کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم ناواقفیت میں کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر تمہیں پچھتانا پڑے''۔

تم نے ہمیں وہ اذیت پہنچائی ہے کہ اس کی پاداش سے تم بچ نہیں سکتے۔ تم نے ہمیں ہیچ سمجھا اور ہمارے مقابلے پر کھڑا کردیا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اور وہ بھی ہم پر اور ان پر طرح طرح کے جھوٹ بول کر۔ تم نے ہمارے مناقب فراموش کردیئے اور عند اللہ والناس جو حیثیت ہماری ہے اسے یک قلم دل سے محو کردیا۔ حالانکہ یہ ہم ہیں کہ حُسن کے ساتھ ہمارا اتباع کیے بغیر کسی کا ایمان مقبول نہیں۔

کیا تم بھول گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اس دین کے فروغ کے لیے جان و مال کی بازی لگائی تو ہم نے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کشت دین کی آبیاری کی تو ہم نے۔ یہ باغ ہمارا لگایا ہوا ہے، اس کا بوٹا بوٹا ہم نے سینچا ہے۔ اس کے پھولوں اور پھلوں میں جو مہک رچی ہوئی ہے، تو ہمارے خون پسینے کی۔

جو لوگ اس کی شادابی اور دل آویزی پر پیچ و تاب کھاتے ہیں اور اسے اجاڑنے کے لیے فرقہ بازی کے جھاڑ جھنکار اس میں ڈالنا چاہتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے کھلے الفاظ میں کافر کہا ہے۔

① الحجرات: ٦.

کیا تم نہیں جانتے کہ جب ہم مشرق ومغرب اور شمال وجنوب میں، اس دین کے لیے جان ہتھیلی پر لیے پھرتے تھے، اس وقت سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما بچے تھے اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔تم نے ہمیں فراموش کر دیا، ہمارے اجماعی مواقف کو باطل پرستی سے تعبیر کیا، اور دین کا محافظ بنا دیا تو ان دونوں کو جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت بھی شاید یاد نہ ہو۔

یہ طعن میں ان پر نہیں کر دیا۔ جو محبت مجھے ان سے ہے اور انہیں مجھ سے، اس کے لیے مجھے کوئی دلیل لانے کی ضرورت نہیں''۔

پھر آپ نے ان علماء وفقہاء کو مخاطب کیا جو شخصیات میں الجھ کر دامن اعتدال سے ہاتھ چھوڑ بیٹھے:

''او عالمو اور فقیہو! تم نے بہت سی باتوں میں ہمارا اتباع کیا اور دین کے فروغ کے لیے کوششیں کیں، مگر فرقہ بازی برداشت کر لی یا مخالفت کی بھی تو غیر موثر انداز میں۔ کاش تم نے روح صدیقی سے کام لیا ہوتا تو ایسے لوگ معاشرے پر کیوں چھا جاتے، جنہوں نے امت میں فکری اور عملی بدعات وکفریات کو رواج دیا۔

تمہارا علم اور تمہاری روحانی سرگرمیاں اپنی جگہ، مگر تم نے یہ ظلم ہم پر کیا کہ جو نظام خلافت ہم نے اپنے اجماع سے قائم کیا، تم نے اس کے جواز پر حرف رکھا اور تم میں سے بعض نے اسے باطل کہنے تک کی جرات کر ڈالی۔

یہ جوان صالح جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے اور مستغیث کی حیثیت سے ایوان میں حاضر ہے، اس کے بارے میں تم بہک گئے بلکہ

سبائی وسیسہ کاری سے مات کھا گئے۔تم، ان تینوں کی باتوں میں آ گئے جو اپنے آپ کو مؤرخ کہتے ہیں۔تم نے اصول وقواعد چھوڑ دیئے۔تم نے ہمارے مواقف سے آنکھیں بند کرلیں اور فتنوں کے زمانے کی بات کرتے وقت شخصیتوں پر مدار رکھا۔اور شخصیتیں بھی وہ جن کے درجات تمہارے خودساختہ ہیں۔

تمہیں نہ کتاب یاد رہی نہ سنن،تم بھول گئے کہ شخصیتیں قانون کے تابع ہوتی ہیں۔اگر قانون کو شخصیتوں کا تابع بنا دیا جائے تو پورا دین غارت ہوجاتا ہےاور پورے معاشرے پر پستی چھا جاتی ہے۔

تم نے یہ نہ سوچا کہ جھوٹے سچے مناقب وضع کر کے کسی کو آسمان پر بٹھا دینا اور وضعی مثالب کے ذریعے کسی کو تحت الثریٰ میں دھکیل دینا، دین سے غداری ہےاور ملت کو زہر خورانی کے مترادف۔

یہ فتی العرب، جسے ہم نے اپنے اجماع سے امت کا امام بنایا، سبائیوں نے اسے دہلیز بنالیا ہے کہ درجہ بدرجہ زینے پر چڑھ کرہم تک پہنچ جائیں اور ہم پر فقرہ بازی کے ساتھ ساتھ خود نبی ﷺ کی حیثیت ثانوی بنا دیں۔پھرقران حکیم تک کو ہدف طعن بناڈالیں۔یوں امت اس عذاب میں مبتلا ہوگئی جس سے چھٹکارے کی سبیل نہ رہی اور یہ سب نتیجہ ہے تمہاری فتویٰ بازی کا۔

کیا تم نے ہمیں ایسا بے حس، بے حمیت، دین کے تقاضوں سے بے پروا اور دنیا کا طالب جانا کہ گویا ہم کسی جبر کے آگے جھک گئے یا ہمیں کوئی دنیوی لالچ تھا، یا محض تن آسانی نے ہماری قوت فکر وعمل مفلوج کر دی

تھی، جو ہم نے تعلیماتِ ربانیہ اور مصالح ملیہ پس پشت ڈال کر اس شخص کی امامت پر اجماع کر لیا، جسے تم بدترین خلائق باور کرانا چاہتے ہو۔ حالانکہ ہم نے اس پیکر شجاعت وشہامت کو امامت کا اہل تسلیم کر کے اس کی ولایت عہد پر اجماع کیا تھا اور پھر خلافت پر۔

تمہیں یہ یاد نہیں رہا کہ ہمیشہ سیدھی راہ پر چلانے کی بشارت اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی ہے اور تم ہمیں ہیچ ثابت کرنا چاہتے ہو۔ تم نے سبائی روایتوں پر تکیہ کر کے یہ تصور کر لیا کہ کشتیٔ ملت ڈول رہی تھی اور حسین اگر پتوار نہ سنبھالتے تو ڈوب جاتی اور ہماری صورت حال کی زبونی دیکھ کر اگر سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کھڑے نہ ہوتے تو دین مٹ جاتا۔

مگر تمہارے پاس اس کا کوئی جواب ہے کہ اگر تمہارے بقول ان کا مقصد تھا، جاہلی حکومت کا تختہ الٹ کر کتاب وسنت کی حکمرانی قائم کرنا، تو ان کے مابین اتحاد کیوں نہ تھا اور وہ ایک دوسرے کے حریف کیوں تھے؟

او عالمو، فقیہو! تم نے ہمیں ''دین فروش'' جانا کہ تمہارے بقول ہم ''ملوکیت اور شاہی استبداد'' سے خوف زدہ تھے، جو ہم نے حسین کے مکی موقف کی مخالفت کی تھی۔ احوال حاضرہ کا علم ہمیں تھا یا تمہیں ہے؟

ہم نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ فتنہ پرور اور بے وفا کوفی منافقوں کی باتوں میں نہ آئیں اور امت کے لیے فتنے کا سبب نہ بنیں، مگر انہوں نے ہماری مخلصانہ رائے نہ مانی اور کوفی سبائیوں کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ پھر اپنی آنکھوں سے صورت حال دیکھ کر انہوں نے اپنے موقف سے رجوع

کر لیا اور اپنے عم بزرگوار عمر بن سعد سے گفتگو کے بعد جماعت میں دوبارہ شمولیت کا اعلان کر کے دمشق کی طرف چل پڑے۔ یوں توفیق الٰہی نے ان کی دستگیری کی اور خروج عن الجماعۃ کی وعیدوں سے انہیں بچالیا۔ مفسدوں اور دین کے غارت گروں کو یہ صورت حال گوارا نہ ہوئی، اس لیے وہ بھی ساتھ ہو گئے اور موقع ملتے ہی اچانک بے خبری میں ان پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ پھر وہ ہنگامہ ہوا جس میں سب مفسد سبائی مارے گئے اور امیر ابن سعد جو ساتھ آئے تھے انہوں نے متعدد بنو ہاشم کو بچالیا''۔

پھر آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور فرمایا:

''علی بن الحسین اور حسن المثنیٰ رحمہ اللہ علیہم، کیا بات اسی طرح نہیں ہوئی تھی؟ تمہارے گھرانے کے افراد سبائی غداروں کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے یا حکومت کے خلاف لڑتے ہوئے؟''

سیدنا علی بن الحسین رحمہ اللہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

''حضرت آپ نے بالکل صحیح فرمایا۔ حکومت سے ہماری جنگ کیوں ہوتی۔ ہمارا معاملہ صاف ہو چکا تھا اور ہم تو امت کے متفق علیہ امام کے پاس دمشق جا رہے تھے۔ اگر اجازت ہو تو میں سب صورت حال بیان کر دوں''۔

اس پر مسند عدالت سے سیدنا علی رضوان اللہ وسلامنا علیہ نے ارشاد فرمایا:

''بیٹا ابھی نہیں۔ تمہارا بیان سب کے بعد ہوگا، کیونکہ تم سے زیادہ اس موضوع پر بولنے کا حق کسی کو نہیں اور اس عدالت کی کارروائی مکمل ہی

اس وقت ہوگی جب تم اپنے بیان سے اہل عالم پر حجت قائم کردو‘‘۔

اب پھر سیدنا شیخ الصحابہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

’’لوگو! تم نے سن لیا کہ بات کیا تھی اور ان سبائی راویوں نے اسے کیا سے کیا کر دکھایا۔ تم نے یہ نہ سوچا کہ اگر ’’کربلا‘‘ کا واقعہ اس طرح ہوتا جس طرح کذابوں نے مشہور کر رکھا ہے تو کیا ہم چپکے رہتے۔

ہاں ہم چپکے رہے اور ساری امت چپکی رہی کیونکہ ہم اپنے قطعی علم کی بنا پر جانتے تھے کہ حسین اپنا موقف بدل کر جماعت میں شامل ہو چکے تھے اور امام جماعۃ کے پاس جا رہے تھے کہ غداروں نے دھوکے سے انہیں شہید کر دیا۔ اس ظلم وستم اور ملت کشی کے مجرم سبائی غدار تھے جنہیں امیر عمر بن سعد نے اسی میدان میں کیفر کردار کو پہنچا دیا اور اکثر بنو ہاشم کی جانیں بچالیں۔ اب جو تم سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا نام لے کر روتے پیٹتے ہو تو اس کا مقصد ہمیں بدنام کرنے کے علاوہ اور کیا ہے؟‘‘

اتنا فرما کر سیدنا شیخ الصحابہ رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ عدالت کا حکم صادر ہوا کہ آئندہ تمام گواہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اجازت سے پیش ہوں۔ اب یہی وکیل استغاثہ ہیں۔

حضرت محمد رحمہ اللہ بن امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ

یہاں تک بات ہوئی تھی کہ ایک بزرگ کھڑے ہوئے۔ دیکھا تو وہ تھے حضرت محمد رحمہ اللہ بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جنہیں سبائیہ نے ''ابن الحنفیہ'' مشہور کر رکھا ہے اور بہت سے اصحاب علم وخبر سبائیہ کے کید ودجل کا خیال کیے بغیر انہیں اسی عرف سے یاد کرتے ہیں۔

کیا یہ بات عجیب نہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہر فرزند ''ابن علی'' کہلاتا ہے، مگر حضرت محمد رحمہ اللہ کو ابن الحنفیہ کہنا معمولی بات سمجھ لیا گیا۔ سبائیہ کا مقصد محض ان کی توہین ہے، کیونکہ ان کی والدہ ماجدہ کا تعلق مسیلمہ کذاب کے قبیلے سے تھا۔ اس لیے ''بنو فاطمہ'' کے مقابلے میں انہیں ابن الحنفیہ کہہ کر ایک طرف ان کے نسب پر چوٹ کی جاتی ہے۔ مگر ماں سے نسب چلانے والے یہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ سیدنا علی (زین العابدین) رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ سیدہ سلافہ (غزالہ) ام الولد تھیں اور حضرت محمد رحمہ اللہ کی والدہ کو سیدنا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا تھا۔

بہر حال وہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

''حضرت میں آپ کے طبقے کا تو نہیں بلکہ آپ کا متبع ہوں لیکن چونکہ بات میرے برادر بزرگ کی ہے اس لیے خطاب کی اجازت چاہتا ہوں''۔

سیدنا شیخ الصحابہ رضی اللہ عنہ نے عدالت کی اجازت سے فرمایا:

''میاں اپنے آپ کو حقیر کیوں سمجھتے ہیں۔ ہم تو آپ کے بڑے قدردان ہیں، اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ عالم وفقیہ ہونے کے سبب آپ کا امتیاز مسلم ① ہے۔ پھر سنت کی پابندی اور جماعت سے وابستگی نے آپ کا درجہ بہت بلند کر دیا ہے۔ کہیے جو آپ کہنا چاہتے ہیں''۔

اس طرح اجازت ملنے پر حضرت محمد رحمہ اللہ نے اول اپنے والد ماجد رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور پھر یوں خطاب کیا:

''لوگو! تم نے سنا جو سیدنا شیخ الصحابہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور مجھے بولنے کی اجازت دی۔ اب سنو جو میں کہتا ہوں۔ میں نے خانہ جنگی کے ہولناک نتائج دیکھنے کے بعد، اپنا رویہ یکسر بدل دیا۔ اور میرا عقیدہ ہے کہ تمام خیر وبرکت جماعت سے وابستگی میں ہے۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ اپنے اجماع سے کریں، اس کی پابندی ہر صاحب ایمان کا فریضہ ہے۔ اس بارے میں کتاب وسنت کے احکام صریح ہیں اور ایسے صریح کہ تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔

میں نے برادر بزرگ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو سمجھانے کے بہت کوشش کی کہ جماعت میں تفرقہ نہ ڈالیں اور جس امر پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مجتمع ہیں،

① اشارہ ہے ان اقوال کی طرف جو محمد بن علی رحمہ اللہ سے متعلق کتب تذکرہ میں ملتے ہیں۔ شیعہ مؤرخ ونساب مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ان محمد بن علی رحمہ اللہ کے بارے میں اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''كان محمد بن الحنفيه احد رجال الدهر فى العلم والزهد والعبادة والشجاعة وهو افضل ولد علی بن ابی طالب بعد الحسن والحسين''۔

''یعنی محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ علم وزہد وعبادت اور شجاعت میں اپنے زمانہ کی بلند پایہ شخصیت تھے اور وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے بعد سب سے افضل تھے۔ (صفحہ ۳۴۷)

ان کے اس اجماع پر حرف نہ آنے دیں کیونکہ عنداللہ یہ قابل مواخذہ ہے۔
ان سبائیوں کی باتوں کا کچھ اعتبار نہیں۔ ان کی عقیدت اور نیاز مندی محض نمائشی ہے اور ہلاکت آفریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے شر سے بچائے رکھے، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے ابا جان کو کن مصائب میں مبتلا رکھا اور ان کی زندگی کیسی اجیرن بنا دی۔ کیا وہ ان کے طرز عمل سے ہمیشہ نالاں نہیں رہے؟
پھر آپ کے برادر بزرگ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ انہوں نے جو کچھ کیا اسے کون فراموش کر سکتا ہے۔ ان پر قاتلانہ حملہ کیا، ان کا مال و اسباب سب لوٹ لیا، حتیٰ کہ خواتین کے زیور تک چھین لیے۔
یہ سراسر جھوٹ بولتے ہیں کہ عراق آپ کی حمایت پر مجتمع ہے اور اگر ہو بھی تو آپ کو اپنے برادر بزرگ کا اتباع کرنا چاہیے۔ وہ انہیں خوب سمجھ چکے تھے اور ان کا پختہ نظریہ تھا کہ احوال حاضرہ کے تحت امت کی امامت کے لیے صرف اموی سادات موزوں ہیں اور وہی ہیں جو امت کو ان کے کید اور دجل سے نجات دلا کر دین کو خالص اور عالم اسلام کو مستحکم رکھ سکتے ہیں۔
اس لیے میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ ان کی باتوں پر نہ جائیے۔ آپ میرے بڑے بھائی ہیں اور جو عقیدت و محبت مجھے آپ سے ہے، اسے آپ خوب جانتے ہیں۔ ① اس محبت کا تقاضا تھا کہ میں آپ کا ساتھ

① محمد بن علی رحمہ اللہ کے اس قول اور اس متعلق دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال کے لیے علامہ ابن کثیر دمشقی کی کتاب "البدایہ و النہایہ" کی جلد ۸ میں قائم عنوان "قصة الحسين بن علي بن ابی طالب رضی اللہ عنہما ==>

دوں، مگر یہ معاملہ دین کا ہے اور حسب فرمان نبوی ﷺ میں امام جماعت کے خلاف خروج کا کوئی جواز نہیں دیکھتا اگر آپ اپنے عزم میں پختہ ہیں تو میں بصد حسرت و یاس مجبور ہوں کہ آپ کا ساتھ دینے سے احتراز کروں۔ دیکھ لیجیے، میری طرح آپ کے دوسرے بھائی بھی آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں۔ یہ ابوبکر اور عمر اور عبید اللہ رضی اللہ عنہم موجود ہیں ان سے پوچھ لیجیے۔ قواعد شرعیہ نے ہم سب کو آپ کا ساتھ دینے سے روک رکھا ہے۔ ①

یہ تو تھی ابتدا میں میرے موقف کی بات۔ اب میں ساری دنیا کے لیے ان سبائی راویوں، شاعروں اور مرثیہ گویوں سے پوچھتا ہوں کہ تم نے الطف کے سانحے کو جو خیالی اور قطعی وضعی صورت دے رکھی ہے اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو حکومت کے خلاف نبرد آزما دکھا کر جنگ عظیم کا جو نقشہ پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں بھائی عباس رضی اللہ عنہ کی مدح سرائی اور جاں سپاری کے واقعات تو ایسے دکھائے ہیں کہ شیطان کو بھی ہنسی آجائے۔

مگر یہ تو بتاؤ کہ بھائی عثمان رضی اللہ عنہ بھی تو شہیدوں میں ہیں۔ ان کا ذکر تمہاری زبانوں پر کیوں نہیں آتا۔ کیا وہ شمشیر زنی اور تیر اندازی میں کسی سے کم تھے، یا شجاعت و بسالت سے عاری ہونے کے سبب تمہارے خیال میں ان کی جاں سپاری قابل تذکرہ نہ تھی۔

پھر پوچھتا ہوں کہ قاسم بن حسن کے بارے میں تمہاری جذبات انگیزی

==>وسبب خروجه باهله من مكة الى العراق فى طلب الامارة و كيفية مقتله رضی اللہ عنہ" ملاحظہ کیجیے۔ (محمد فہد حارث)

①عمدة الطالب فى انساب آل ابى طالب صفحه ۳۵۷ .

سے رونے رلانے کا سماں تو بندھ جاتا ہے مگر تمہیں اس کا بھائی ابوبکر عبداللہ بن الحسن کیوں یاد نہیں آتا۔ حالانکہ میرا یہ پوتا سکینہ بنت الحسین کا پہلا خاوند تھا، وہ بھی تو شہیدوں میں ہے۔ ان دونوں کے ناموں پر تمہاری زبانیں کیوں گنگ ہو جاتی ہیں۔ کیا محض اس لیے کہ ایک کا نام عثمان تھا اور ایک کی کنیت ابوبکر۔ ابوبکر کا نام اس لیے نہیں لیتے کہ سکینہ کو تم نے کم سن مشہور کر رکھا ہے۔

یہ تو خیر جملہ معترضہ تھا، مگر یہ تو بتاؤ کہ بھائی حسین رضی اللہ عنہ کی محبت تمہارے دلوں میں مجھ سے زیادہ ہے، جو میرا رویہ تمہارے نزدیک قابل تقلید نہیں۔

تم میرے یا کسی اور ہاشمی کے متعلق جو چاہو کہو اور لکھو مگر ہمارا سب کا حال یہ ہے کہ ان کی قاتل حکومت نہیں بلکہ تم ہو اور تمہارے بڑے ہیں اس لیے ہم متنفر ہیں تو تم سے۔ حکومت نے تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اعزہ کا بدلہ تمہارے بڑوں سے لیا تھا کہ اسی میدان میں انہیں کیفر کردار کو پہنچا دیا۔

یہی وجہ ہے کہ ہمیں اور سب بنو ہاشم کو بے تعلقی ہے تو تم سے اور محبت ومودت رہی تو امیر المومنین سے۔ چنانچہ جب اہل مدینہ نے بغاوت کی تو بنو ہاشم ان سے بے تعلق رہے اور میں نے پوری قوت سے سیدنا شیخ الصحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح امیر المومنین کی حمایت میں تقریریں کیں اور باغیوں کو اس تحریک کے عواقب سے ڈرایا، کیونکہ ایسی حرکت سے دنیا میں ناکامی اور آخرت میں خسران کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

تمہیں اگر ہم سے محبت ہوتی تو ہمارا اتباع کرتے اور یہ نہ ہوتا کہ ہم سے بالا ہی بالا جتھ بنا کر التوابون کے نام سے ہمارے لیے مگر مچھ کے سے آنسو بہاتے اور نہ مختار ثقفی کو یہ جرات ہوتی کہ میری غیبت میں مجھے بدنام کرے اور امت میں فساد پھیلائے۔

میں تو فسادات سے بیزار ہو کر شام چلا گیا تھا کیونکہ وہی علاقہ مہبط امن وامان وایمان تھا۔ مختار کی ملحدانہ اور زندیقانہ حرکت تو دیکھو کہ میں شام میں بیٹھا ہوں اور وہ میرے نام سے اپنی ناپاک تخریبی تحریک چلا رہا ہے، اور میرے متعلق ایسی خرافات بک رہا ہے کہ میں یا کوئی اور صاحب ایمان ایسا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ①

قرآن اترا ہے ہمارے گھر میں اور جب ہم نے شعور کی آنکھ کھولی تو دین اپنی تمام کلیات وجزئیات کے ساتھ مکمل ہو چکا تھا۔

صحیح ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے افراد ہیں لیکن ہمیں یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی کہ آپ کی صحبت میں رہ کر دین سیکھیں۔ ہمیں جو کچھ ملا وہ آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کے اصحاب سے ملا، جو آپ کی شخصی سیرت کے کوائف کے عینی شاہد تھے اور آپ کی تعلیمات کا ایک ایک جزئیہ ان پر ہویدا تھا۔

تو یہ سوچنے کی بات ہے کہ ہم جو کتاب اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور سنت

---

① علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے "البدایہ والنہایہ" کی جلد ۸ صفحہ ۵۹۴۔ (اردو ترجمہ) میں مختار بن ابو عبید ثقفی کا جو خط نقل کیا ہے، اس کے مندرجات میں یہ ساری چیزیں شامل ہیں جو یہاں مولف نے جناب محمد بن علی رحمہ اللہ کے منہ سے مختار کی بابت ادا کروائی ہیں۔ (محمد فہد حارث)

کی پیروی ہماری گھٹی میں پڑی ہے، ہم بھلا ایسی حماقت کر سکتے تھے کہ اپنے آپ کو مافوق البشر جانیں، ساری امت کو اپنا غلام سمجھیں اور ایسی امامت کے داعی ہوں جس کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور قرآن حکیم کی حاکمیت ہیچ ہو جائے۔ ہم نے تو کسی قسم کی امامت کا دعویٰ نہیں کیا اور سوائے بندگی کے اپنی کوئی حیثیت نہیں سمجھی''۔ ①

پھر آپ نے سیدنا شیخ الصحابہ رضی اللہ عنہم کی اجازت سے اپنے بھتیجے حضرت علی رحمہ اللہ بن الحسین رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا۔

اور فرمایا:

''میاں علی! کیا تمہارے خواب وخیال میں بھی یہ بات ہو سکتی تھی کہ تم کچھ الگ جہاں کی مخلوق ہو، حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام پر بھی تمہیں فضیلت حاصل ہے، جنت ودوزخ تمہارے قبضے میں ہیں اور اپنی موت وحیات پر تمہیں اختیار ہے، اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امامت عالم سپرد کی گئی ہے۔ اس لیے حرام وحلال قرار دینا تمہارا منصب ہے اور لوگوں میں رزق کی تقسیم بھی تمہیں سونپی گئی ہے''۔

حضرت علی بن الحسین نے عرض کیا:

''چچا جان! اس قسم کی باتیں ایک بندۂ فانی وخاکی کے ذہن میں کیسے آ سکتی ہیں؟ میں نے یا ہم میں سے کسی نے عظمت وجلال کبریائی سے بے پروا ہو کر اور کتاب وسنت کو پس پشت ڈال کر ایسا کوئی تصور اپنے

① یہ چوٹ ہے اہل تشیع کے عقیدہ ونظریہ امامت پر جو انہوں نے وضعی روایات کے ضمن میں از خود گھڑ کر ان پاکباز ہستیوں سے منسوب کر دیا ہے۔ (محمد فہد حارث)

بارے میں باندھا ہوتا یا اس سے بھی ہلکی کوئی بات کہی ہوتی تو اسے یا تو فاتر العقل سمجھا جاتا یا پھر مرتد قرار دے کر واجب القتل۔

یہ زمانہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کا تھا اور زمام خلافت اموی سادات کرام کے ہاتھ میں تھی جو دین خالص کے رکھوالے تھے اور کسی قسم کے مشرکانہ تصورات برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ مجوسی الاصل بو بہی ملاحدہ کا زمانہ نہیں تھا۔ اور آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میرے شب و روز کیسے گزرتے تھے''۔

یہاں تک کہہ کر حضرت علی زین العابدین بیٹھ گئے تو حضرت محمد کھڑے ہوئے اور فرمایا:

''لوگو! تم نے میری اور میرے بھتیجے علی کی بات سن لی، تو بتاؤ کہ ہمارا ان خرافات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے جو سبائیہ نے ہمارے متعلق مشہور کر رکھی ہیں۔

مگر چونکہ اس تحریک کا مقصد ہی یہ رہا کہ دعوۃ محمدیہ کو دنیا میں فروغ نہ ہو، اور اہل عالم اسے محض چند طالع آزما لوگوں کی تگ و دو سمجھیں، اسی لیے ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے گھرانے میں سے کبھی ایک کو مشرکانہ امامت کا حقدار بتایا اور کبھی دوسرے کو یعنی آپس میں بھی متحد نہ رہے اور خیالی امامت کے ایسے سلسلے قائم کیے کہ خود اپنا کلمہ بھی ایک نہ رکھ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ امت کا سواد اعظم ہمیشہ ان لوگوں سے متنفر رہا کیونکہ دعوۃ محمدیہ کی عالم گیری کی راہ میں ہمیشہ ہر رخنہ انہوں نے ڈالا۔

لیکن چونکہ اپنی کتاب اور اپنے آخری رسول ﷺ کی تعلیمات کا محافظ

خود رب العلمین ہے اس لیے دین قائم ہے اور کتاب اللہ ''من وعن'' موجود ہے۔

او سبائیو! ہم بیزار ہیں تمہارے اس رویئے سے کہ جتاؤ تو ہم سے محبت وعقیدت مگر چلو ہمیشہ ہمارے خلاف اور ہم سے منسوب کرو ایسے افکار واقوال جو ہمارے خواب وخیال میں بھی نہ ہوں۔

تم نے تو دنیا کے سامنے ہمیں رسوا کرنے کے کسی حربے سے دریغ نہیں کیا لیکن ہم جو کچھ ہیں اسے امت جانتی ہے اور ہم عصر تمام حضرات اس سے واقف ہیں۔ اگر واقف نہیں تو یہ سبائیت زدہ مولف ومصنف جنہوں نے ہمارے متعلق تمہاری خرافات اپنی کتابوں میں درج کر کے اخلاف کو اسلاف سے بدظن وبیزار کر دیا۔

اگر اہل علم کا مدار ان کتابوں اور ان کی روایتوں پر ہوتا تو ہمارا ذکر دشمنانِ دین وملت میں کیا جاتا۔ مگر صورت حال یہ ہے کہ ہمارے عہد سے لے کر بعد کے ادوار تک مسلم معاشرہ ہمیشہ ہمارا معتقد رہا۔ اگر کسی کے دل میں ہماری طرف سے تکدر پیدا ہوا ہو، تو تمہاری روایتیں دیکھ کر۔

مگر حقائق ان روایتوں سے یکسر مختلف ہیں۔ جیسے جیسے علم بڑھے گا اور تنقیح وتنقید کا شعور پیدا ہو گا، تو یہ حقیقت سامنے آ جائے گی کہ نہ تمہارا ہم سے کچھ تعلق ہے اور نہ ہمارا تم سے۔ ہم سنت کے متبع رہے اور جماعت سے وابستہ۔ تعلیمات قرآنیہ اور سنت نبویہ سے ہٹنا ہماری فطرت اور طینت کے خلاف رہا''۔

اس تلخ و تیز تقریر کے بعد، حضرت محمد بیٹھے ہی تھے کہ ایک اور بزرگ کھڑے ہوئے۔ دیکھا تو وہ تھے حضرت عبید اللہ رحمہ اللہ بن امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ۔ انہوں نے کچھ کہنے کی اجازت چاہی تو سیدنا شیخ الصحابہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہاں میاں تم بھی جو کہنا چاہتے ہو کہو''۔

حضرت عبید اللہ رحمہ اللہ بن امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ

اجازت ملنے پر حضرت عبید اللہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

''حضرات! میں بھی اپنے بھائی محمد ہی کے طبقے کا ہوں۔ مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ہمارے موقف کے بارے میں بھائی صاحب سب کچھ بتا چکے ہیں۔

لیکن ان کے بیان میں چونکہ مختار ثقفی کا ذکر آ گیا ہے اور ایک درجے میں اس کا تعلق ''سانحہ کربلا'' سے ہے، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس بارے میں اپنا ذاتی تجربہ بیان کردوں، تاکہ اہل عالم پر ان لوگوں کی قلعی کھل جائے اور سب کی سمجھ میں یہ بات آ جائے کہ سبائی تحریک کا مقصد سوائے تخریب دین وملت کے اور کچھ نہیں۔

ہوا یوں کہ جب بھائی محمد خانہ جنگی سے بیزار ہو کر شام چلے گئے تو سبائیوں نے دو فتنے جگائے۔ یعنی ہم سے بالا ہی بالا اپنی مفسدانہ تحریکیں چلائیں اور وہ بھی ''سانحہ کربلا'' کے سالہا سال بعد۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر انہوں نے ہم میں سے کسی سے مشورہ کیا تو ہم ہرگز ان تخریبی کارروائیوں کی اجازت نہیں دیں گے۔ ایک تھا التوابون کا خروج، جس کا قلع قمع امیر المومنین عبد الملک رحمہ اللہ نے کر دیا۔ ان کے

کچھ عرصہ بعد یہ مختار ثقفی کھڑا ہوا۔

اہل فکر کو سوچنا چاہیے کہ اگر مختار کے دل میں ''آل نبی'' کا ''انتقام'' لینا تھا تو اس نے التوابون کا ساتھ کیوں نہیں دیا۔ سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ التوابون کی قیادت سلیمان بن صرد کررہے تھے۔ اور ان کے ہوتے مختار کو قیادت نہیں مل سکتی تھی اس لیے چپکا بیٹھا رہا کیونکہ وہ اپنے طور پر اپنا منصوبہ بروئے کار لانا چاہتا تھا۔

چنانچہ اس نے ''قصاص حسین رضی اللہ عنہ'' کو ذیلی درجہ دے کر بھائی محمد کی ''امامت'' کا شاخسانہ کھڑا کیا، اور اس طرح اپنی دانست میں امت کو منتشر کرنے کے لیے ایک تیسرا محاذ کھول دیا۔ ①

اب صورت حال یہ تھی کہ ایک طرف ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے خلافت کا دعویٰ کر رکھا تھا اور اس کے استحکام کے لیے فوجی کارروائیاں کررہے تھے اور دوسری طرف اموی خلافت تھی جو التوابون کا قصہ پاک کر کے ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کا مقابلہ کرنے کے لیے یکسوئی حاصل کر چکی تھی۔

مختار نے اول تو چاہا کہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کا ساتھ دے کر اپنی حیثیت بنانے کی کوشش کرے، لیکن انہوں نے اسے منہ نہ لگایا تو برافروختہ ہو کر عراق واپس ہو گیا۔ ②

① بعینہٖ ایسا ہی بیان ابن کثیر دمشقی نے ''البدایہ والنہایہ'' میں لکھا ہے کہ مختار نے اہل بیت کی مدد کا جو دعویٰ کیا تھا، وہ اصل میں ایک پردہ تھا جس میں وہ اپنے آپ کو چھپائے ہوئے تھا تاکہ کوفہ میں رہنے والے شیعوں میں سے برے لوگ اس کے پاس اکٹھے ہو جائیں جن کے ذریعے وہ حکومت قائم کرے اور اپنے مخالفین پر حملے کرے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۵۹۷ اردو ترجمہ) (محمد فہد حارث)

② البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۹۹ ۔

التوابون کی شکست سے سبائیہ کی ہمت پست ہوگئی تھی۔ اس لیے اس میں جان ڈالنے کے لیے اس نے نئی چال چلی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ''قصاص حسین رضی اللہ عنہ'' کا بہانہ اس کے کام نہیں آئے گا کیونکہ ہم عصر امت پر صورت حال عیاں تھی اور التوابون کی شکست کا سبب ہی یہ تھا کہ ان کے کذب وافترا کی وجہ سے انہیں حمایتی میسر نہ آسکے اور پوری امت نے ان پر نفرین کی۔

اس لیے اس نے بھائی محمد کی ''امامت'' کا نعرہ بلند کر کے اور ان پر جھوٹ بول کر اپنے آپ کو ان کا نمائندہ باور کرایا۔ یوں اس کے ساتھ ایک جمعیت ہوگئی اور امت کے انتشار میں ایک تیسرا محاذ کھول دینے میں وہ کامیاب ہوگیا۔

اس کا پہلا معرکہ اموی خلافت سے ہوا اور اس نے عسکری خلافت کو شکست فاش دی۔ امیر عبیداللہ بن زیاد اسی معرکے میں کام آئے لیکن سیاسی حیثیت سے، صورت حال کے استحکام میں اس کے سامنے دو ہستیاں ایسی تھیں جو کوفی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حمایت کے سبب شہریوں کو متحد کر کے اس کا قلع قمع کر سکتی تھیں۔ ایک ہستی تھی امیر عمر بن سعد کی اور دوسری تھی امیر شمر ذوالجوشن کی، جو الطّف کے میدان میں سبائیوں کو فنا کے گھاٹ اتار کر شہر میں ممتاز مقام حاصل کر چکے تھے اور اموی تسلط اٹھ جانے کے باوجود عزت واحترام کے ساتھ وہاں مقیم تھے۔

ان کا وجود مختار کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا، اور وہ جانتا تھا کہ علانیہ ان کے خلاف کچھ کرنے کا اس میں یارانہ تھا کیونکہ اہل شہر اسے برداشت نہ کر

سکتے۔ اس لیے اس نے انہیں اپنے آدمیوں کے ذریعے خفیہ طریقے پر شہید کرادیا اور سیدنا عمر بن سعد کے فرزند حفص کو بھی۔ ①

وہ جانتا تھا کہ ''قصاص حسین رضی اللہ عنہ'' کا نام لے کر، اہل شہر کو ان کے خلاف بھڑکانا ممکن نہ تھا، کیونکہ ''سانحہ کربلا'' کے سب حقائق ان پر عیاں تھے، اس لیے اس نے خفیہ طریقے سے کام لیا۔

یہ سب واقعات معلوم کر کے میں خود اس کا موقف پوری طرح جاننے کے لیے اس کے پاس گیا۔ وہ سمجھا کہ میں ''امامت'' کے چکر میں ہوں اور بھائی محمد کے شام چلے جانے کی بنا پر اپنے لیے میدان ہموار کرنا چاہتا ہوں، تو دوران گفتگو کہتا کیا ہے:

''ہمارا امام وہ ہوتا ہے جس پر ہتھیار کام نہ کرے اگر آپ امامت کے خواستگار ہوں تو اجازت دیجیے کہ اپنی تلوار آپ پر آزماؤں''۔

اس طرح مجھ پر اس کی حقیقت واضح ہوگئی کہ اس کی پوری تحریک کا مقصد سوائے تخریب دین کے اور کچھ نہیں۔ یعنی امت میں مشرکانہ تصورات پیدا کر کے دعوۃ محمدیہ کی راہ میں ایسی مشکلات پیدا کرنے کا عزم ہے کہ ارتداد عرب کا فتنہ بھی اس کے سامنے ہیچ نظر آئے۔

اس لیے میں نے اپنا فرض جانا کہ اس کی سرکوبی کے لیے کوئی تدبیر کروں۔ اس وقت سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے داعی سیدنا مصعب بن الزبیر رضی اللہ عنہ اس کے خلاف فوجی کارروائی کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے، تو میں نے اگرچہ سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے بیعت نہیں کی تھی اور

① البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۰۳ ۔

سب بنو ہاشم کی طرح ان سے علیحدگی اختیار کر رکھی تھی، پھر بھی عزیمت کے ساتھ مختار کی سرکوبی کے لیے میں سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گیا کیونکہ معاملہ سیاسی نہ تھا بلکہ دین کے تحفظ کا تھا۔

مختار کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ ''علی کا ایک فرزند'' مصعب کے ساتھ ہے، تو اس نے اپنے کارندوں کے ہاتھوں خفیہ طریقے پر مجھے شہید کرا دیا، تاکہ دیکھنے والے یہ نہ دیکھیں کہ ''حب علی رضی اللہ عنہ'' کا ایک مدعی ''فرزند علی رضی اللہ عنہ'' کے مقابلے پر شمشیر بکف ہے۔

یہ صورت حال جاننے کے باوجود سبائی راویوں نے مختار کو ''محبان اہل بیت'' میں ایک اہم شخصیت مشہور کر رکھا ہے۔

خفیہ طریقے پر صنادید اسلام کو قتل کرانے کا یہ طریقہ ایک اور ''محب آل بیت'' حسن بن صباح نے شاید اپنے اسی پیش رو، مختار ہی سے سیکھا ہوگا۔

بہرحال اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مصعب نے مختار کو شکست فاش دی اور اس کا سر قلم کر دیا۔ یوں یہ فتنہ اس وقت دب گیا۔ ① میں اگرچہ شہید ہو چکا تھا، لیکن چونکہ میرا جذبہ سچا تھا اس لیے میرا شمار انہی مجاہدوں میں ہے جن کے ہاتھوں مختار کا فتنہ فرو ہو گیا۔ سبائیوں نے تو مختار ثقفی کو محب اہل بیت ہی مشہور کر رکھا ہے، مگر سبائیت زدہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ ہم عصر جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آل بیت اطہار نے اور ساری امت نے اسے کذاب کہا اور ملحد و زندیق جانا۔

بس مجھے اتنا ہی عرض کرنا تھا۔ سبائیوں نے جو ہمیں ایک جداگانہ مخلوق بنا

① البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۱۰.

رکھا ہے، تو میں ببانگ دہل کہتا ہوں کہ ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں اور اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ ان کی ہر تخریبی کارروائی سے ہم نے اپنا دامن بچائے رکھا اور ہر حال میں متبع سنت جماعۃ المسلمین ہی کے موقف کو معیار زیست جانا۔ اللہ کی کتاب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماعی موقف پر ہمیشہ عزیمت کے ساتھ قائم رہے''۔

اتنا کہہ کر وہ بیٹھے ہی تھے کہ ایک اور صاحب کھڑے ہوئے۔ دیکھا تو وہ تھے حضرت عبید اللہ بن العباس رحمہ اللہ بن امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ۔ انہوں نے اپنے عم بزرگوار سیدنا حَبر الامۃ کو مخاطب کر کے عرض کیا:

''چچا جان! میری یہ حیثیت تو نہیں کہ ان حضرات کے حضور کچھ بولوں لیکن چونکہ میرے عم بزرگوار حضرت محمد کے علاوہ میرے دوسرے چچا جان حضرت عبید اللہ کو بولنے کی اجازت مل گئی، اس لیے میں بھی کچھ گزارش کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ میں الطّف کے سانحے میں شروع سے آخر تک شریک تھا اور ایک ایک بات میری دیکھی ہوئی ہے۔ یہ سب تفصیلات آخر میں بھائی علی بن الحسین کو بیان کرنی ہیں، اور اس سلسلے میں میرا کچھ کہنا تحصیل حاصل ہوگا۔ مگر جو بات میں کہنا چاہتا ہوں وہ صرف میں ہی کہہ سکتا ہوں''۔

حضرت ابن عباس نے سیدنا شیخ الصحابہ رضی اللہ عنہ کی اجازت سے فرمایا:

''ہاں میاں اس موضوع پر یا اس کے متعلق تم جو کہنا چاہتے ہو ضرور کہو، کیونکہ تم موقع کے عینی گواہ ہو''۔

عبید اللہ بن العباس رحمہ اللہ بن امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ

''حضرات!

اس موضوع پر آپ بہت کچھ سن چکے اور ابھی بھائی علی بن الحسین سے پوری تفصیل زیادہ جامعیت کے ساتھ سننے والے ہیں۔ لیکن مجھے دیکھئے میں نے اپنے والد اور چچا جان اور دوسرے اعزہ کو شہید ہوتے دیکھا ہے۔ ''کربلا'' کا سب منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے اور محو نہیں ہو سکتا۔

میرے والد ماجد رضی اللہ عنہ کی شہادت کے سلسلے میں جو منظر کشی سبائی راویوں نے کی ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ میرے والد ماجد رضی اللہ عنہ کی سقائی اور ان کی فرات کے گھاٹ پر شہادت کی جو خیالی تفصیل سبائیہ نے مشہور کر رکھی ہے وہ محض ان کے دماغوں کی پیداوار ہے۔

ہم جہاں مقیم تھے وہ نہایت سرسبز و شاداب علاقہ تھا اور متعدد آب شیریں کے چشمے وہاں رواں تھے جن میں مچھلیوں کی کثرت تھی اور دریائے فرات وہاں سے کوسوں دور تھا۔ ①

---

① یہ (یعنی کربلا) دریائے فرات سے نکلنے والی نہر کا کنارہ تھا جہاں پانی زمین کی سطح سے اتنا قریب تھا کہ تھوڑی سی زمین کھودنے پر پانی نکل آتا تھا۔ معجم البلدان میں یاقوت حموی نے کربلا کے ذیل میں تصریح سے لکھا ہے کہ یہاں کی زمین میں رخوۃ یعنی نرمی ہے۔ (جلد ۷ صفحہ ۲۲۹) جبکہ جلد ۶ صفحہ ۵۱ پر تفصیل سے اس زمین کی شادابی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کربلا سرسبز و شاداب زرخیز اراضی کی صحرائی زمین ہے، جس میں متعدد چشمے بہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اہل سنت اور اہل تشیع کی جن بنیادی تاریخی کتب کا راسخ صاحب ==>

بات صرف اتنی ہے کہ جب سبائیوں نے سیدنا عم محترم سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اچانک دھوکے سے شہید کر دیا تو دادا جان عمر بن سعد جو پہلی منزل تک ہمارے ساتھ آئے تھے، وہ اور ان کے ساتھی سب ان غداروں پر ٹوٹ پڑے اور میرے والد ماجد اور دوسرے اعزہ بھی، تا آنکہ ان میں سے ایک ایک کو وہیں میدان میں قتل کر دیا۔ میرے والد ماجد کی شہادت انہی غداروں سے جنگ میں ہوئی اگر اس ہنگامے کو جنگ کہا جا سکے۔

بنو ہاشم جو شہید ہوئے وہ حکومت کے خلاف لڑتے ہوئے نہیں، بلکہ ان غدار سبائیوں کے ہاتھوں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ حکومت سے ہمارا کوئی نزاع نہ تھا۔ ہم تو امیر المومنین کے پاس دمشق جا رہے تھے۔

ان سبائیت زدہ مصنفوں کو جو سبائی روایتوں سے متاثر ہو کر ہم پر یہ بہتان رکھتے ہیں کہ ہم حکومت کے ہاتھوں خروج کی حالت میں مارے گئے اور پھر طرح طرح کی خرافات کے ذریعہ امیر ابن سعد، امیر شمر، امیر عبید اللہ اور خود امیر المومنین کو ''قاتلان حسین رضی اللہ عنہ'' میں شمار کرتے ہیں، تو یہ افترا ہم پر بھی ہے اور حکومت قائمہ پر بھی۔

انہیں اس سانحے کے بعد ہمارے قطعی الثبوت مواقف نظر نہیں آتے کہ

==> نے یہ تفاصیل دیتے ہوئے حوالہ دیا ہے، ان کتب میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے یکے بعد دیگرے غسل کیا اور ایک بڑے برتن میں مشک گھول کر تیار کیا گیا تھا جو ان حضرات نے جسم پر لگایا۔ اسی طرح سے اہل تشیع کی معتبر تاریخی کتاب ''ناسخ التواریخ'' میں یہ روایت بھی آتی ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ایک کدال اٹھائی اور عورتوں کے خیمے سے باہر چل کر گئے اور زمین کو تھوڑا سا کھودا تو آب ''زلال وگوارا'' زور سے نکل پڑا، آپ کے ساتھیوں نے نوش کیا اور مشکیں بھی پانی سے بھر لیں۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۳۵) (محمد فہد حارث)

ہمیں نفرت رہی تو سبائیہ سے اور محبت و الفت رہی تو امیر المومنین سے۔
اب سوچنے کی بات ہے اور ایسی حجت جسے کسی طرح رد نہیں کیا جا سکتا۔
ہم نے اگر حکومت کو اس سانحے کا ذمہ دار جانا ہوتا، تو ہمارے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت ذات امیر المومنین کی ہوتی۔
اب مجھے دیکھو میں بیٹا ہوں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے فرزند کا میری بیوی ہیں ام محمد بنت عبداللہ بن معبد بن العباس، میری والدہ ماجدہ ہیں سیدہ لبابہ بنت عبیداللہ بن العباس بن عبدالمطلب۔ ام محمد سے میری بیٹی تھیں نفیسہ۔ میں نے اپنی اس بیٹی کا نکاح کیا تو عبداللہ بن امیر خالد بن امیر المومنین یزید سے۔ ①
کیا اس کے بعد بھی کہا جا سکتا ہے کہ میرے والد ماجد اور دوسرے اعزہ کرام کے قاتل امیر المومنین یزید ہیں۔ اگر میں نے ایسا سمجھا ہوتا تو کیا میں یہ رشتہ استوار کرتا؟
اس حجت قطعیہ سے میرا اور میرے گھر کا موقف عیاں ہو گیا۔ ہم ایسے ناخلف، بے حمیت اور بے غیرت نہ تھے کہ اپنے محترم ترین اکابر کے قاتلوں سے رشتہ استوار کرتے۔ ہم نے یہ رشتہ اس لیے جوڑا کہ ہم میں واقعی باہمی الفت و یگانگی تھی''۔

---

① جمهرة الانساب، انساب الاشراف، نسب قريش تحت ترجمه عبيد الله بن عباس بن علی بن ابی طالب.

سیدنا عبداللہ بن یزید انصاری رضی اللہ عنہ

اب کھڑے ہوئے ایک اور بزرگ، اور فرمایا:

''حضرات! میں بھی اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں''۔

دیکھا تو وہ تھے سیدنا عبداللہ ① بن یزید بن حصین انصاری رضی اللہ عنہ جو اصحاب بیعۃ الرضوان میں شامل ہیں۔ (متوفی ۶۹۔۷۰) اجازت ملنے پر فرمایا:

''لوگو! ہمیں پہچانو۔ ہم اس واقعہ کربلا کے وقت خاص کوفے میں تھے۔ یہاں میرے کوفی ساتھی متعدد اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور وہ علماء وفقہاء رحمۃ اللہ علیہم جن کی تم پیروی کرتے چلے آ رہے ہو۔ ہم نے ایک ایک بات اپنی آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی۔

ہمیں یہ جان کر تعجب ہوا کہ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے تجدید بیعت سے انکار کر دیا ہے۔ مگر ہم نے اسے کچھ خاص اہمیت نہیں دی اور ان کے اس عمل کو محض صاحبزادگی کی نزاکت طبع پر محمول کیا، کیونکہ ایک تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور دوسرے تھے سیدنا خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے۔ وہ بجا طور پر اپنے آپ کو شخصی اعتبار سے

① ''ابن حجر الاصابہ فی تمییز الصحابہ رضی اللہ عنہم'' میں عبداللہ بن یزید الانصاری رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں لکھتے تھے کہ ان کی کنیت ابوموسیٰ تھی۔ یہ سب سے زیادہ نماز پڑھنے والے تھے۔ امام شعبی ان کے کاتب تھے جس عرصہ میں یہ کوفہ کے امیر تھے۔ (الاصابہ تحت الترجمہ عبداللہ بن یزید الانصاری) (محمد فہد حارث)

یزید سے افضل کہتے تھے۔ ایسا ہی خیال خلفاء پیشین کے بعض فرزندوں کو بھی تھا۔ مگر انہوں نے اجماعی فیصلے کے احترام میں بیعت کر لی اور نقض عہد سے گریز کیا۔

ان دونوں کے بارے میں بھی ہمیں ایک طرح کا اطمینان تھا کہ وہ بات آگے نہیں بڑھائیں گے اور خاموش بیٹھنے پر اکتفا کریں گے۔ صحیح اطلاع کے مطابق امیر مکہ کا طرز عمل ہمیں معلوم تھا کہ انہوں نے ان دونوں کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہیں کی اور ہر طرح ان کی استمالت میں لگے رہے۔

پھر اچانک ہم نے دیکھا کہ کوفے کے سبائی شرپسندوں نے مکہ معظمہ جانا غیر متوقع صورت حال دیکھی تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان غداروں پر ٹوٹ پڑے اور ایک ایک شخص کو قتل کر ڈالا۔ جو بنو ہاشم بچ گئے تھے، انہوں نے بھی امیر کا ساتھ دیا تھا۔ اس طرح اکثر حضرات ان کے شر سے محفوظ ہو گئے۔

بہر حال ہم نے نماز جنازہ پڑھی اور سنت کے مطابق احترام کے ساتھ سب شہیدوں کو ایک اجتماعی قبر میں دفن کر کے زمین برابر کر دی کہ کوئی نشان باقی نہ رہا۔ جہادوں میں یہی سنت ہے اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا یہی مسلک تھا۔

وہاں تین اجتماعی قبریں بنائی گئی تھیں۔ ایک ہاشمی شہدا کے لیے ایک سرکاری فوجی دستے کے شہداء کے لیے اور ایک غدار سبائی کوفیوں کے لیے۔

پھر ہم نے پس ماندہ لوگوں سے تعزیت کی جو اس وقت دمشق جانے کی

تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔انہیں اپنے عم بزرگوار امیر المومنین کے پاس پہنچنے کی جلدی تھی۔

اب جوان کذابوں نے اس سانحے کی خیالی منظر کشی کی ہے اور سرکاری فوجی دستے کی طرف بہیمانہ حرکات منسوب کر کے قلوب کو مکدر کرنا چاہا ہے تو یہ محض ان کی شرانگیزی ہے۔سب خواتین اور دوسرے پس ماندہ لوگ امیر ابن سعد اور خود امیر المومنین کے قریب ترین اعزہ تھے۔کیا ان راویوں کو معلوم نہ تھا کہ امیر ابن سعد، جو رسول اللہ ﷺ کے ماموں کے فرزند تھے، ان کے ہوتے ان فضولیات اور بہیمانہ حرکات کا امکان کب تھا۔

لوگو! تم نے یہ گمان کیسے کر لیا کہ اس قسم کی حرکتیں ہوسکتی تھیں جو سبائی راویوں نے بیان کی ہیں۔پھر تمہارے خیال میں ہم ایسے تھے، یعنی ہم، جنہوں نے بڑے بڑے جباروں کے سر قلم کر دیئے اور بڑی بڑی حکومتوں کی زمینیں اپنے قدموں سے روند ڈالیں۔کیا تمہارے خیال میں ہم ایسے بے حس ہو گئے تھے کہ یہ سب باتیں اگر ہوئی ہوتیں تو انہیں برداشت کر لیتے۔

ہم تو محض کوفے ہی میں نہیں بلکہ تمام عالم اسلام میں آگ لگا دیتے۔ تمہیں خیال نہیں آیا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت عظمیٰ پر ہم نے زمین و آسمان ایک کر دیا تھا تو سوچو کہ نواسہ رسول کی اس مظلومیت پر ہم کیسے چپ سادھ لیتے۔

ہاں! ہم چپکے رہے اور تمام عالم اسلام چپکا رہا، اس لیے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی، جس کی بنا پر ہم حکومت کے خلاف ہو جاتے۔ تم لوگوں نے ان راویوں کی روایتیں نقل کرتے وقت یہ نہ سوچا کہ اس طرح تم تمام ہم عصروں کو بے غیرت و بے حمیت ہی نہیں بلکہ حب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عاری اور دین سے بیگانہ ثابت کرر ہے ہو۔

جس گروہ کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنا گواہ بتایا ہے اور بہترین گروہ فرمایا ہے جن کے (دلوں کا) حال جان لینے کے بعد انہیں سچا مومن قرار دیا ہے اور حتمی طور پر انہیں سیدھی راہ چلاتے رہنے کا مژدہ سنایا ہے، اس گروہ کو تم نے ان روایتوں کے ذریعے بدترین گروہ باور کرانے کی کوشش کی ہے اور ان کے قطعی الثبوت مواقف کا ذکر سرسری طور پر کرتے ہو جیسے وہ قابل استدلال ہی نہ ہوں۔

پھر بھی اپنے آپ کو تم دین کا خادم اور امت کا خیر خواہ کہتے نہیں شرماتے۔ تمہیں ہماری گواہی قبول نہیں اور قبول ہے تو سبائی افترا پردازوں کی گواہی۔ تف ہے تم پر اور تمہاری اس عقل پر''۔

اس تند و تیز تقریر کے بعد سیدنا عبداللہ بن یزید بن حصین انصاری رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ وہ جو بیٹھے تو اچانک سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ دوبارہ کھڑے ہوئے۔

سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما

سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے اجازت ملنے پر فرمایا:

''حضرات! سانحہ الطّف سے پہلے کے واقعات میں بیان کر چکا ہوں۔ مگر میرے دل کی آگ بجھی نہیں۔ میدان ''کربلا'' میں شہداء کا جو ذکر ہوا تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ابومخنف اور اس کے ہم نواؤں نے، اس سانحے کو جو صورت دے دی ہے اور طرح طرح کے افسانے تراشے ہیں اور خود مجھے جس طرح اس ''خروج'' میں ملوث کیا ہے، وہ ایسا افتراء ہے کہ میں طیش میں ہوں۔

میں ان سے پوچھتا ہوں کہ انہوں نے میرا ایک چوتھا بھائی محمد الاصغر کہاں سے پیدا کر کے شہیدوں میں شامل کر دیا۔ انہوں نے اتنا نہ سوچا کہ میرے والد ماجد رضوان اللہ وسلامنا علیہ کی شہادت عجیبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ارضی کے دوران ہو گئی تھی۔ اگر محمد الاصغر نام کا میرا کوئی بھائی ہوتا تو اس کا ذکر صحابہ رضی اللہ عنہم کی فہرست میں ملتا اور اس کے احوال ڈھکے چھپے نہ رہتے۔

اسی طرح زینب سے میرا زندہ بیٹا صرف ایک تھا، علی، جو حسینی قافلے میں نہیں گیا تھا، تو بتاؤ کہ میرے اور زینب کے دو کم سن بچے عون اور محمد کہاں سے پیدا کر لیے۔ جس دلدوز انداز میں تم نے ان کی شہادت کا افسانہ

رونے رلانے کے لیے رائج کیا ہے، اس سے تم نے حسین رضی اللہ عنہ کو ایسا خودغرض ثابت کر دیا کہ انہوں نے انہیں اپنے اوپر قربان ہونے کے لیے میدان دغا میں بھیج دیا اور تمہیں اس افترا پر شرم نہیں آئی۔

یاد رکھو کہ ''کربلا'' میں میرے والد ماجد رضوان اللہ علیہ کا نہ کوئی بیٹا تھا اور نہ پوتا۔ عون اور محمد میرے دو جوان بیٹے تھے، مگر زینب کے بطن سے نہیں۔ ان کی مائیں بھی جدا تھیں۔ میرے یہ دونوں بیٹے ''کربلا'' نہیں گئے اور نہ میرے حکم کے خلاف جاسکتے تھے۔ کیا انہیں معلوم نہ تھا کہ اس ''خروج'' میں میرا موقف کیا ہے۔ جب حسین رضی اللہ عنہ کے سگے بھانجے کو میں واپس لے آیا تو کیسے ممکن تھا کہ میرے بیٹے جو دوسری بیویوں سے تھے، وہ میرے خلاف جانے کی جرات کرتے۔

اسی طرح تم نے ام کلثوم نام کی ایک خاتون کو بنت فاطمہ کی حیثیت سے میدان کربلا میں دکھایا ہے تو یہ افترا ہے۔ ام کلثوم بنت فاطمہ میرے نکاح میں تھیں۔ میری مرضی کے خلاف وہ ''کربلا'' کیسے جاسکتی تھیں۔ جو ام کلثوم بنت علی کربلا میں تھیں ان کی والدہ تھیں ام سعید بنت عروہ بن مسعود ثقفی اور وہ اپنے خاوند عبداللہ الاکبر بن عقیل بن ابی طالب کی معیت میں کربلا گئی تھیں۔ تم نے انہیں بنت فاطمہ بنا کر افترا کیا ہے اور مجھے اس خروج میں ملوث کرنے کی اس طرح بھی ایک کوشش کی ہے۔

ہم جو کتاب وسنت کا اتباع کرنے والے ہیں، ہم ایسے کب ہوسکتے تھے کہ امت کا کلمہ متفرق کریں اور جو امت کئی فتنے جھیلنے کے بعد مجتمع ہوئی تھی، اس کی یکجہتی میں اختلال پیدا کرنے کے مرتکب ہوں۔

حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی غلطی تسلیم کر کے جماعت میں شمولیت کا اعلان اسی لیے کیا تھا کہ فتنے کا سدباب ہو جائے۔ مگر تمہیں یہ بات پسند نہیں آئی اور انہیں شہید کر دیا۔ تمہیں دعویٰ تو ہے ہم سے محبت کا مگر چلتے ہو ہمیشہ ہمارے خلاف اور ہمیں بدنام کرنے کی کسی کوشش سے دریغ نہیں کرتے۔

اتنا کہہ کر آپ بیٹھ گئے۔

حضرت علی بن الحسین رحمہ اللہ

عدالت کے فرمان کے مطابق اختتامی بیان حضرت علی بن الحسین رضی اللہ عنہ کو دینا تھا، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی تقریر کے بعد وہ کھڑے ہوئے اور اجازت ملنے پر فرمایا:

''حضرات! موضوعِ زیر بحث پر میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ ہماری کوئی جنگ حکومت سے نہیں ہوئی، بلکہ جارحانہ اقدام ان ساٹھ کوفی غداروں نے کیا جو اباجان اور حکومت کے مابین تصفیہ ہو جانے کے بعد اپنے مفسدانہ عزائم کے تحت ہمارے ساتھ ہو گئے تھے۔

بھائی حسن بن الحسن رحمہ اللہ یہاں موجود ہیں، اور ان کی گواہی بھی عینی مشاہدے پر مبنی ہوتی، مگر ان کی ہستی سبائیہ کے ہاں مردود ہے۔ اور سبائیت زدہ لوگ بھی اس موضوع پر اظہار خیال کرتے وقت عموماً انہیں نظر انداز کر دیتے ہیں کہ جیسے ان کا قول و عمل قابل اعتنا ہی نہ ہو۔

اس لیے یہ فرض اب مجھ ہی کو ادا کرنا ہے، اگرچہ میری گواہی مجروح کرنے کے لیے سبائیہ نے میری ہستی کو بھی ایک معمہ بنا دیا ہے۔ کبھی تو یہ کہا کہ میں کم سن تھا اور جب قیدی کی حیثیت سے ابن زیاد کے سامنے پیش ہوا اور اس نے میرے قتل کا حکم دے دیا تو میری پھوپھی صاحبہ سیدہ

زینب رضی اللہ عنہا کی جذباتی تقریر سے متاثر ہو کر میرے قتل سے باز رہا۔
اسی لیے یہ لوگ میرے ناکتخدا شہید بھائی کو علی الاکبر کہتے ہیں، اور یہ نام اتنا مشہور کر دیا ہے کہ جیسے واقعی چھوٹا میں ہوں اور بڑا وہ۔
پھر سوچا کہ تئیس برس کے جوان اور دو بچوں کے باپ کو کم سن بتا کر دنیا کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونکی جا سکتی تو کہہ دیا کہ میں بیمار تھا اور چلنے پھرنے سے معذور ہونے کے سبب خیمے میں پڑا رہتا تھا۔ یعنی خیمے کے باہر جو کچھ ہوا، وہ خود میں نے نہیں دیکھا بلکہ اوروں سے سنا۔
دراصل انہیں ملال اس کا رہا کہ میں زندہ کیوں بچا۔ اگر یہ مجھے بھی قتل کر دیتے تو رونے پیٹنے کے لیے میرے بھی مرثیے کہنے کا انہیں موقع ملتا۔
انہوں نے نام نہاد ''امامت'' کا جو خود ساختہ تصور قائم کر رکھا ہے، اس کے تحت مجبور تو ہو گئے کہ مجھے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ''چوتھا امام'' تسلیم کریں اور مجھ میں تمام الٰہی صفات جانیں جوان لوگوں نے تعلیمات قرآنیہ پس پشت ڈال کر قائم کر لیے ہیں۔ مگر میرے کھلے ہوئے مواقف ان کے لیے سوہان روح ہیں۔ اگر اپنے تصورات میں یہ سچے ہوتے تو میرا اتباع کرتے اور یہ نہ ہوتا کہ میں ایک طرف چلوں اور یہ دوسری طرف۔
سانحہ کربلا کے سلسلے میں ان لوگوں نے جو خلاف واقعہ خیالی باتیں مشہور کر رکھی ہیں، وہ اگر کسی درجے میں صحیح ہوتیں تو پھر میرا عمل دیکھ کر انہیں چاہیے تھا کہ وہ میرے بجائے کسی اور کو چوتھا امام بنا لیتے۔ لیکن چونکہ میں اپنے والد ماجد رضی اللہ عنہ کا اکلوتا زندہ فرزند تھا اور میرے مقابلے میں میرا کوئی بھائی نہ تھا جو ان کے لیے نعم البدل ہو سکتا۔ اس لیے لازماً ان کی

نگاہ اپنے امام دوم کے فرزند حسن بن الحسن پر پڑتی مگر وہ ان کی مخالفت میں مجھ سے بھی آگے تھے، انہیں ان سے اتنی نفرت تھی کہ اگر ان کا بس چلتا تو ان میں سے ایک ایک کو وہ قتل کر ڈالتے جیسا کہ انہوں نے ایک موقع پر فرمایا بھی تھا۔ شاید اس لیے قرعہ فال میرے ہی نام رہا۔

اب اس ''امت'' کا قصہ بھی سن لیجیے۔ امت کو تو انہوں نے ہر عہد میں خانہ جنگی میں مبتلا رکھنے کے لیے جو کچھ کیا وہ تو کیا ہی اور کرتے چلے آ رہے ہیں، مگر دیکھنا یہ ہے کہ خود ہمیں بھی نہ بخشا اور ہم میں بھی ''خانہ جنگی'' کی فضا قائم کر دی۔

مثلاً ان کے عقیدے کے مطابق ''اصول امامت'' یہ ہے کہ امام کے بعد اس کا بڑا بیٹا امام ہوتا ہے، جیسے دادا جان کے بعد تایا جان کو کہتے ہیں۔ مگر ان کے بعد ان کے فرزند حسن بن الحسن کی امامت کی بجائے انہوں نے ابا جان کو امام باور کرایا اور ان کے بعد مجھے۔ اب چونکہ قواعد کے خلاف بھائی حسن المثنیٰؒ کو ''امامت'' سے محروم کر دیا تھا۔ اس لیے ان کے ہاں یہ تصور عام ہے کہ بھائی حسن المثنیٰؒ کو ہمیشہ ہم سے حسد رہا، اور ہر آن وہ ہماری کاٹ میں رہے۔

پھر عدالت کی اجازت سے انہوں نے حضرت حسن المثنیٰؒ کو مخاطب کر کے پوچھا:

''کیوں بھائی حسن کیا آپ ہم سے حسد کرتے تھے؟''

انہوں نے فرمایا:

''بھائی ہمارے مابین حسد کی وجہ کیا ہوتی۔ ہم دونوں کی رگوں میں ایک

ہی خون ہے۔ اور ایک ہی ماحول میں ہم دونوں کی پرورش اور تربیت ہوئی ہے جو ظاہری اور باطنی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائیں، انہی نعمتوں سے اس نے ہمیں بھی نوازا تو مجھے آپ سے حسد کیوں ہوتا۔ کیا کوئی عملی دلیل دی جاسکتی ہے کہ ہمارے مابین عداوت تھی اور یگانگی نہ تھی۔ میرے تو آپ سے دوہرے رشتے ہیں اور کیا چچا جان کے ساتھ جان کی بازی لگانے کے لیے میں ''کربلا'' میں موجود نہ تھا؟

ہاں اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ اپنے آپ کو اللہ کی طرف سے مقرر کردہ امام سمجھتے ہیں، ساری دنیا کے لوگوں کو اپنا غلام جانتے ہیں یا اگلی پچھلی تمام باتیں آپ پر عیاں ہیں، جنت ودوزخ میں بھیجنے کا آپ کو اختیار ہے اور آپ کی حیثیت امام انبیاء ورسل سے افضل ہے، یا امامت میں آپ رسول اللہ ﷺ سے عینیت رکھتے ہیں، تو مجھے آپ سے حسد نہ ہوتا، بلکہ ترس آتا، اور کوشش کرتا کہ آپ کو اس ورطہ ہلاکت سے نکال لاؤں۔ اور جب مجھ پر کھل جاتا کہ فتور عقل کے سبب نہیں بلکہ ہوش وحواس میں رہ کر آپ اپنے بارے میں یہ تصور رکھتے ہیں تو میں آپ کا معاملہ عدالت میں پیش کرتا۔ وہاں آپ سے توبہ کا مطالبہ ہوتا، پھر بھی آپ نہ مانتے تو بجرم ارتداد آپ کو سخت ترین سزا دی جاتی، کیونکہ وہ زمانہ اموی خلافت مبارکہ کا تھا جو دین کو خالص رکھنے میں ہمیشہ سخت رہی۔

اس طرح آپ کے انجام پر مجھے افسوس ہوتا اور صدمہ پہنچتا، رہا حسد تو اس کی مجھے کیا ضرورت تھی۔ ہماری زندگی کا مقصد تو یہ رہا ہے کہ ہمارے

خاندان میں قرآنی تعلیمات کے خلاف کوئی نظریہ قائم نہ ہوسکے اور سنت نبوی کے خلاف کوئی عمل رواج نہ پا سکے۔ دین کے معاملے میں رواداری اسی حد تک رہتی ہے جس حد تک بنیادی اصول وقواعد مجروح نہ ہوتے ہوں۔

میں نے تو ہمیشہ آپ کو زہد وتقویٰ کا پیکر جانا اور عبدیت کی لذت سے سرشار دیکھا، جو انوار ہمارے سینوں میں منتقل کیے گئے، ان کی تابانی بھی مجھے کبھی آپ کے سینے میں ماند پڑتی نظر نہیں آئی تو بھائی میرے! ہمارے مابین اسی لیے ہمیشہ محبت والفت ویگانگی رہی۔

حضرت علی رحمہ اللہ بن الحسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جزاک اللہ۔ میں نے آپ سے، اپنی نہیں، بلکہ لوگوں کی بات کہی تھی۔ اپنے دل میں تو میں نے ہمیشہ آپ سے محبت والفت ہی رکھی، کیونکہ ہمارے خون کا تقاضا ہے کہ ہر حال میں دین کو خالص رکھیں اور تعلیمات ربانیہ کے خلاف کچھ برداشت نہ کریں''۔

پھر آپ نے فرمایا:

''حضرات! آپ نے سن لیا کہ بھائی حسن رضی اللہ عنہ کے اور میرے درمیان حسد کا کوئی سبب نہ تھا، ہم دونوں ایک ہی راہ کے راہی رہے اور اپنی تمام زندگی کتاب وسنت کے مطابق بسر کی۔

اب سنیے ایک روایت۔ کہتے ہیں کہ میرے عم بزرگوار حضرت محمد اور میرے درمیان ''امامت'' کے مسئلے پر نزاع ہوا۔ یعنی چچا صاحب نے مجھ سے فرمایا: ''میں تمہارا چچا ہوں اور عمر اور تجربے میں تم سے زیادہ،

اس لیے بھائی صاحب کی شہادت کے بعد ''امامت'' کا حق میرا ہے''۔

راویوں نے یہ روایت تو وضع کر لی، مگر ہمارے مابین تصفیے کی بات وہ نہیں بتائی جو بتانی چاہیے تھی۔ ان کے نزدیک میری ''امامت'' کے لیے اللہ کی طرف سے مہر شدہ خریطہ میرے پاس تھا۔ انہیں کہنا یوں چاہیے تھا کہ میں نے وہ خریطہ دکھا کر چچا جان پر حجت قائم کر دی۔ اس کی بجائے میرے منہ سے یوں کہلوایا کہ چلیے حجر اسد سے فیصلہ طلب کرتے ہیں۔ چنانچہ بقول ان کے ہم دونوں حجر اسود کے پاس پہنچے۔ اول چچا صاحب نے اپنی امامت کی بات کی تو پھر میں خاموش رہا۔ پھر میں نے بات کی تو اس میں ایسی حرکت ہوئی کہ جیسے گر پڑے گا اور فصیح عربی زبان میں اس نے میری امامت کا اعلان کر دیا''۔

پھر آپ نے حضرت محمد کو مخاطب کر کے عرض کیا: کیوں چچا جان کیا ایسا ہوا تھا؟ انہوں نے فرمایا:

''لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ بھلا اس احمقانہ تنازع کا موقع ہی کیا تھا کیا تم جانتے نہیں کہ ہم لوگوں میں ایسی ''امامت'' کا کوئی تصور کبھی رہا ہی نہیں اور نہ ہم اپنے آپ کو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ایسی کسی حرکت کے مرتکب ہو کر کوئی دعویٰ کر سکتے تھے اور کرتے تو بچتے کب۔ میں نے ان فتنوں سے بیزار ہو کر شام چلا گیا تھا۔

میرے پیچھے میرے نام سے مختار ثقفی نے جو خرافات بکیں اور اپنا منصوبہ بروئے کار لانے کے لیے میری امامت کا ڈھونگ رچایا اس کے مقابلے میں تمہاری امامت کا تصور پیدا کرنے والوں نے یہ جوابی

کارروائی کی اور ایسی سفیہانہ روایت وضع کر کے اپنی دانست میں مختار پر حجت قائم کی ۔ ہم جو ہر حال میں کتاب وسنت کی پیروی پر کاربند رہے، اور ہر حال میں جماعت سے وابستہ رہنے کی سعی میں عمر گزاری، ہمارے گھرانے کو ان منافقوں ، ملحدوں اور زندیقوں کے باہمی اختلافات سے کیا سروکار تھا''۔

یہاں تک فرما کر وہ بیٹھے تو حضرت علی رحمہ اللہ بن الحسین رضی اللہ عنہ نے سلسلہ کلام جاری رکھ کر فرمایا:

''حضرات ! ہماری زندگی کے حقائق الم نشرح تھے۔ اسی لیے مسلم معاشرہ ہمارا عقیدت مند رہا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ ہمیں محبوب رکھا۔ وجہ ظاہر ہے کہ ہم نے سوائے بندگی اور فروتنی کے اپنی زندگی کا کوئی معیار نہ رکھا اور ہمیشہ فرقہ بازوں اور فتنہ پردازوں سے بیزاری اور نفرت کا مظاہرہ کیا۔

اب ایک طرف تو میری زندگی کے یہ عملی حقائق ہیں اور دوسری طرف سبائیہ کے میرے بارے میں تصورات اور میری ''امامت'' کی باتیں ہیں۔ یہ بین تضاد رفع کرنے کی ترکیب ان کی سمجھ میں یہ آئی کہ اپنے گروہ کو مطمئن کرنے کے لیے انہوں نے مجھ پر تقیے کا افترا کیا اور بتایا کہ اپنے بارے میں میرا اعرفان تو وہی ہے جو ان کے عقائد ہیں مگر اپنی جان بچانے کے لیے میں لوگوں کے سامنے دل کی بات کہتا نہیں۔ یعنی میرا ظاہر کچھ رہا اور باطن کچھ۔ اللہ ان سے سمجھے گا کہ وہی منتقم حقیقی ہے۔

اب میں آتا ہوں اصل موضوع کی طرف۔ اپنے بارے میں عرض کر کے

جو سمع خراشی میں نے کی ہے وہ میری مجبوری تھی اور امید ہے کہ ایوان مجھے معاف رکھے گا۔

پھر عرض کرتا ہوں کہ بعض باتیں میرے بیان میں وہی ہوں گی جو مختلف اصحاب سے آپ حضرات اب تک سن چکے ہیں۔ انہیں دہرائے بغیر بحث سیر حاصل نہیں ہوگی۔

پہلی بات تو میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ سبائی افترا پردازیوں نے ہم پر یہ جھوٹ بولا ہے کہ امیر المومنین یزید کے سریر آراء خلافت ہونے کی اطلاع ہمیں مدینہ طیبہ میں ملی تھی اور ان کے ایک جداگانہ فرمان کے مطابق جب امیر مدینہ نے ابا جان رضوان اللہ علیہ کو بیعت کے لیے بلایا تو انہوں نے فرمایا کہ خفیہ بیعت ہمارے وقار کے خلاف ہے اور مفید بھی نہیں ہوگی اس لیے صبح کو جب آپ عام اجلاس میں بیعت لیں گے تو اسی وقت ہم علانیہ بیعت کرلیں گے۔ اس پر امیر مدینہ مطمئن ہو گئے۔

لیکن ہوا یہ کہ امیر سے صریح وعدہ کر کے رات ہی رات وہ ہم لوگوں کو ساتھ لے کر مکہ معظّمہ کی طرف فرار ہو گئے۔ ان مفسدوں نے ہم پر یہ بہتان تو رکھ دیا کہ ابا جان نے مکاری سے جھوٹا وعدہ کیا تھا مگر یہ بھول گئے کہ مکہ معظّمہ بھی تو امیر المومنین ہی کی تولیت میں تھا اور بیعت کا مسئلہ وہاں بھی اٹھنا تھا۔ انہوں نے ابا جان کو ایسا بے عقل کیسے سمجھ لیا۔

اصل یہ ہے کہ ابا جان رضوان اللہ علیہ رجب میں عمرے کے لیے مکہ معظّمہ حاضر ہوئے تھے اور وہاں ہمیں یہ اطلاع ملی کہ امام انام معاویہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور ان کے فرزند ارجمند خلافت پر فائز ہوئے۔

اب امیر مکہ نے عمومی بیعت کے وقت ابا جان سے بھی بیعت کا مطالبہ کیا لیکن انہوں نے علانیہ اس کی پزیرائی سے انکار کر دیا، شاید اس لیے کہ شخصی حیثیت سے وہ بجا طور پر اپنے آپ کو امیر المومنین سے افضل سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ اور کوئی توجیہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔ بہر حال انہوں نے بیعت سے انکار کے سوا اور کوئی سیاسی قدم نہیں اٹھایا۔

امیر المومنین کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے سیاسی کارروائی کی بجائے چاہا کہ عزیزانہ انداز میں ان کی استمالت کریں۔ اسی لیے امیر مکہ نے بھی ان سے کچھ تعرض نہیں کیا حتی کہ کسی قسم کی کوئی پابندی بھی ان پر عائد نہیں کی۔

میں حلفیہ کہتا ہوں کہ ابا جان کے پیش نظر کوئی سیاسی عملی اقدام نہ تھا اور انہوں نے کسی درجے میں ان اہل عراق سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی، جو اپنے آپ کو ''شیعہ علی'' کہتے تھے اور جنہیں ان سے عقیدت ومحبت کا دعویٰ تھا۔ کوئی شخص ثابت نہیں کر سکتا کہ ان نام نہاد ''شیعہ علی'' سے انہوں نے رابطہ قائم کرنے کی ابتدا کی تھی۔

بات صرف یہ ہے کہ ان مفسدوں مکاروں اور دغابازوں کو جب اطلاع ملی کہ ابا جان نے بیعت سے انکار کر دیا ہے تو انہیں یہ موقع غنیمت معلوم ہوا کہ امت جو مطمئن ہے، اس کے اطمینان پر شب خون ماریں۔

چنانچہ ان لوگوں نے ابا جان کے پاس آنا جانا شروع کر دیا، اور وہاں کے لوگوں کی طرف سے مراسلات اور پیغامات لانے کا سلسلہ اس انداز میں شروع کیا کہ جیسے اہل عراق نے بھی بیعت سے انکار کر دیا ہو، اور

سب اس کے متمنی ہوں کہ ابا جان عراق آ جائیں تو ان کی خلافت کا اعلان کر دیا جائے۔ ان لوگوں نے ہوا ایسی باندھی تھی کہ جیسے انقلاب لانے کی تمام تیاریاں مکمل کر لی ہوں۔

جب یہ لوگ پیہم ومتواتر آ آ کرانہیں سبز باغ دکھانے میں کامیاب ہو گئے تو ابا جان نے عراق جانے کا ارادہ مصمم کر لیا۔ تمام عزیزوں مخلصوں اور محبوں نے اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ مگر وہ نہ مانے، تو بالآخر اس پر راضی کر لیا کہ چچا مسلم بن عقیل کو صورت حال کا بچشم خود مطالعہ کرنے بھیج دیں، اور وہاں سے وہ پوری معلومات حاصل کر کے جب آئیں تب کوئی قدم اٹھایا جائے۔

چچا مسلم کو گئے ہوئے بہت دن ہو گئے تھے کہ کوفیوں کا آخری وفد ابا جان کو لینے کے لیے آیا۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ اگر حالات ایسے ہی سازگار تھے جیسے یہ بیان کرتے تھے، تو اس وفد میں خود چچا مسلم کو آنا تھا تا کہ چشم دید حالات سے مطلع کریں۔ مگر ان کی بجائے ان کی طرف سے ایک مراسلہ آیا کہ احوال خوش آئند ہیں، ہزار ہا لوگوں نے میرے ہاتھ پر آپ سے بیعت کر لی ہے۔ لہٰذا آپ تشریف لے آئیں۔

یہاں دیکھنا یہ چاہیے کہ اس آخری وفد کو اچھی طرح معلوم تھا کہ شہر میں چچا مسلم کی پزیرائی نہیں ہوئی، اور شہر میں کسی قسم کا کوئی خلفشار نہیں تھا اور خلفشار ہوتا بھی کیوں۔ کیا امیر عبید اللہ کو معلوم نہ تھا کہ چند شر پسندوں کی بعض معاندانہ کارروائیوں کے سبب حضرت امیر نعمان رضی اللہ عنہ کا تبادلہ کر کے امیر عبید اللہ کو وہاں بھیجا گیا اور امیر المومنین کی ہدایت تھی کہ مفسدوں

کو قید کر کے تمام علاقے پر نگران فوجی دستے متعین کر دیئے جائیں۔

اب یہ کیسے ممکن تھا کہ چچا مسلم وہاں پہنچیں اور ہزار ہا آدمی ان سے بیعت کر لیں اور امیر کو خبر نہ ہو۔ چند شریروں نے ممکن ہے بیعت کر لی ہو۔ اسی لیے انہوں نے چچا مسلم کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ وہ اگر خود ہی امیر کے پاس پہنچ جاتے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ انہیں شہر بدر کر دیا جاتا، کیونکہ امیر المومنین کا سخت حکم تھا کہ قتل کسی کو نہ کیا جائے، جب تک وہ تلوار نہ اٹھائے۔ چچا مسلم نے احوال حاضرہ کا قطعی علم رکھنے کے باوجود، معلوم نہیں کیوں، تلوار اٹھانے کی غلطی کی، اسی لیے انہیں بجرم بغاوت قتل کر دیا گیا۔

سبائیہ کا یہ آخری وفد ان تمام امور سے واقف تھا مگر اس نے صورت حال چھپائی اور چچا مسلم کا جعلی مراسلہ پیش کر کے ابا جان کو مطمئن کر دیا۔ یہ ایسی زبردست سازش تھی کہ صرف سبائیہ ہی کر سکتے ہیں۔

بہر حال! ابا جان نے روانہ ہونے کا قصد مصمم کر لیا، اور تمام مخلصوں کی رائے اس لیے ٹھکرا دی کہ اسے دور بیٹھے کی بات جانا اور وفد کی بات کو عینی شہادت پر مبنی باور کر لیا۔

ابا جان کا نکلنا ایسی بات نہ تھی کہ پوشیدہ رہ سکتی۔ چنانچہ سید ناعم بزرگوار عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے امیر مکہ کو صورت حال بتا کر ان کا سرکاری فرمان حاصل کر لیا کہ ابا جان اگر واپس آ جائیں تو ان سے کوئی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ سب تفصیل چچا جان خود بیان فرما چکے ہیں۔

مجھے تو صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ سبائی غداروں کا جادو چل گیا اور سب اعزہ واقربا ومخلص لوگ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ میرا حال اس وقت وہی تھا جو دادا جان کے حالات میں تایا جان کا رہا۔ رضی اللہ عنہما۔

بہر حال حدود وعراق میں پہنچ کر ہم نے دیکھا کہ کہیں کسی قسم کا انتشار نہیں اور ہر طرح کا امن وسکون ہے۔ یہاں خبر ملی کہ مسلم قتل ہو گئے ہیں اور کوفہ خاموش ہے۔ تب ابا جان نے واپسی کا ارادہ کرلیا۔ مگر یہ سازشی اپنے مکائد سے باز نہ آئے اور انہوں نے کہا کہ احوال تو ہم جانتے ہیں اگر مسلم قتل ہو بھی گئے ہیں تو ان کی حیثیت آپ کی سی نہ تھی۔ آپ کے تو جاتے ہی انقلاب آجائے گا۔

اب بھی سفر جاری رہا تا آنکہ کوفے سے ایک منزل پہلے ہم نے پڑاؤ ڈالا۔ کوفے میں بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم اور علماء وفقہاء اور قبائل کے رؤسا موجود تھے مگر کوئی بھی ابا جان کی زیارت کے لیے نہیں آیا، اس لیے کہ سب نے یہ مزاج برصواب نہیں جانا اور کوئی بھی اس کے لیے تیار نہ تھا کہ اپنی بیعت کو مشکوک بنائے۔

پھر جو ہم نے دیکھا تو یہ، کہ ایک فوجی دستہ چلا آرہا ہے، یہ تھے حضرت امیر عمر بن سعد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں کے بیٹے اور ان کے ساتھ تھے دادا جان کے برادر نسبتی امیر شمر۔

یوں مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوا اور ابا جان نے سب صورت حال کا جائزہ لے کر تسلیم کرلیا کہ ان کے ساتھ غداری کی گئی ہے اور ایک سازش کے تحت انہیں اس اقدام پر مائل کیا گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے

موقف سے رجوع فرما لیا، اور مناسب جانا کہ امیر المومنین کے پاس دمشق جا کر تمام غلط فہمیاں دور کر دیں۔ چنانچہ آپ وہیں سے دمشق کی طرف روانہ ہو گئے اور پہلا پڑاوٴ الطّف میں ڈالا، جو نہایت سرسبز وشاداب علاقہ تھا اور ایسا کہ قافلے وہاں اترا کرتے تھے۔ متعدد چشمے آب شیریں کے وہاں رواں تھے، جن میں مچھلیوں کی کثرت تھی۔

وہ ساٹھ کوفی جو ابا جان کو مکہ مکرمہ سے لائے تھے، وہ بھی ہمارے ساتھ ہو گئے، اور ہم نے جانا کہ شاید ابا جان کی پیروی میں انہوں نے بھی اپنا موقف بدل دیا ہے، مگر حقیقت بعد میں کھلی۔

حضرت امیر عمر بھی مشایعت کے لیے ہمارے ساتھ ہو گئے تھے کیونکہ تصفیہ کرا کے انہیں بڑی مسرت ہوئی تھی۔ اس لیے انہوں نے مناسب سمجھا کہ پہلے پڑاوٴ سے رخصت کر کے واپس ہوں۔ کچھ عجب نہیں کہ سبائیوں کا ساتھ ہونا انہیں خطرناک نظر آیا ہو۔

بہرحال جب وہاں پڑاوٴ پڑ گیا تو سبائیوں نے اپنی جبلت کے مطابق ابا جان کو ورغلانا چاہا کہ دمشق جانے کی بجائے سلمٰی پہاڑ کی طرف نکل چلیں اور وہاں فوجی مرکز قائم کر لیں، تو بنوطی کے ہزاروں سوار ان کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔

ابا جان نے نہایت سختی کے ساتھ یہ تجویز رد کر دی اور فرمایا کہ ہم عہد شکنی نہیں کر سکتے۔ جو تصفیہ ہو گیا ہے، اسی کے مطابق عمل ہو گا۔ جب ان غداروں نے دیکھا کہ یہاں بھی ان کی سازش ناکام ہو گئی تو برافروختہ ہو کر انہوں نے اچانک حملہ کر کے، ابا جان اور چند اعزہ کو شہید کر ڈالا۔

اچانک بے خبری میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

حضرت امیر عمر نے جو یہ دیکھا تو ہمارے ساتھ مل کر ان غداروں پر ٹوٹ پڑے اور ایک ایک شخص کو قتل کر دیا۔ یعنی ہماری جنگ حکومت سے نہیں ہوئی بلکہ ان غداروں سے ہوئی اور گھنٹہ دو گھنٹوں میں سب قضیہ پاک کر دیا گیا۔

اس واقعہ ہائلہ کی جب خبر کوفے پہنچی تو وہاں کہرام مچ گیا اور بکثرت لوگ شہداء کی تجہیز و تدفین اور نماز جنازہ میں شرکت کے لیے آئے۔

پھر جب تمام امور سے فراغت ہوگئی تو امیر عمر نے ہم لوگوں کو سرکاری اہتمام سے دمشق روانہ کر دیا۔ ہم بھی یہی چاہتے تھے کہ جلد وہاں پہنچ کر ابا جان کے آخری موقف کی تکمیل کے لیے امیر المومنین کو تمام حالات سے مطلع کر دیں۔

ہمارا دمشق پہنچنا تھا کہ وہاں صف ماتم بچھ گئی اور تمام شہر میں سوگواری کی دھند چھا گئی۔ امیر المومنین نے ہماری غم گساری اور دل دہی میں کچھ کسر نہ رکھی۔ انہیں اس واقعہ جانگداز پر سخت صدمہ تھا۔ پھر کچھ دن اپنا مہمان رکھ کر ہماری خواہش پر سرکاری اہتمام سے ہمیں مدینہ طیبہ بھیج دیا۔ ہماری پھوپھی صاحبہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا وہیں رہ گئیں۔ اپنی بیٹی اور داماد کی سعادت مندی، دل دہی اور خدمت گزاری نے ان کو نہایت درجہ متاثر کیا تھا۔ پھر مطلقہ ہونے کے سبب ویسے بھی ان کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وطن کو لوٹیں۔

یہ ہے اس سانحہ عظمیٰ کی حقیقی روداد۔ اس سلسلے میں سبائی راویوں نے جو

خیالی تفصیلات مرتب کی ہیں، ان کی کچھ اصل نہیں:

(۱) ان کا یہ افترا ہے کہ ابا جان کا بیعت سے انکار اس لیے تھا کہ وہ امیر المومنین کی خلافت کو ناجائز سمجھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنا موقف کیوں بدلتے اور کیوں دمشق کی طرف روانہ ہوتے۔

(۲) ان کا یہ بھی افترا محض ہے کہ ہماری جنگ حکومت سے ہوئی تھی۔ حکومت نے تو بروقت ان سبائیوں پر کاری ضرب لگا کر ہم میں سے بہت سے لوگوں کی جانیں بچالیں۔

(۳) ان کا یہ بھی مضحکہ خیز افترا ہے کہ الطّف کی زمین بے آب و گیاہ تھی اور پانی کی نایابی نے ہمیں بے جان کر دیا تھا۔۔

(۴) ان کا یہ بھی بے حقیقت اور قطعی کذب وزور پر مبنی بیان ہے کہ ہمیں قیدیوں کی طرح کوفے لایا گیا اور امیر ابن زیاد کے سامنے مجرموں کی طرح کھڑا کیا گیا۔ ہم تو الطّف ہی سے سیدھے دمشق کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ اور حضرت امیر ابن سعد رحمہ اللہ نے سرکاری حیثیت سے ہمارے سفر کا سب انتظام کیا تھا۔

(۵) ان لوگوں کا سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ خواتین کے خیموں کو آگ لگائی گئی اور مال واسباب لوٹا گیا۔ اگر حضرت امیر کافر ہوتے تب بھی قرشی شعار کے مطابق اس کا امکان نہ تھا کہ خواتین کی بے حرمتی ہو، یا بچوں کو اذیت پہنچائی جائے، کیونکہ یہ سب پس ماندہ لوگ ان کے اور خود امیر المومنین کے قریب ترین اعزہ تھے۔

(٦) ان کا یہ بھی کذب محض ہے کہ شہداء کے سر کاٹے گئے اور ان کی

نمائش کی گئی اور سب سے زیادہ احمقانہ یہ بیان ہے کہ ان سروں کو جامع دمشق کے فلاں دالان میں نمائش کے لیے رکھا گیا۔ کیا ان احمقوں کو معلوم نہ تھا کہ جامع دمشق اس وقت روئے زمین پر تھی ہی نہیں وہ تو اس واقعہ کے سالہا سال بعد تعمیر ہوئی تھی۔

سبائی راویوں نے تو اپنے مذموم مقاصد کے تحت جو چاہا لکھ مارا، اور بک دیا، مگر تعجب ان پر ہوتا ہے، جنہوں نے یہ روایتیں اپنی کتابوں میں درج کر کے تاریخ مسخ کی ہے۔ انہوں نے جذبات میں بہہ کر افسانہ طرازی کے جوہر تو دکھا دیئے اور کتابوں کے اوراق سیاہ کیے، مگر نہ دیکھا تو ہمیں، جو اس گرداب بلا کے تمام مصائب و آلام جھیل کر زندہ بچ گئے اور صبر وضبط کے ساتھ معاشرے میں اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔

کیا میں نے، یا کسی دوسرے پس ماندہ شخص نے، یا کسی ہاشمی نے امیر المومنین سے بے تعلقی برتی، یا ان کی حکومت کے ساتھ تعاون سے گریز کیا، یا انہیں اس سانحہ ہائلہ کا ذمہ دار قرار دیا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ ہم نے تو ذاتی اور سیاسی یگانگی میں کوئی فرق نہ آنے دیا بلکہ پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ ان سے وابستگی برقرار رکھی۔

یہ ہم تھے اور ہر ہاشمی تھا، ہم عصر جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علما وفقہا امت تھے بلکہ ساری امت تھی۔ ہر طبقے نے بیک زبان اس ظلم عظیم اور جرم شنیع کا مرتکب سبائیہ کو قرار دیا۔ اسی لیے ان سے نفرت عام تھی اور تقیے کا چولہ لیے بغیر یہ کسی محفل میں بار نہیں پا سکتے تھے۔ چنانچہ اسی عیاری سے یہ

لوگ بے پایہ روایات وضع کر کے اور طرح طرح کی تکرار سے انہیں رواج دینے میں کامیاب ہو گئے۔حتی کہ ان کی بعض روایات صحاح تک میں آگئیں اور ان کی تنقیح میں مشکلات پیش آئی ہیں۔

کیا یہ امر عیاں نہیں کہ سانحہ کربلا کے سلسلے میں حکومت کے خلاف کئی برس تک کسی قسم کا کوئی ردعمل امت میں ظاہر نہیں ہوا، حتی کہ جب ابن الزبیر کے داعیوں نے مدینہ طیبہ میں بغاوت کرائی، تو اس وقت بھی ''کربلا'' کا کچھ ذکر نہ تھا اور ہوتا بھی کیوں۔

سب جانتے تھے کہ اس سانحے کی ذمہ داری حکومت پر نہ تھی اسی لیے تمام بنو ہاشم اور اکابر و اعاظم نے پوری قوت سے امیر المومنین کی حمایت کی اور ان کے جو شخصی معائب بیان کیے گئے ان کی سختی سے تردید کی، بلکہ ان کے خلاف کھڑے ہونے والوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے غداری کا مرتکب قرار دیا۔①

اب ایک بار میں پھر اپنی پھوپھی صاحبہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں، انہیں اباجان سے اتنی محبت تھی کہ انہوں نے اپنے خاوند اور اکلوتے فرزند سے جدائی منظور کر لی مگر بھائی کا ساتھ نہ چھوڑا۔اب سوچنا چاہیے کہ جس بھائی سے انہیں اتنی محبت تھی اس کے قاتلوں سے انہیں نفرت ہونی چاہیے تھی یا محبت؟

اگر انہوں نے سانحہ کربلا کی ذمہ داری حکومت پر ڈالی ہوتی تو ممکن تھا کہ وہ اپنی زندگی اپنے محبوب ترین بھائی کے دشمنوں میں گزاریں، اور مدینہ

① صحیح بخاری کتاب الفتن بروایت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

طیبہ جانے کی بجائے ان کے ساتھ رہنے کو ترجیح دیں؟

تو گرامی قدر حضرات! میں بیٹھنے سے پہلے ایک بار پھر اپنا ابتدائی بیان دہراتا ہوں کہ ہماری کوئی جنگ حکومت سے نہیں ہوئی اور نہ تصفیہ ہو جانے کے بعد ہوسکتی تھی۔ ہمارا خون تو انہی کی گردن پر ہے جو اپنے آپ کو ہمارا فدائی باور کراتے نہیں تھکتے۔ حکومت نے تو ہم میں سے بہت سوں کو بچا لیا تھا''۔

اس مسکت بیان کے بعد حضرت علی رحمہ اللہ بن الحسین رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے اور نام نہاد مورخوں کی صفوں پر سکتہ طاری ہو گیا۔

اب عدالت کا فرمان ہوا کہ موضوع پر سیر حاصل بحث ہو چکی، اس لیے اگلے بیان لیے جائیں۔

سانحہ حرہ

شیخ الصحابہ
سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

عدالت کے حکم پر پھر کھڑے ہوئے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور انہوں نے فرمایا:

''حضرات! عراق پہنچ کر حسین رضی اللہ عنہ پر سبائی غداروں کا مکر وفریب ظاہر ہونا، اور احوال حاضرہ کا جائزہ لے کر ان کا اپنے موقف سے رجوع کر کے دمشق کی طرف روانہ ہوجانا پھر سبائی غداروں کے ہاتھوں ان کی شہادت اور آل بیت نبوی پر قیامت گزرنا، کوفہ و دمشق اور تمام عالم اسلام کا اس دل دوز سانحے پر سوگوار ہونا، لیکن حکومت کے خلاف کسی سیاسی ردعمل کا رونما نہ ہونا اور کئی برس تک امت میں مکمل خاموشی طاری رہنا اور تمام امور مملکت بحسن وخوبی انجام پاتے رہنا، اور جہادوں کا سلسلہ روز افزوں ہونا، ایسے امور تھے کہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو اندازہ ہو جانا چاہیے تھا کہ شخصی حیثیت سے امت میں امیر المومنین کتنے مقبول ہیں اور سیاسی اعتبار سے ان کی اجماعی حکومت کیسی مستحکم ہے۔

لیکن حصول حکومت کی تڑپ نے انہیں یہ سب صورت حال سمجھنے نہیں دی اور وہ برابر اپنی خفیہ تدبیروں میں مشغول رہے اور خیال نہ کیا کہ خرق اجماع کا مآل کیا ہوتا ہے۔

بہر حال تمام عالم اسلام کی طرح مدینہ بھی خاموش تھا اور شہری زندگی ہر اعتبار سے اطمینان بخش تھی، لیکن ابن الزبیر کی سوء تدبیر سے یہ امن تباہ ہو گیا اور شہری زندگی انتشار کا شکار ہو گئی۔ اب اس تباہی یعنی سانحہ حرہ کا حال مجھ سے سنو۔

ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے غالباً اپنی خفیہ تنظیم کی قوت کا اندازہ کرنے کے لیے اپنے داعی ابن المطیع کے ذریعہ مدینہ طیبہ میں بغاوت کرانے کی فکر کی۔ مگر اہتمام یہ رکھا کہ یہ تحریک کسی شخص کی حمایت میں نہ ہو، بلکہ محض امیر المومنین کے شخصی معائب بتا کر انہیں مطعون کرنے پر اکتفا کیا جائے، کہ ایسا شخص اس قابل نہیں ہے کہ اسے امت اپنا امام مانے۔ اس طرح انہوں نے اپنے آپ کو اس تحریک میں ملوث نہ ہونے کا تصور پیش کرنے کی کوشش کی۔

شہر کے اصحاب فکر ونظر نے ان کارروائیوں کو تخریبی قرار دیا اور اس فتنے سے روکنا چاہا، مگر امت کی بدقسمتی سے چند لوگوں کے جذبات برانگیختہ کرنے میں وہ لوگ کامیاب ہو گئے۔

امیر مدینہ نے جب اس کی اطلاع امیر المومنین کو دی تو انہوں نے حکم دیا کہ جو لوگ اس تحریک میں نمایاں ہوں ان کا ایک وفد دارالخلافہ بھیج دیا جائے۔ یہ وفد گیا اور بظاہر مطمئن ہو کر وہاں سے آیا مگر جن جذبات کے ساتھ گیا تھا انہی جذبات کے ساتھ۔

میں اس وقت وہاں موجود تھا اور میں نے اعلان کر دیا تھا کہ ابن الزبیر

کے داعی جو شورش بپا کرنا چاہتے ہیں اس کا کوئی جواز نہیں۔ ① امام کی بیعت توڑنا اللہ اور اس کے رسول سے غداری ہے۔

میری بات اہل شہر نے سنی اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم وہاں موجود تھے، انہوں نے میری تائید کی اور اس ہنگامہ پروری سے اپنے آپ کو بچایا۔ بنو ہاشم، بنو تیم، بنو عدی اور انصار کا سب سے بڑا گھرانا بنو عبد الاشہل سب اس شورش سے بیزار تھے۔ لیکن وہ چند لوگ جو ابن المطیع اور ان کے ساتھیوں کے بہکانے میں آ گئے تھے انہوں نے ہماری بات نہیں مانی۔ ان لوگوں نے غضب یہ کیا کہ امیر مدینہ اور اموی سادات کو شہر بدر کر دیا۔

اس شورش کی اطلاع دار الخلافہ پہنچ چکی تھی اور وہاں سے مفسدوں کی سرکوبی کے لیے ایک فوجی دستہ آیا تھا، انہوں نے باغیوں پر تین دن تک امان پیش کی اور سمجھایا کہ حرم شریف کی بے حرمتی سے باز رہیں اور امت کے اجماع میں خلل نہ ڈالیں مگر وہ لوگ نہ مانے اور جنگ پر تل گئے۔

اس طرح جنگ ناگزیر ہو گئی اور چند گھنٹوں میں اس کا خاتمہ ہو گیا، کیونکہ بنو عبد الاشہل، جو انصار کا سب سے بڑا گھرانا تھا، انہوں نے فوجی دستے کو اپنے محلے میں سے گزار کر شہر پر قبضہ کرا دیا۔

پھر آپ نے پیچھے مڑ کر حضرت محمود بن الربیع انصاری رضی اللہ عنہ کو آواز دی اور فرمایا:

”بھائی محمود کیا میں نے غلط کہا اور کیا آپ نے یہ نہایت عاقلانہ قدم نہیں اٹھایا تھا؟“

① متفق علیه.

انہوں نے فرمایا:

''حضرت! بات بالکل یہی تھی۔ فتنہ فرو کرنے کی اس کے علاوہ مجھے کوئی اور صورت نظر نہیں آئی''۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''بھائی ہم تو آپ کے نہایت شکر گزار ہوئے کہ آپ نے یہ انتہائی تعمیری کارنامہ انجام دیا اور شہر نبی کی حرمت پر آنچ نہ آنے دی''۔

پھر مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا:

''لوگو! تم نے صحیح صورت حال معلوم کر لی۔ اس کے باوجود، ان سبائیت زدہ مصنفوں اور مؤلفوں نے ان ملاحدہ کی خرافات نقل کر کے ہمیں وہ اذیت پہنچائی ہے کہ اس کا مداویٰ اب ان کے بس میں نہیں۔ کاش ایسے لوگ پیدا ہوں جو ان اکاذیب واباطیل کی تنقیح کر کے ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پہلی صدی ہجری کے اہل ایمان کے مواقف جرات کے ساتھ بیان کریں۔

او سبائیت زدہ مصنفو اور مؤلفو! تم نے یہ نہ سوچو کہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور شہر کی بھاری اکثریت نے اس ہنگامے کو فساد فی الارض سے تعبیر کیا تو شہر میں خون ریزی کیسے ہوسکتی تھی۔ حرہ میں جو کچھ ہوا، وہ تو وہیں ختم ہو گیا تھا۔

مگر افسوس تم نے اپنی کتابوں میں ''سانحہ کربلا'' کی سی خرافات یہاں کے بارے میں بھی بھر دیں۔ ایسی باتیں لکھتے وقت تمہارے قلم نہیں لرزے اور تمہارے دلوں میں کھرچن پیدا نہیں ہوئی۔

تم نے صحابی مجاہدوں کے اس دستے کو مطعون کیا اور ان کی طرف ایسی

بہیمانہ حرکتیں منسوب کر دیں جن کا ارتکاب وہ زمانہ جاہلیت میں بھی نہیں کرتے تھے۔

تم نے یہ نہ سوچا کہ جن مجاہدوں نے ہزاروں شہر اس سے پہلے اور ہزاروں شہر اس کے بعد فتح کیے، تو کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ غیر مسلم مفتوحوں نے انہیں اپنا نجات دہندہ جانا۔ کیا پورے دور خلافت میں کسی مفتوح شہر میں قتل عام کرایا گیا اور کیا کبھی مفتوحوں کے گھر لوٹے گئے اور کیا کبھی خواتین کی بے حرمتی کی گئی؟

دوسرے شہروں کی تاریخ لکھتے وقت تو تم بڑے فخر سے جنگ کے اسلامی اصول بیان کرتے ہو اور عملی شہادتوں سے ثابت کرتے ہو کہ جو شہر مسلمانوں نے فتح کیے وہاں انہوں نے کس طرح مومنانہ عالی ظرفی کا مظاہرہ کیا۔ لیکن انہی مجاہدوں کے بارے میں تم ایسی باتیں خاص حرم نبوی میں بیان کرتے ہو کہ جو سنے وہ لرز جائے۔

پھر تم نے ہمارے منہ پر کالک ملنے کی کوشش کی کہ ہم سب کچھ برداشت کر گئے اور کچھ مزاحمت نہ کی۔ کیا تمہارے نزدیک ہمارے بازو شل ہو گئے تھے، یا ہمارے ہتھیار کند تھے، یا ہم غیرت وحمیت کو خیر باد کہہ چکے تھے اور ان پر جان دینا ہمیں نہیں آتا تھا۔

یہ فوجی دستہ شہر میں فاتحانہ داخل نہیں ہوا تھا، اسے ہم نے شہر میں داخل کیا تھا۔ اگر یہ دستہ دشمن کا ہوتا، اور پورا شہر دفاع کرتا تو یا تو دشمن کو بھاگتے بنتی یا ان میں کا ایک شخص بھی سلامت نہ رہتا۔

ہم جنہوں نے بڑی بڑی سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے اور ملک کے ملک

اپنے قدموں سے روند ڈالے، ہمارا اتنا بڑا شہر فتح کرنے کے لیے تو ہزار ہا فوجی آتے تو ان سے مقابلہ ہوتا اور رن پڑتا۔

تم نے یہ نہیں سوچا کہ جس امام کا پرچم دو براعظموں میں لہرا رہا تھا، وہ اتنا احمق تھا کہ ہمارا شہر فتح کرنے کے لیے وہ چار ہزار فوجی بھیجتا؟

امیر المومنین کو شہر کے احوال معلوم تھے کہ پورا شہر ان کے ساتھ ہے صرف چند عاقبت نا اندیش لوگ فساد پر تلے ہوئے ہیں، اس لیے انہوں نے یہ مختصر فوجی دستہ تادیب کے لیے بھیج دیا کہ اہل شہر کی معاونت سے یہ فتنہ فرو کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

تم نے سبائی روایتیں کمال بے حیائی سے اپنی کتابوں میں درج کر دیں اور ہمیں یک قلم فراموش کر دیا۔ اگر ایک باقاعدہ فوج آئی ہوتی اور زور کا رن پڑتا اور ہم شکست کھا جاتے تب بھی وہ سب کچھ ہماری زندگی میں نہ ہو سکتا جو تم نے بیان کیا ہے۔ ہم سب حرم کی حرمت پر قربان ہو چکے ہوتے۔

اب بولو کیا حرہ کے بعد ہم نے بیعت توڑی؟ کیا ہم ایسے تھے کہ ہم سے کوئی یزید کی غلامی کا اقرار کرا سکے۔ کیا ہم ایسے تھے کہ شامی فوجی ہمارے گھروں میں گھس سکیں۔ کیا ہم نے ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کا ساتھ دیا، کیا ہم نے دمشق کو مستقر خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ہم ایسے بے غیرت تھے کہ ''باطل'' کے سامنے جھک جائیں۔ یہ تمام امور جاننے کے بعد تم میں ہمت ہے کہ ہم سے آنکھ ملا سکو؟''

اس جلال فاروقی نے سب کو دم بخود کر دیا اور ان پر ایسی انفعالی کیفیت طاری ہوئی کہ سب کی گردنیں جھک گئیں۔

سیدنا زید بن الارقم رضی اللہ عنہ

سیدنا شیخ الصحابہ رضی اللہ عنہ کے بعد، عدالت کا حکم ہوا، کہ اس موضوع پر کوئی اور صاحب اگر بولنا چاہیں تو انہیں اجازت ہے۔ یہ سنتے ہی سیدنا زید بن الارقم اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہما ایک ساتھ کھڑے ہوئے۔ سیدنا انس نے جو سیدنا زید رضی اللہ عنہما کو دیکھا تو فرمایا:

''بھائی صاحب آپ ہی کہیے جو کہنا ہو۔ میرا حال تو آپ کو معلوم ہی ہے''۔

چنانچہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''حضرات کرام! سیدنا شیخ الصحابہ رضی اللہ عنہ نے سانحہ حرہ پر جس طرح تبصرہ فرمایا ہے، اس کے بعد مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی، مگر میں اس رنج وافسوس اور قلق کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ جن پر حرم نبوی کی حرمت کی حفاظت سب سے زیادہ فرض تھی، وہی اسے پامال کرنے کھڑے ہو گئے، اور اس کا منطقی نتیجہ جو نکلنا تھا وہی نکلا۔

ہم نے وہ منحوس وقت بھی دیکھا تھا، جب دو ہزار کے قریب سبائی گرگے حرم پاک میں درانہ گھس آئے اور ہمارے متفق علیہ اور محبوب ترین امام سیدنا عثمان ذوالنورین صلوات اللہ علیہ کو شہید کر ڈالا اور سب دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ اس طاغوتی گروہ کو قتل کر ڈالنا ہمارے لیے کچھ مشکل نہ

تھا، مگر ہمارے امام نے ہمیں آزمائش میں ڈال دیا۔ ان کا حکم تھا کہ اگر ہم اپنی بیعت پر قائم رہنا چاہتے ہیں تو ہتھیار رکھ دیں اور ان سے قتال نہ کریں۔ اس طرح ہم پر زمین تنگ ہوگئی، اور فضا میں ایسی ظلمت چھائی کہ ہمیں کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔

اگر ہمارا کچھ بھی اختیار ہوتا تو محض ان مفسدوں ہی کو نہیں ان کے خفیہ مراکز کو بھی تہس نہس کر ڈالتے مگر ہم مجبور تھے، بیعت توڑنا ہمارے لیے ممکن نہ تھا۔

یہ مجوسی اور یہودی سازش تھی، کیونکہ وہ لوگ دیکھ رہے تھے کہ جہاں ایران کی مجوسی حکومت ختم کر دی گئی، وہاں القدس پر بھی اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ پھر ادھر بازنطینی حکومت پر ہراس طاری تھا۔ اور دوسری طرف اسلامی فوجیں فرانس میں داخل ہو چکی تھیں۔ اس طرح انہیں نظر آ رہا تھا کہ دین مبین کا سیل رواں طاقت کے ذریعہ روکا نہ جا سکے گا، اس لیے عین وقت پر ان سازشیوں نے حرم نبوی پر یورش کر کے فتنوں کا وہ دروازہ کھولا، جو کسی طرح بند ہونے میں نہیں آتا۔

بہر حال یہ تخریبی کارروائی تو ان کی تھی، جنہیں منظم ہی اس لیے کیا گیا تھا کہ قرآنی نظام حیات کو دنیا میں رائج نہ ہونے دیں۔ تو ان سے ہمیں گلہ نہیں۔ جس طرح بھی ہوگا صلحا امت ان سے نمٹتے رہیں گے۔

مگر ہمیں صدمہ اس کا تھا اور غصہ ان پر تھا جو حرم کی پاسبانی کی بجائے، اس کی تخریب پر تل گئے تھے۔ جس امام کی امامت برامت مجتمع تھی، اور جس کی خلافت پر جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجماع کیا تھا، اس کے خلاف

کھڑا ہونا کسی درجے میں جائز نہ تھا۔ بہر حال جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔
چونکہ اس عاقبت نااندیش گروہ میں زیادہ تعداد انصاری نوجوانوں کی تھی، اس لیے ہمیں دوہرا صدمہ تھا، ایک حرم کی بے حرمتی کا اور دوسرے بڑی تعداد میں انصار کی ان قیمتی جانوں کے ضائع ہونے کا۔
بھائی انس چونکہ بصرے میں تھے اس لیے ان کی کیفیت بہت دگرگوں تھی۔ مجھے جب ان کا حال معلوم ہوا تو انہیں تسلی دی کہ دنیا میں جو ہو گیا وہ ہو گیا۔ ان شاء اللہ ان کی عاقبت بخیر ہو گی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی:
''الٰہی انصار کی بھی خطا پوشی فرما، اور ان کی اولاد کی بھی شاید آپ نے اولاد کی اولاد کا نام بھی لیا تھا''۔
تب انہیں تسلی ہوئی کہ جو لوگ اس ہنگامے میں کام آئے اور دوسروں کے بہکائے میں آکر غلطی کر بیٹھے، تو اس کا کفارہ ان کے قتل سے ہو گیا اور عاقبت محفوظ رہے گی۔ بس مجھے اتنا ہی عرض کرنا تھا۔ شاید بھائی انس بھی کچھ کہنا چاہیں''۔
سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
''ہاں بھائی صاحب کہنا تو میں بھی کچھ چاہتا تھا مگر جس طرح آپ نے تجزیہ کیا ہے، شاید ایسا نہ کہہ سکتا''۔
یہ کہہ کر بیٹھ گئے۔
اب عدالت کا فرمان ہوا کہ مسئلہ زیر بحث پر کافی تبصرہ ہو چکا۔ اس لیے اگلے واقعات بیان کیے جائیں اور بہتر ہے کہ عبداللہ بن العباس رضی اللہ عنہما حصار مکہ پر بولیں۔

حصارِ مکہ
سیدنا عبداللہ بن العباس رضی اللہ عنہما

جب عدالت کا حکم ہوا کہ آخری بیان حصار مکہ کے بارے میں ہو اور مناسب ہے کہ عبداللہ بن العباس اس موضوع پر تقریر کریں، کیونکہ وہ وہاں موجود تھے اور تمام امور کے عینی شاہد ہیں۔

یہ سنتے ہی سیدنا عبداللہ بن العباس رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے اور فرمایا:

''حاضرین کرام! مجھ سے پہلے جو بیان ہوئے، وہ اکثر حضرات نے رضا کارانہ دیئے، مگر میں حکماً کھڑا کیا گیا ہوں، شاید اس لیے کہ عدالت کے نزدیک میری گواہی ہر اعتبار سے مستند ہوگی۔

اس طرح ضروری ہو گیا کہ میں اول اپنی حیثیت عرفی سے آگاہ کردوں، تاکہ میرے بیان کی تفصیلات پر اعتماد سے غور کیا جا سکے۔ یاد رہے کہ میں ہوں رسول اللہ ﷺ کے مومن چچا کا فرزند اور اس خاتون کا جو سیدہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد ایمان لانے والی دوسری مومنہ ہیں، اپنے گھرانے میں صرف مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ بچپن میں جب کبھی اپنی خالہ صاحبہ سیدہ ام المومنین میمونہ صلوات اللہ علیہا کے ہاں شب باش ہوتا، تو تہجد کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کی معیت اور اقتدا کی سعادت حاصل ہوتی۔ اپنے گھرانے میں صرف مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے سینہ مبارک سے لگا کر میرے لیے دعا کی

کہ اللہ تعالیٰ مجھے قرآن فہمی کا ملکہ عطا فرمائے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ بسا اوقات کبار صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض حضرات میری تقریریں سننے تشریف لاتے تھے۔

میری تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی، میری خالہ صاحبہ سیدہ ام المومنین نے کی، میری والدہ صاحبہ سیدہ ام الفضل نے کی اور میرے والد ماجد سیدہ عباس نے کی۔ رضی اللہ عنہم اور میری تکمیل ہوئی سیدنا فاروق اعظم امیر المومنین کی توجہات سے اور اس درجے تک کہ آپ کی محفل میں مجھے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ جگہ ملتی تھی۔ رضوان اللہ وسلامنا علیہم اجمعین

میرا یہ بیان خودستائی، تعلّی اور خود بینی پر محمول نہ کیا جائے۔ یہ تفصیل مجھے اس لیے بتانی پڑی کہ سبائیہ کے ہاں میں ان لوگوں میں ہوں جنہیں دنیا میں بینائی سے محروم کر دیا گیا اور آخرت میں بھی اندھے اٹھیں گے۔ اس کے باوجود انہوں نے میرے نام سے اتنے جھوٹ بولے ہیں کہ اس آئینے میں اپنی صورت دیکھوں تو اجنبی لگوں۔

اب میں اصل موضوع پر آنے سے پہلے یہ بھی کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمیں ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے صرف سیاسی اختلاف رہا۔ ان کی شخصی جلالت قدر ہم سب کے نزدیک ہمیشہ مسلم رہی۔ وہ ملت اسلامیہ کے عظیم فرزندوں میں ہیں۔ وہ بہت بڑے عالم تھے، بہت بڑے فقیہ تھے۔ بہت بڑے قاری تھے اور بہت بڑے مجاہد تھے۔ کفار کے خلاف ان کی جہادی سرگرمیاں ہمارے لیے ہمیشہ سرمایہ افتخار رہیں۔

ان کی تعلیم وتربیت ان کی خالہ صاحبہ سیدہ ام المومنین عائشہ صدیقہ

صلوات اللہ علیہا نے اور ان کی والدہ ماجدہ سیدہ اسماء نے کی اور ان کے والد ماجد سیدنا زبیر کے علاوہ کبار صحابہ سے انہیں فیض پہنچا۔ رضی اللہ عنہم

ان تمام فضائل کی بنا پر ان کا یہ خیال بجا تھا کہ وہ امیر المومنین یزید کے مقابلے میں خلافت کے زیادہ اہل ہیں۔ اگر یہ خیال، خیال ہی رہتا، تو ان کے سبب جو فتنہ اٹھا وہ نہ اٹھتا۔ ہم نے ان کی تمام تحریک اور سیاسی سرگرمیوں کو فتنہ ہی قرار دیا، کیونکہ جس امر پر تمام ہم عصر بڑوں اور چھوٹوں کا اجماع ہو، اس سے نظری اختلاف تو کیا جا سکتا ہے، مگر اس کے خلاف عملی اقدام کی گنجائش نہیں۔ کتاب وسنت میں اس پر سخت وعیدیں ہیں۔

ابن الزبیر نے یہ نہ سوچا کہ جن فضائل کی بنا پر وہ اپنے آپ کو افضل سمجھتے تھے، ان سے بدرجہا زیادہ فضائل رکھنے والوں نے جب امیر المومنین یزید کی ولایت عہد پر اور پھر دس برس بعد ان کی خلافت پر اجماع کیا، تو اس کا امکان کہاں تھا کہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو امت کی حمایت حاصل ہو سکے۔

نصوص قرآنیہ کے مطابق سب سے بڑا درجہ ان کا ہے جو ہجرت سے پہلے ایمان لائے اور دین کے لیے سختیاں جھیلیں۔ پھر وہ ہیں جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے اور جان ومال سے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کیا۔ پھر وہ ہیں جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں دینی خدمات انجام دیں۔

ان کے بعد کے لوگوں کی سعادت اس میں ہے کہ خوبی کے ساتھ ان کا

اتباع کریں اوران کے اجماعی مواقف کو حق جانیں۔ کیونکہ سیدھی راہ پر چلانے کی بشارت اللہ نے انہی کو دی تھی۔ انہی کو سچا مومن بتایا تھا، اورانہی سے اپنی رضا کا اعلان فرمایا تھا۔

ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نہ پہلوں میں ہیں، نہ پچھلوں میں، توان کے لیے یہ کب روا رہا کہ اصحاب بیعۃ عقبہ، اصحاب بدر، اصحاب احد، اصحاب خندق اور اصحاب بیعۃ الرضوان کے اجماعی فیصلوں کے مقابلے میں، اپنے اجتہاد کو حق باور کریں۔

کیسی عجیب بات ہے کہ جہاد قسطنطنیہ کے موقع پر، وہ اور حسین دونوں امیر یزید کی قیادت پر مطمئن رہے لیکن خلافت کے معاملے میں انہوں نے اپنی اپنی جگہ اپنے آپ کو احق جانا اور تجدید بیعت سے انکار کر دیا۔

حسین رضی اللہ عنہ نے تو امت کے اجماع کی کیفیت کا ادراک کر کے اپنے موقف سے رجوع کر لیا اور یوں اپنے آپ کو وعیدوں سے بچا لے گئے۔ مگر ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے صورت حال مشتبہ رکھی، اور خفیہ خفیہ اپنی جمعیت بنانے میں لگے رہے۔

لیکن جب انہوں نے اپنی طاقت آزمانے کے لیے مدینہ طیبہ میں بغاوت کرائی، تو وہ ناکام رہی، کیونکہ شہر کی بھاری اکثریت اس ہنگامے کے خلاف تھی۔ اس صورت حال سے ان پر ان کی غلطی کھل جانی چاہیے تھی مگر نہ کھلی۔

ہوا یہ کہ سرکاری فوجی دستے کے لیے امیر المومنین کا فرمان تھا کہ اہل مدینہ طیبہ کی بغاوت فرو کرنے کے بعد، وہ لوگ مکہ معظّمہ جا کر شہر کا

محاصرہ کرلیں تاکہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو تنبیہ ہو۔

راستے میں بھائی مسلم بن عقبہ وفات پاگئے تھے اور فرمان خلافت کے مطابق اب فوجی دستے کی کمان بھائی حصین بن نمیر کے ہاتھ تھی۔ انہوں نے حدود حرم کے باہر سے آمدورفت اور نقل وحمل کی راہیں مسدود کر دیں۔ اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو پیغام بھیجا کہ امن عامہ میں خلل ڈالنے سے گریز کریں اور حرم کی حرمت پر حرف نہ آنے دیں۔

سرکاری فوجی دستے نے سوائے حصار کے اور کوئی قدم نہیں اٹھایا اور ظاہر ہے کہ محاصرہ کرنے والوں کی طرف سے قتال کی ابتدا نہیں ہوتی۔ چنانچہ نہیں ہوئی اور جیسا کہ ہر جگہ محصوروں کی طرف سے قتال کی ابتدا ہوتی ہے، ایسے ہی ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے ہوئی۔ یوں جنگ ناگزیر ہوگئی مگر حدود حرم کے باہر۔

اسی عرصے میں امیر المومنین کی وفات کی اطلاع آگئی۔ امیر حصین نے جنگ بند کر دی اور محاصرہ اٹھالیا۔ پھر ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو پیام بھیجا کہ وہ واپس جارہے ہیں اور صرف یہ چاہتے ہیں کہ طواف کی اجازت دے دی جائے جو دے دی گئی اور وہ لوگ غیر مسلح ہوکر شہر میں داخل ہوئے، اور طواف کے بعد کوچ کر گئے، یوں یہ قضیہ تمام ہوا، جو دور یزید کا آخری واقعہ تھا۔

اس ذیل میں سبائی افترا پردازوں نے جو واہی اور خیالی روایتیں وضع کیں اور سبائیت زدہ مؤلفوں اور مصنفوں نے اپنی کتابوں میں درج کر دیں، انہی پر تکیہ کر کے لوگ جذبات میں بہہ گئے حتی کہ جو لوگ مفتی

کہلائے وہ بھی اپنی سی کرنے سے باز نہ رہے اور یہ نہ سوچا کہ اس طرح انہوں نے محض اصول وقواعد ہی مجروح نہیں کیے بلکہ بالواسطہ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ساری ہم عصر امت کو طعن و تشنیع کا ہدف بنا ڈالا اور نہ سوچا کہ کل اپنے کیے کی جواب دہی ان پر کتنی سخت ہوگی، کیونکہ کتاب وسنت کے صریح نصوص کا محمول انہوں نے الٹ دیا۔

کبار صحابہ رضی اللہ عنہم نے جن ہنگاموں کو اللہ اور اس کے رسول سے غداری قرار دیا، ان لوگوں نے اس کا نام جہاد رکھ دیا، اور جن لوگوں نے شہریوں کے تعاون سے یہ فتنے فرو کیے انہیں ظالم کہہ کر ان وعیدوں کا مورد بنا دیا۔

او مؤرخو او مصنفو! تم نے یہ نہ سوچا کہ ایک عظیم ترین فاتح قوم کے دو بڑے شہر، جہاں ہر بالغ شخص ماہر حرب وضرب تھا، جہاں کی خواتین میدان جہاد میں داد شجاعت دیتی تھیں، جہاں کے بچوں کے کھلونے بھی ہتھیاروں کی طرح ہوتے تھے، اور جس قوم کا رعب ساری دنیا پر چھایا ہوا تھا، ایسی قوم کے کسی بڑے شہر کو زیر کرنا کوئی آسان کام تھا؟

پھر دو ایسے شہر جو امت کے روحانی مرکز تھے اور ہر امتی ان کی حرمت پر کٹ مرنا اپنی سعادت جانتا تھا، ایسے کسی شہر پر اگر فوجی یلغار ہوتی، تو محض شہری ہی نہیں بلکہ قرب وجوار کے تمام مسلمان بھی اس فوج پر ٹوٹ پڑتے، اور وہ رن پڑتا کہ حکومت کی چولیں ہل جاتیں۔

علاوہ ازیں تم نے یہ نہ سوچا کہ دو براعظموں میں پھیلی ہوئی امت کا متفق علیہ امام، جس کی عسکری مہارت کا لوہا ہم عصر امت نے مانا اور اسے

''عرب کا سورما'' قرار دیا، وہ ایسا احمق تھا کہ سینکڑوں میل دور کی کوئی مہم سر کرنے کے لیے محض چار ہزار کی نفری بھیج کر مطمئن ہو جاتا کہ یہ لوگ دونوں شہروں میں کشتوں کے پشتے ایسے لگا دیں گے کہ پھر کسی کو سر اٹھانے کا یارا نہ رہے گا؟

بے شک امیر المومنین نے صرف چار ہزار فوج بھیجی تھی، کیونکہ انہیں دونوں شہروں کا اجماعی موقف معلوم تھا کہ وہاں کی بھاری اکثریت اپنی بیعت پر قائم ہے اور ہنگامہ پروری سے متنفر۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، معمولی فساد تھا، جو ہر بڑی حکومت میں کہیں نہ کہیں ہوتا ہی رہتا ہے اور اسے شہریوں کے تعاون سے بآسانی فرو کر دیا جاتا ہے، جیسے حرہ کا ہنگامہ اہل شہر کی معاونت سے چند گھنٹوں میں فرو ہو گیا۔ رہا حصار مکہ تو وہ امیر المومنین کی وفات کے سبب انجام کو نہ پہنچ سکا، ورنہ وہ بھی اہل شہر کی حمایت سے فرو ہو جاتا اور ہماری تاریخ کچھ اور ہوتی۔ یعنی بعد میں جو کچھ ہوا، وہ سامنے نہ آتا۔

اب سنیے سبائیہ کی ایک اور افترا پردازی۔ کہتے ہیں کہ امیر حصین بن نمیر کے حکم سے منجنیقوں کے ذریعہ کعبہ شریف پر پتھر برسائے گئے اور شعلہ بردار تیروں کی بارش کی گئی جس سے کعبہ شریف میں آگ لگ گئی اور وہ منہدم ہو گیا۔ گویا ''جنگ'' ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے نہ تھی بلکہ ابرہہ کی طرح ایک عظیم الشان لشکر کعبہ شریف کو منہدم کرنے آیا تھا۔ **نعوذ باللہ من شرور الکاذبین**

یہ روایت نقل کرتے وقت کسی نے نہ سوچا کہ ایسی منجنیق کونسی ہو سکتی ہے جو

حدود حرم کے باہر سے پتھر برسائے اور وہ کعبہ شریف پر جا پڑیں اور کونسا تیر انداز ایسا ہوسکتا ہے جو شعلہ بردار تیر پھینکے اور وہ کعبہ شریف کے پردے جلا دیں۔ کہتے تو ہیں ''حصار'' اور تفصیل ایسی دے رہے ہیں جیسے ''جنگ'' شہر کے اندر اور کعبہ شریف کے اردگرد ہو رہی ہو۔۔

اب ملاحظہ ہو ان راویوں کی حماقت آمیز دورغ گوئی۔ یہ بھول گئے کہ اگر حصار مکہ کے وقت منجنیقوں اور شعلہ بردار تیروں سے کام لیا گیا، تو یہ کارروائی مدینہ طیبہ میں کیوں نہ ہوئی، وہی فوجی دستہ تو تھا جو کعبہ منہدم کرنے آیا تھا، اس نے مسجد نبوی کو پتھروں اور شعلہ بردار تیروں سے کیوں منہدم نہیں کیا؟

یہ احمقانہ خرافات قبول کرنے والے لوگ تاریخ سے اس درجہ بے خبر کیوں ہو گئے، انہیں یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ اس وقت مسلمانوں کو شعلہ بردار تیروں کا علم ہی کب تھا۔ یہ صورتحال تو اس وقت سامنے آئی جب سالہا سال بعد ان کے معرکے یونانیوں سے ہوئے۔

غرض یہ کہ جب تعصب نے دماغ ماؤف کر دیئے ہوں اس وقت اس قسم کی روایتیں قبول کر کے اور عقل کو خیر باد کہہ کر تاریخ مسخ کی جاتی ہے۔ یوں اخلاف کے دلوں سے اسلاف کی حرمت مٹانے پر یہ لوگ تل جاتے ہیں۔

انتباہ: میری اس تقریر سے یہ اثر نہ لیا جائے کہ میں ابن الزبیر کی جانب سے اپنے دل میں کدورت رکھتا ہوں، یا ان کے فضائل کا مجھے انکار ہے، یا میں ان کے اخروی انجام پر کوئی حکم لگا رہا ہوں۔ مجھے اور ہم میں سے

بہت سوں کو ان سے سیاسی اختلاف تھا۔ میں امیر المومنین یزید کے خلاف ان کی سرگرمیوں کو مفاد ملت کے خلاف جانتا تھا۔

ویسے بشارت نبویہ کے مطابق ان کا اخروی انجام بخیر ہے اور اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ آخرت میں ان کے مراتب بلند ہوں، کیونکہ علاوہ ان کی عظیم خدمات ملیہ کے، ان کا شمار جہاد قسطنطنیہ میں شرکت کے سبب ان میں ہے جن کے متعلق بشارت دی گئی کہ **مغفور لھم** یعنی وہ اخروی باز پرس سے محفوظ ہیں۔ اب یہ کیسی دلچسپ بات ہے کہ جس سپہ سالار اعظم کی کمان میں جہاد کرنے پر انہیں یہ بشارت ملی، اسی کے خلاف وہ لڑنے کھڑے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے''۔

اس دل پذیر تقریر کے بعد سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیٹھ گئے اور پھر اچانک کھڑے ہو کر فرمایا:

''حضرات! مجھے ایک بات اور عرض کرنی ہے۔ میں نے شروع میں اپنا تعارف کراتے وقت اپنے نسب کی بھی کچھ بات کی تھی، وہ مجھے مجبوراً کرنی پڑی۔

یاد رکھیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے جو ہر رشتہ ہو وہ آپ کی ذات ہی تک رہے گا۔ آپ کے منصب کے تحت ہر مومن آپ کا روحانی فرزند ہے اور اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ آداب فرزندی بجا لائے گا۔

مسلم معاشرہ غیر طبقاتی ہوتا ہے، وہاں نسلی شرف اور پیدائشی بزرگی کا کچھ تصور نہیں۔ اس لیے کہ رشتہ دار کافر و منافق اور مرتد بھی ہو سکتا ہے۔ یہود کو دعویٰ تھا کہ وہ انبیاء و رسل کی اولاد ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِمَّنْ خَلَقَ ①

کہہ دو کہ پھر تمہیں تمہارے گناہوں پر وہ سزا کیوں دیتا ہے۔ پس تم ایسے ہی بشر ہو جیسے اس نے دوسروں کو پیدا کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کے تحت صرف ایک رشتہ ہے ایمان کا۔ جو شخص جتنا زیادہ ایمان میں پختہ ہوگا، خلوص سے آپ کا اتباع کرے گا، اور اس کا وجود امت کے لیے موجب برکت ہوگا، اور ارتقاملّی میں اس کی کاوشوں سے مدد ملے گی، اتنا ہی وہ آپ سے قریب ہوگا، اگرچہ نسباً بعید ہو۔

اور جس کے سبب دین مسخ ہوگا، امت فتنوں میں مبتلا ہوگی اور کفار کے دلوں سے مسلمانوں کا رعب اٹھ جائے گا، اتنا ہی وہ آپ سے دور ہوگا، اگرچہ نسباً قریب ہو۔ تو بھائیو! نسب کی بجائے ایمان اور عمل پر توجہ دو، اور صرف اسی پر زندگی کا مدار رکھو۔ وما علینا الا البلاغ

اتنا فرما کر سیدنا عبداللہ بن العباس رضی اللہ عنہما بیٹھ گئے۔ اب مسند عدالت سے سیدنا امیر المومنین علی رضوان اللہ وسلامہ علیہ نے فرمایا:

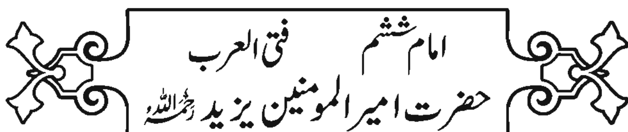
''لوگو! زیر بحث موضوع پر جس انداز میں تبصرہ ہوا ہے اور ہم عصر لوگوں نے ذاتی مشاہدے کی بنا پر جو دلائل دیئے ہیں، ان کے بعد عدالت یہ ضروری نہیں سمجھتی کہ ان فرض ناشناس مؤلفوں اور مصنفوں کو صفائی پیش کرنے کے لیے طلب کرے جنہوں نے سبائی روایات اپنی کتابوں میں بھر دیں اور یوں بالواسطہ تمام ہم عصر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو علما وفقہا امت کو

① المائدہ: ۱۸۔

اور غیر جانب دار صلحا کو مطعون کرنے کے اسباب پیدا کر دیئے۔ اہل فکر ونظر، یہ تنقیدی کام کرتے ہی رہیں گے اور ان شاء اللہ تعالیٰ انہی کو تائید الٰہی حاصل رہے گی۔ لہٰذا یہ اجلاس برخاست کیا جاتا ہے۔

والسلام علیکم ایھا المؤمنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

یوں یہ عظیم الشان اجلاس اختتام کو پہنچا اور ان لوگوں کی پیشانیاں عرق آلود ہوگئیں جنہوں نے جذبات میں بہہ کر حقائق مسخ کرنے والی روایتیں اپنی کتابوں میں بھر دیں۔



ہم عصر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مواقف کی روشنی میں زیر نظر تالیف سبائیت زدہ علماء کی اصلاح کے لیے ایک کوشش ہے۔

وماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم

ولایت عہد

زیر نظر عنوان کے تحت ہزارہا صفحے سیاہ کیے گئے ہیں اور قسم قسم کے لوگوں نے طرح طرح کی باتیں بنا کر صورت حال اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی ہے حتی کہ بعض حضرات نے اس موضوع پر کتابیں لکھ ماریں۔ لیکن مؤرخانہ انداز میں عقل ایمانی کے ساتھ تمام واقعات ثابتہ سامنے رکھ کر اور ہم عصر امت کے مواقف کا جائزہ لے کر متوازن انداز میں بات کہنے والے لوگ بہت کم ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سبائی راویوں نے اور سبائیت زدہ لوگوں نے دانستہ دام تزویر بچھا کر ایسی فضا قائم کر دی ہے کہ اچھے اچھے مخلص لوگ بھی ان کے پھندے سے نہ نکل سکے۔ ہم یہاں صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ جن حضرات کے قلوب نورانی ہیں اور ذہن تعمیری۔ ان میں حضرت قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ کا بیان ایک نمونہ ہے اور اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صورت حال کس درجہ مسخ کر دی گئی ہے کہ ان جیسے لوگ بھی یوں کہتے ہیں: ①

''لسنا ننکر ولا بلغت بنا الجهالة ولا لنا فی الحق حمیة جاهلیة ولا ننطوی علی غلّ لاحد من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بل نقول: ''رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ'' الاَّ انا نقول ان معاویة ترک الافضل فی ان یجعلها شوریٰ والاَّ یخصّ بها احداً

① العواصم من القواصم ص ۲۲۲، طبع مصر۔

من قرابته فكيف ولداً۔ فعدل الٰى ولاية ابنه وعقد له البيعة وبايعه الناس وتخلَّف عنها من تخلَّف فانعقدت البيعة شرعاً لانّها تنعقد بواحدٍ وقيل باثنين ''۔

''ہم انکار نہیں کرتے اور نہ ہم جہالت میں مبتلا ہیں اور نہ ہم حق کے مقابلے میں جاہلی تعصب رکھتے ہیں اور نہ ہم اصحاب محمد ﷺ میں کسی سے کینہ رکھتے ہی بلکہ ہم کہتے ہیں:

''پروردگار ہماری بھی خطا پوشی فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی جو ایمان کے ساتھ ہم سے پہلے گزر گئے اور ہمارے دلوں میں ان حضرات کی طرف سے کینہ نہ رہنے دے جو ایمان لے آئے تھے۔ پروردگارا تو ہی ہے الفت اور رحمت پیدا کرنے والا''۔

البتہ ہم یہ کہتے ہیں کہ معاویہ نے افضل بات چھوڑ دی کہ معاملہ شوریٰ کے سپرد کرتے اور اپنے کسی رشتہ دار کو بھی (خلافت کے لیے) خاص نہ کرتے چہ جائیکہ بیٹے کو کریں۔ چنانچہ اپنے بیٹے کی طرف وہ جھک گئے اور ان کے لیے بیعت لے لی۔ لوگوں نے بھی ان سے بیعت کر لی۔ اور جنہوں نے انکار کیا، کر دیا۔ مگر بیعت شرعاً ہوگئی کیونکہ ایک شخص کے بیعت کرنے سے بھی منعقد ہو جاتی ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ دو شخصوں کے (بیعت کر لینے سے)''۔

جو شخص یہ بیان پڑھے گا، وہ یہی سمجھے گا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے محض اپنی مرضی سے اپنے فرزند کو ''ولی عہد'' بنایا، تا کہ خلافت پر اپنے خاندان کا قبضہ برقرار رکھیں۔ یعنی انہوں نے ارباب حل وعقد اور اکابر امت سے مشورہ ضروری نہیں سمجھا

اور جبر وزور یا کید ومکر سے من مانی کر گئے۔ پھر وہ یہ بھی تصور کر سکتا ہے کہ نظام سیاسی میں اس کی گنجائش نہیں کہ باپ کے بعد بیٹے کو امامت ملے، یا عزیز کے بعد عزیز کو، حالانکہ الحمد سے لے کر والناس تک اور موطا شریف سے لے کر ابن ماجہ تک ادنیٰ اشارہ بھی ایسا نہیں ۔ وہاں تو رائے عامہ کا موقف ناطق اور نافذ بتایا گیا ہے۔ اگر باپ کے بعد بیٹے کی امامت پر قوم راضی ہے تو وہ اس منصب پر فائز کیوں نہیں ہو سکتا۔ اور اگر قوم کسی خاندان میں امامت کو مختص رکھنا چاہتی ہے تو کس دلیل سے وہ ایسا نہیں کر سکتی۔

اس کے بعد قاری یہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ اس عہد کے لوگ ایسے بے حمیت ہو گئے تھے اور تقاضائے ملیہ سے ایسے بے پروا، کہ انہوں نے حکومت کے خوف سے یا لالچ کے سبب یا محض تن آسانی کی بنا پر یہ ناجائز یا بقول ابن العربی رحمہ اللہ غیر اولیٰ فیصلہ قبول کر لیا۔

اب اگر ہم معلوم کر لیں کہ اس وقت اجلہ واکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کون کون حضرات زندہ تھے اور کس کس نے حضرت امیر المومنین کے اس ''شخصی'' فیصلے کی تائید کی اور پھر دیکھیں کہ وہ حضرات کیسے تھے اور کس درجے کے، جنہوں نے امیر یزید کی قیادت میں جوش اور جذبے کے ساتھ عظیم کارنامے انجام دیئے اور پھر دیکھیں کہ ان کے خلیفہ ہو جانے پر کس کس نے ان کی حکومت کے عہدے قبول کیے اور انہیں مفترض الطاعت امام جانا تو صورت حال سمجھ میں آسکتی ہے۔

اس کے بعد ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ولایت عہد کی بیعت کر لینے کے بعد جن حضرات نے خلافت کی بیعت سے انکار کر دیا وہ کس حیثیت کے تھے اور ہم عصر امت نے ان کے ساتھ کیا طرز عمل رکھا اور ان کا انجام کیا ہوا، تو اس طرح بھی واقعات

ثابتہ کی روشنی میں بات سمجھ میں آسکتی ہے۔

صورتِ حال

لوگوں کا انداز بیان تخریبی اور گستاخانہ ہو، یا تعمیری اور باادب، سب اس بات پر متفق ہیں اور کسی کو انکار نہیں کہ امیر یزید رحمۃ اللہ کی ولایت عہد کی تحریک سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کی تھی جو مرتبے کے اعتبار سے اصحاب بیعۃ الرضوان میں ہیں، سیاسی حیثیت سے اس وقت آپ کوفے کے والی تھے۔ ان کی خدمات ملیہ بہت عظیم ہیں اور ان کا شمار دھاۃ عرب میں ہے یعنی عرب کے اصحاب تدبر میں۔

ان کے سامنے سبائی تحریک تھی جس کے نتیجے میں امیر المومنین سیدنا عثمان رضوان اللہ وسلامہ علیہ کی شہادت کبریٰ کا سانحہ گزرا، اور جمل وصفین اور نہروان کی جنگ میں ہزاروں صلحا شہید ہوئے اور کلمہ گو کام آئے۔ ایسی ایسی ہستیاں سبائی مکائد کا شکار ہوئیں کہ قیامت تک اہل ایمان تلملاتے رہیں گے۔

اس تحریک کا خفیہ مرکز عراق تھا، جہاں کے ایک والی سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ تھے اور دوسرے تھے حضرت امیر زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم۔ یہ اور دوسرے ارباب فکر وتدبر بلکہ تمام بہی خواہان امت دیکھ رہے تھے کہ افتراق وانتشار کے بعد یک جہتی کی فضا قائم ہوئی اور کاروان ملت رواں دواں ہے، وہ صورت برقرار رہ نہیں سکتی جب تک سبائیہ کو بے دست وپا نہ کر دیا جائے۔

وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ سبائیوں نے آل علی رضی اللہ عنہ کے نام کا سہارا تو لے لیا

ہے مگر اپنی من مانی کے لیے۔ ان کے سامنے کا یہ واقعہ بھی تھا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کس طرح سبائیہ کے مفسد گروہ سے متنفر تھے اور اس تحریک کا مہلک مآل اپنے نور فراست سے معلوم کر کے جان لیا تھا کہ اگر ان لوگوں کو کسی درجے میں بالا دستی حاصل ہو گئی تو ملت کے یہ اندرونی دشمن حسب سابق فتنے پر فتنے کھڑے کریں گے۔ اس لیے انہوں نے خلافت سے دست بردار ہو کر زمام کار سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی تھی کیونکہ انہیں اطمینان تھا کہ اس تحریک کو ناکام بنانے اور دعوۃ محمدیہ کو پوری قوت سے فروغ دینے کی صلاحیت اسی امام ہدیٰ میں تھی اور حقیقتاً وہی تھے جو اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی چیرہ دستیوں سے امت کو محفوظ رکھ سکتے تھے۔

اس لیے سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ جو اجماعی نظام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی امامت میں کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے اسی طرح آئندہ بھی اسے چلتے رہنے کا انتظام کرنا لازم ہے۔

دوسری بات یہ تھی کہ اب وقت آ گیا تھا کہ امت کی کشت سیاست میں جوان خون سے آبیاری کی جائے اور ایسا شخص امت کی قیادت کرے جو اپنی موزونیت وصلاحیت عملاً ثابت کر چکا ہو اور امت اس کی طرف جھکی ہوئی ہو۔

ایسی شخصیت اس وقت امیر یزید رحمہ اللہ ہی کی تھی جو جہاد روم کے سلسلے میں اپنی قائدانہ برتری پوری طرح ثابت کر چکے تھے اور اس شان سے کہ امت انہیں فتی العرب کہنے لگی تھی یعنی عرب کا سورما۔

بہرحال امیر یزید کو ولی عہد المسلمین بنانے کی تجویز جب امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اگر دیار وامصار کے نمائندے یہ تحریک اٹھائیں تو اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ایسا نمائندہ

وفد کوفے سے میں بھیج دوں گا اور بصرے سے زیاد۔ باقی علاقوں کے نمائندوں کے لیے وہاں کے والیوں کوفرامین آپ بھیج دیں۔

سیدنا امیر المومنین کا یہ تدبر تھا اور ملت کی خیر خواہی کا اصیل جذبہ کہ آپ نے عالم اسلام کی رائے معلوم کرنے کی شرط رکھی، ورنہ اس وقت تک کے دستور کے مطابق آپ جسے چاہتے خلافت کے لیے نامزد کر سکتے تھے، کیونکہ آپ متفق علیہ امام تھے اور تمام عالم اسلام آپ کا مطیع و منقاد تھا۔

رہا بیٹے کو نامزد کرنے کا مسئلہ تو اس کی مثال آپ کے سامنے تھی کہ سیدنا امیر المومنین علی رضوان اللہ وسلامہ علیہ کے بعد ان کے فرزند سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو خلافت ملی سبائی افترا پردازوں کے نزدیک، ان کا تقرر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا تھا، اور بظاہر سیدنا امیر المومنین نے انہیں حکماً خلافت کے لیے نامزد کیا تھا، مگر سیاسی حقائق اس کے خلاف ہیں۔ ویسے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی حیثیت تھی مثل ولی عہد کے اور یہ طبعی بات تھی کہ قلوب خود بخود ان کی طرف جھکیں اور ان کی حیثیت امتیازی ہو۔

یہ بات اس واقعے سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ وہ جب سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصرے تشریف لے گئے، تاکہ رائے عامہ اپنے والد ماجد کے حق میں استوار کریں تو منبر کے اعلیٰ درجے پر انہیں بٹھایا گیا اور سیدنا عمار رضی اللہ عنہ ان کے نیچے کھڑے ہوئے۔ ① حالانکہ عمر کے علاوہ سیدنا عمار حسب نص قرآنی ② ان سے بدر جہا افضل تھے، کیونکہ وہ سابقون میں ہیں اور ان کی برابر وہ بھی نہیں جو ہجرت کے بعد ایمان لائے، چہ جائیکہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جن کا شمار صغار صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے۔

① صحیح بخاری ج ۴ ص ۲۲۸، طبع مصر۔
② الحدید: ۱۱۔

اس طرح معلوم ہوا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی حیثیت سیاسی تھی، اور یوں وہ سیدنا امیر المومنین کے فرزند اکبر ہونے کی بنا پر اوپر بیٹھے۔ اسی لیے سیدنا امیر المومنین زخمی ہونے کے بعد نماز کی امامت بھی وہی کرتے تھے۔

ان تمام باتوں کے باوجود سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو نظیر نہیں بنایا، کیونکہ وہ محض اپنے پدر بزرگوار کے جانشین ہی نہ تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے بھی تھے۔

اسی لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ شرط رکھی کہ اگر امت کے نمائندے یہ اسی بات کو آگے لے کر چلیں تو اس پر غور کیا جائے گا۔ یوں دمشق میں متبع سنت جماعۃ المسلمین کے نمائندے ہر ولایت سے بلائے گئے اور ان کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی اور کثرت رائے سے منظور ہوئی۔ فرقہ بازوں کو اس اجتماع سے دور رکھا گیا۔ اول تو اس لیے کہ ملت اسلامیہ میں انہیں فتنہ پرور اور مفسد سمجھا جاتا تھا اور دوسرے اس لیے کہ کسی مسلم بستی میں انہیں نمائندہ حیثیت حاصل نہ تھی بلکہ مجموعی طور پر بھی عالم اسلام میں ان کی عددی حیثیت نہ ہونے کے برابر تھی۔ بلکہ آج تک بھی سبائیہ کے تمام فرقے مل کر بھی اتنی عددی قوت نہیں رکھتے کہ جماعت کا مقابلہ کر سکیں۔

دمشق کا اجلاس

مسعودی کا بیان ہے:①

''وفی سنة تسع وخمسین وفد علی معاویة وفد من الامصار من العراق وغیرھا فکان مِمَّن وفد من اھل العراق الاحنف بن قیس فی اخرین من وجوہ الناس''

اور ۵۹ھ میں معاویہ کے پاس شہروں کے وفود عراق وغیرہ سب علاقوں کے آئے، جولوگ اس وفد میں عراق سے آئے تھے، ان میں من جملہ اورنمایاں شخصیتوں کے (سیدنا) احنف بن قیس بھی تھے۔

مسعودی نے غالباً بالقصد یہ سال غلط بتایا ہے۔ جب عراق کے دونوں وفد سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زیاد نے بھیجے تھے جن کی وفات ۴۹۔۵۰ھ کی ہے، تو یقیناً اس اجلاس کا انعقاد ۴۹ کے اوائل میں ماننا ہوگا۔طبری نے اس کا انعقاد ۵۶ھ میں بتایا ہے۔ بات وہی بالقصد کی یہاں بھی نظر آتی ہے۔

اس اجلاس میں جب یہ تحریک رکھی گئی تو موافق ومخالف تقریریں آزادانہ ہوئیں۔ اس کے ثبوت موجود ہیں کہ فضا بالکل آزاد تھی۔ موافقت میں جو حضرات بولے ان میں اہم شخصیت حضرت ضحاک بن قیس کی تھی اور تجویز کے خلاف بولنے والوں میں مسند ابی یعلی کے مطابق حضرت عمرو بن حزم بن زید انصاری کا مبارک

① مروج الذھب، ج ۲، ص ۴۷، ۴۶.

ومحترم نام ہے۔ رضی اللہ عنہما

یہاں ہم حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ کی طرف منسوب دو تقریریں نقل کرتے ہیں۔ مسعودی نے ان کی تقریر یوں نقل کی ہے:

''ان الناس امسوا فی منکر زمان قد سلف ومعروف زمان یؤتنف ویزید حبیب قریب۔ فان تولّہ عھدک فمن غید کبد مفننٍ او مرضٍ مضنن وقد حلبت الدھور وجریث الامور۔ فاعرف من تسند الیہ عھدک ومن تولّیہ الامر بعدک۔ واعص رأی من یأمرک ولا یقدر لک ویشیر علیک ولا ینظر لک''

''لوگ پچھلے برے دور سے گزر گئے اور اچھے دور کی امید لگائے ہوئے ہیں۔ یزید محبوب ہیں اور قریبی۔ آپ جو انہیں ولی عہد بنا رہے ہیں تو بغیر اس بڑھاپے کے جو قویٰ کو مضمحل کر دیتا ہے اور بغیر اس مرض کے جو گھلا دیتا ہے آپ نے وقت سے پورا فائدہ اٹھایا ہے اور احوال کو خوب پرکھا ہے۔ لہٰذا دیکھ بھال کر اپنا عہد سپرد کیجیے اور ولی عہد مقرر فرمایئے۔ ان لوگوں کی رائے مت سنیے جو رائے تو دیتے ہیں مگر بعد میں آپ کے کام نہیں آئیں گے اور مشورہ دیتے ہیں لیکن آپ کے خیر خواہ نہیں''۔

خضری نے اپنے مآخذ کے مطابق ان کی تقریر یوں نقل کی ہے کہ جب لوگوں نے کافی بحث کر لی تو سیدنا معاویہ نے حضرت احنف سے فرمایا:

''**ماتقول یا ابا بحر**'' ''اے ابو بحر! آپ کیا کہتے ہیں''۔ تو انہوں نے عرض کیا۔ ①

① محاضرات تاریخ الاسلامیہ ج ۲ ص ۱۱۸ طبع مصر۔

''نخافکم ان صدقنا و نخاف اللہ ان کذبنا و انت یا امیر المومنین اعلم بیزید فی لیلہ و نہارہ و سرّہ و علانیتہ و مدخلہ و مخرجہ۔ فان کنت تعلمہ لِلّٰہِ و للاُمَّۃِ رضاً فلا تشاور فیہ و ان کنت تعلم فیہ غیر ذلک فلا تزوّدہ الدنیا و انت سائر الی الآخرۃ و انما علینا ان نقول سمعنا و اطعنا''۔

''سچ بولیں تو آپ سے ڈر لگتا ہے اور جھوٹ کہیں تو اللہ کا خوف آتا ہے۔ امیر المومنین آپ یزید کے شب و روز خوب جانتے ہیں ان کا باطن و ظاہر اور ان کا آنا جانا بھی۔ اگر آپ اللہ اور امت کے لیے انہیں پسندیدہ سمجھتے ہیں تو کسی سے مشورہ مت کیجیے اور اگر آپ اس کے خلاف جانتے ہوں تو ایسی صورت میں دنیا ان کے سپرد مت کیجیے کہ آپ کو آخرت کی طرف جانا ہے، رہے ہم تو ہم تو بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی''۔

یہ حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ بصرے کے اکابر و اعاظم میں سے ہیں۔ عہد فاروقی سے اہم سیاسی اور عسکری خدمات انجام دیتے چلے آ رہے تھے۔ خانہ جنگی میں قطعاً حصہ نہیں لیا اور فرقہ بازوں سے سخت متنفر تھے۔ ان جیسے بطل جلیل کی طرف منسوب یہ دونوں تقریریں صحیح ہوں یا غلط، جو بات قطعی طور پر سامنے آتی ہے وہ یہی ہے کہ اس عام اجلاس میں موافق اور مخالف تقریریں ہوئیں اور کثرت رائے سے یہ تجویز منظور کر لی گئی۔

لیکن حضرت امیر المومنین نے فرمایا کہ جب تک اہل مدینہ اس کی تائید نہیں کریں گے۔ اس وقت تک یہ تجویز معطل رہے گی۔

جہاں تک اہل مدینہ کی رائے کا سوال تھا تو ان کی نمائندگی اس اجلاس میں شخصی حیثیت سے خود حضرت امیر المومنین اور ان کے علاوہ آپ کے مدنی کارکن اور اعزہ واقربا واحباب کی نمائندہ حیثیت تسلیم کی جاسکتی تھی۔ ایسے بڑے بڑے مدنی اصحاب وہاں موجود تھے کہ کسی مدنی کو ان کی نمائندہ حیثیت تسلیم کرنے میں قطعاً باک نہ ہوتا۔ مثلاً

(۱) سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ (م ۴۹) جو دمشق میں عہدۂ قضا پر فائز رہے۔ رومیوں کے خلاف جہادوں میں حصہ لیا اور جہاد قسطنطنیہ میں امیر یزید کے زیر کمان مدنی دستے کے سالار تھے اور ان کے احوال کے عینی شاہد۔ حضرت فضالہ نے جب وفات پائی تو حضرت امیر المومنین نے ان کا جنازہ خود اٹھایا اور فرمایا: ''ان کی زیارت کرلو پھر ایسی صورتیں نظر نہیں آئیں گی''۔

(۲) سیدنا ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ۔ صغار صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہیں اور حضرت فضالہ کے بعد دمشق کے قاضی مقرر ہوئے۔ امیر المومنین یزید نے بھی انہیں اسی منصب پر فائز رکھا۔ جہادوں میں ان کے کارنامے عظیم ہیں۔ امیر المومنین کی وفات کے بعد، حضرت مروان کے مقابلے میں انہوں نے سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کا ساتھ دیا تھا اور انہی کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے مگر جہاں تک خود امیر المومنین یزید کا تعلق تھا تو وہ ان کے پر جوش حامی رہے۔

(۳) سیدنا سفیان بن عوف اسلمی غامدی رضی اللہ عنہ بڑے بہادر اور سخی تھے۔ اور امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بڑے کارگزار کماندار تھے۔ (متوفی ۵۳ھ)

(۴) سیدنا صفوان بن معطل سہمی رضی اللہ عنہ فضلاء صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہیں اور رومیوں کے خلاف جہادوں میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

(۵) سیدنا شداد بن اوس انصاری رضی اللہ عنہ۔ یہ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھتیجے تھے۔ ابو یعلی کنیت تھی۔ شام میں مقیم تھے۔ فلسطین کے قرب وجوار میں (متوفی ۵۸) سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ ابویعلی شداد بن اوس کو اللہ نے علم اور حلم دونوں صفتوں سے نوازا ہے۔ اہل شام ان سے روایت کرتے ہیں۔

(۶) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما۔ آپ حجاز سے شام منتقل ہو گئے تھے۔ صفین میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور امیر المومنین یزید کی وفات کے بعد پھر حجاز منتقل ہو گئے۔ اکابر واعاظم فقہاء میں ہیں۔

(۷) سیدنا عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما۔ ماں باپ دونوں طرف سے ہاشمی ہیں۔ شام جا بسے تھے اور وفات کے بعد امیر المومنین یزید کو اپنا وصی بنایا تھا اور انہوں نے یہ ذمہ داری قبول کر لی تھی۔

(۸) سیدنا عبداللہ بن زمعہ قرشی اسدی رضی اللہ عنہ۔ یہ امیر المومنین یزید کی ولایت عہد کے مؤید تھے اور ان کے خاص احباب میں شامل تھے۔ کبار قریش میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

(۹) حضرت معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب۔ آپ تابعی ہیں اور اپنے والد ماجد کے وصی۔ امیر المومنین یزید کے خاص احباب میں تھے اور اسی محبت کی بنا پر اپنے فرزند کا نام یزید رکھا تھا۔ زرکلی رحمہ اللہ نے الاعلام میں لکھا ہے:

''نشأ معاوية الهاشمي صديقاً ليزيد بن معاوية الاموی ''

''معاویہ ہاشمی، اور یزید بن معاویہ اموی باہمی دوستی میں پروان چڑھے''۔

لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان بزرگواروں کو اہل مدینہ کا نمائندہ تسلیم کر کے کوئی فیصلہ نافذ نہیں کیا بلکہ ضروری جانا کہ عام اجتماع میں اہل مدینہ کا رجحان معلوم کیا جائے۔

پہلا مدنی اجتماع

دمشق کے اجلاس میں دیار وامصار کے نمائندوں کا فیصلہ متعین ومقبول ہونے کے بعد حضرت امیر المومنین نے امیر مدینہ سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما کو فرمان بھیجا کہ اہل مدینہ کے سامنے یہ مسئلہ رکھیں اور وہاں کی فضا کا اندازہ لگائیں۔

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ نے عام اجلاس میں جب یہ بات سنائی تو کسی طرف سے کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ صرف سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے کوئی چبھتی ہوئی بات اعتراضاً کہی تھی اور بات آگے نہیں بڑھی۔

ظاہر ہے کہ حضرت مروان نے اس کے بعد حضرت امیر المومنین کو مطلع کر دیا ہوگا کہ فضا ہموار ہے اور صرف ایک اعتراض ہوا ہے۔ اس اجلاس کی کیفیت صحیح بخاری میں اس طرح مذکور ہے۔ ①

''عن یوسف بن ماھک قال کان مروان علی الحجاز استعملہ معاویۃ فخطب فجعل یذکر یزید بن معاویۃ لکی یبایع لہ بعد ابیہ۔ فقال لہ عبد الرحمٰن بن ابی بکر شیئاً۔ قال خذوہ۔ فدخل بیت عائشۃ فلم یقدروا۔ فقال مروان اِنَّ ھذا الذی انزل اللہ فیہ "والذی قال لوالدیہ افٍّ لکما اتعداننی"۔ فقال عائشۃ من وراء الحجاب ما انزل اللہ فینا شیئاً من القرأن اِلاَّ ان اللہ انزل عذری ''۔

① ج ۲ ص ۸۸۸ تفسیر سورۃ الاحقاف طبع مصر ۔

''یوسف بن ماہک سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حجاز کے والی مروان تھے۔ انہیں معاویہ نے مقرر کیا تھا۔ انہوں نے تقریر کی اور یزید بن معاویہ کا ذکر کیا کہ ان کے والد کے بعد ان سے بیعت کی جائے۔ اس پر عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے کچھ کہا تو انہوں نے (یعنی حضرت مروان رضی اللہ عنہ نے) کہا: ''پکڑو انہیں''۔ مگر وہ (ام المومنین) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں چلے گئے اور لوگ ان پر قابو نہ پا سکے، تو مروان نے کہا: ''یہ ان لوگوں میں ہیں جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے ''وہ جس نے اپنے ماں باپ سے کہا افسوس ہے تم پر، تم مجھے دھمکی دیتے ہو''۔ اس پر سیدہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے پردے کے پیچھے سے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں قرآن میں کچھ نازل نہیں کیا سوائے اس کے کہ اللہ نے میری صفائی نازل کی ہے''۔

یہ تھی ساری بات بروایت بخاری۔ اس میں یہ نہیں بتایا کہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے بات کیا کہی تھی۔ غالباً کچھ چوٹ کی ہو گی اور حضرت مروان نے حضرت امیر المومنین کی جناب میں سوء ادب جان کر انہیں تہدید کی ہو گی۔ اس سے زیادہ بات آگے نہیں بڑھی اور کسی طرح ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ حکومت کی طرف سے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی قدم اٹھایا گیا۔ واضح ہوا کہ سیدہ ام المومنین اصل مسئلہ کی مؤید تھیں۔

لیکن نچلے طبقے کی کتابوں میں بدباطن راویوں نے ایسی ایسی رکیک اور سوقیانہ باتیں ان بزرگوں کی طرف منسوب کر دیں جو عیاناً سبائی مفتریات میں ہیں۔

رہا حضرت مروان رحمہ اللہ کا سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ پر طعن، تو اگرچہ آیت مبارکہ میں وہ کلمات سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے مخصوص نہیں لیکن انہیں بے اصل بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ ان حضرات میں سے تھے جن کے گھروں میں اسلام پوری طرح جلوہ گر ہو چکا تھا، مگر وہ بہت بعد تک اس سے محترز رہے۔ ان کا اسلام اتنا مؤخر تھا کہ غزوہ بدر میں وہ کافروں کی طرف سے شریک ہوئے تھے۔ حضرت مروان کے جواب میں سیدہ ام المومنین صلوات اللہ علیہا نے جو فرمایا اس کا مقصد محض اتنا تھا کہ خاص دودمان عالیشان کی مذمت میں کوئی آیت نہیں اتری بلکہ مناقب کی آیات ہیں۔

بہرحال یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ مدینہ طیبہ میں عام فضا امیر یزید کی ولایت عہد کے بارے میں ہموار تھی اور کوئی عملی ردعمل ظاہر نہیں ہوا۔ شاید دمشق کے اجلاس کا حال انہیں پہنچ گیا ہوگا۔

دوسرا مدنی اجلاس

یاد رکھنا چاہیے کہ مدینہ دارالخلافہ نہیں رہا تھا اور نہ وہاں کے باشندے ارباب حل وعقد تھے جب سے کوفہ دارالخلافہ بنا، اہل مدینہ سے کسی بارے میں استصواب رائے نہیں کیا جاتا تھا تو دارالخلافہ دمشق منتقل ہونے کے بعد صورت حال کیوں بدلتی؟

لیکن چونکہ اکابر واعاظم صحابہ رضی اللہ عنہم وہاں مقیم تھے اور صنادید قریش وانصار کا وہ وطن تھا اس لیے حضرت امیر المومنین نے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی ایک آواز کو بھی بہت سمجھا اور فرمایا کہ جب تک یہ حضرات راضی نہیں ہوں گے ولایت عہد کی تجویز پر عمل نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ وہاں خلفاء پیشین کی اولاد موجود تھی اور ان میں سے بعض کے بارے میں یہ تصور کیا جا سکتا تھا کہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی طرح شاید وہ بھی معترض ہوں۔

چنانچہ ۵۰ھ میں حج کے بعد آپ نے مسجد نبوی میں عام اجلاس طلب فرمایا کہ امت کے نمائندوں کی عمومی تجویز سے انہیں مطلع کریں اور رائے عامہ کے خلاف کوئی متوازی منصوبہ بنانے کے برے نتائج پر متنبہ فرمائیں۔

اس اجلاس میں کبار وصغار صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ دوسرے اصحاب الرائے بھی شریک ہوئے، جب ان حضرات کی عمومی تائید حاصل ہوگئی اور سب نے بلا استثنا ولایت عہد کی بیعت کرلی تب عالم اسلام میں اس بیعت کی تکمیل کا فرمان نافذ ہوا۔

یعنی عام بیعت، مدنی اجلاس کے فیصلے کے بعد لی گئی۔ اور جب تک اس اجلاس کا آخری فیصلہ سامنے نہیں آیا، اس وقت تک تجویز معطل رہی۔

کیا اس کے علاوہ بھی اس انداز میں اجماعی فیصلہ حاصل کرنے کی کوئی دوسری صورت ممکن تھی؟ اور کیا ایسا استصواب رائے اس پیمانے پر اس سے پہلے کسی کے لیے ہوا تھا؟

یہیں سے ثابت ہوا کہ ہم عصر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، امیر یزید کو ہر طرح اس کا اہل سمجھتے تھے کہ امت کی قیادت ان کے ہاتھ میں دے دی جائے، کیونکہ عیاناً وہ اپنی صلاحیت اور موزونیت جہاد روم کے سلسلے میں سب کے نزدیک ثابت کر چکے تھے۔

اس سلسلے میں سینکڑوں روایتیں کوفہ و بغداد میں عہد بعہد وضع ہوتی رہیں اور لوگوں کے لیے وجہ انتشار بنیں۔ سبائیت زدہ لوگ انہی روایتوں سے متاثر ہو کر بہک گئے اور اہل ایمان کے قلوب میں سلف صالحین کی طرف سے بدگمانیاں پیدا ہو گئیں حتی کہ ان میں بعض بر خود غلط قسم کے لوگ ہم عصر امت کے مواقف ثابتہ دیکھ کر ان روایتوں کی ظلمتوں میں اس طرح بہک گئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دین سکھانے لگے اور انہیں جرات ہوئی کہ اجتہاد اور حیلہ جوئی کا فرق بتائیں۔

بہر حال ان تمام وضعی اور قطعی اختراعی روایتوں کا پشتارہ ہیچ محض ثابت ہوتا ہے جب ہم صحیح بخاری سے صورت حال معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ وہاں صاف وضاحت ہے کہ ولایت عہد کا مسئلہ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے طے ہوا تھا۔ کسی نے اختلاف کیا ہو تو کیا ہو، مگر اس کا ثبوت قطعاً نہیں ملتا۔ سب نے یہ بیعت کر لی، اور کیوں نہ کرتے جب اکابر و اعاظم صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ حضرات امہات المومنین رضی اللہ عنہن بھی اس تجویز کی مؤید تھیں اور بنو ہاشم خوش دلی سے اس تجویز پر راضی تھے۔

صرف ایک استثنا اس اجتماع سے پہلے کا مذکور ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے دل میں خیال آیا تھا کہ ولایت عہد کے لیے ان کی شخصیت موزوں ترتھی۔ چنانچہ آپ اس اجلاس میں شرکت سے پہلے ام المومنین سیدہ حفصہ صلوات اللہ علیہا خدمت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی۔ مگر انہوں نے نور فراست، بصیرت تامہ اور قوت تصرف سے یہ خیال آپ کے دل سے نکال دیا اور حکم دیا کہ اجلاس میں شریک ہوں اور افتراق پیدا کرنے سے گریز کریں۔ ①

''عن ابن عمر قال دخلت علی حفصۃ و نوساتھا تنطف فقلت قد کخان من امر الناس ما ثرین۔ فلم یجعل لی من الامد شیئ۔ فقالت الحق فانھم ینتظرونک واخشی ان تکون فی احتباسک عنھم فرقۃ فلم یدعہ حتی ذھب الخ ''

''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں: ''میں (ام المومنین سیدہ) حفصہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کی زلفوں سے اس وقت پانی ٹپک رہا تھا (غالباً سر دھویا تھا اور موقع کی نزاکت کے سبب جلد باہر آگئیں) میں نے کہا: ''آپ لوگوں کا حال دیکھ رہی ہیں، میرا اس معاملے میں کچھ خیال نہیں کیا گیا''۔ تو آپ نے فرمایا: ''جاؤ اور اجلاس میں شریک ہو، مجھے خدشہ ہے کہ کہیں تمہارے بیٹھ رہنے سے اختلاف نہ پیدا ہو جائے''۔ اور اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک وہ چلے نہ گئے۔ الخ

یہ کیسی قطعی اور حتمی دلیل ہے کہ ولایت عہد کا مسئلہ ان تمام حضرات کے اجماع

---

① صحیح بخاری، باب غزوۃ خندق ص ۳۳۳۔

سے طے ہوا تھا جو اس اجلاس میں موجود تھے اور کسی طرف سے اختلاف کی کوئی صورت سامنے نہیں آئی۔

یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے سخت ترین احوال میں دین قبول کیا، آنحضرت ﷺ سے بلا واسطہ دین سیکھا اور اس دین کے فروغ کے لیے جان و مال کی کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ ان سے زیادہ نہ کسی کو قواعد و ضوابط کا علم ہوسکتا ہے اور نہ ان سے زیادہ اس دین سے کسی کو محبت ہوسکتی ہے اور نہ ان کے عصر کے احوال کا کسی کو ان سے زیادہ علم ہوسکتا ہے اور نہ مصلحت علیہ دیکھنے کے لیے انہیں کسی سے سبق پڑھنے کی ضرورت ہے۔

ملت اسلامیہ کے اندرونی دشمن یا سبائیت زدہ لوگ انہیں دین فروش کہیں یا جبر کے سامنے جھک جانے والا بتائیں یا انہیں تن آسانی کا طعن دیں یا کسی دھوکہ باز کے پھندے میں پھنس جانے والا بتائیں، انہیں اختیار ہے، اور ان پر کل جو گزرے گی گزرے گی۔

لیکن جو لوگ کتاب وسنت اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کو دلیل راہ جانتے ہیں ہم عصر حضرات کے مواقف ان پر ہویدا ہیں ان کے لیے ممکن نہیں کہ صورت حال سمجھ لینے کے بعد وہ امیر المومنین یزید علیہ الرحمۃ والرضوان کی خلافت کی حقانیت، حجیت اور عظمت وشرف کا انکار کرسکیں۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ①

"جو شخص رسول کی مخالفت اس کے بعد بھی کرے کہ اس پر سیدھی راہ کھل

① النساء: 105.

چکی ہو اور اہل ایمان کی راہ کے خلاف چلے تو ہم بھی اس کا رخ اسی طرف کر دیں گے جدھر وہ مڑا اور اسے جہنم میں جھونک دیں گے جو جانے کا برا ٹھکانہ ہے"۔

یہ نص صریح ہے کہ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کی حجیت کا منکر تعلیمات نبویہ کا منکر قرار پاتا ہے اور اس کا جو حشر ہو گا وہ اللہ نے بتا دیا۔

اس مدنی اجتماع میں جو حضرات موجود تھے، ان کی مختصر فہرست پر ایک سرسری نظر ڈال لی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ولایت عہد کا مسئلہ جن بزرگواروں نے طے کیا وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے نزدیک کس مرتبے کے تھے کیونکہ یہ ناممکن تھا کہ امت کا متفق علیہ امام کسی اہم مسئلے کے بارے میں استصواب رائے کے لیے مرکز اسلام میں شرکت کی دعوت دے اور وہ اس کی پذیرائی نہ کریں۔

(۱) دار ارقم:

خود سیدنا ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ جن کے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند اصحاب کے ساتھ جمع ہوا کرتے تھے اور جن کے چالیسویں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں جن کی قیادت میں اہل ایمان نے کعبۃ اللہ میں علانیہ جماعت سے نماز پڑھی۔

سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۳ھ میں ہوئی۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ آپ کی نماز جنازہ سیدنا سعد بن ابی وقاص پڑھائیں۔ رضوان اللہ وسلامہ علیہا

(۲) اصحاب بیعۃ عقبہ:

یہ وہ بیعت تھی جو ہجرت سے بھی پہلے لی گئی تھی۔ اور یہ گنتی کے چند حضرات جانتے تھے کہ اس بیعت کا مطلب تھا تمام مخالف دنیا سے جنگ۔ ان سے زیادہ اس

دین سے محبت کیسے ہوسکتی ہے؟

(۱) سیدنا ابو بردہ ہانی بن نیار بلوی حارثی (متوفی ۴۵) (۲) سیدنا ابولبابہ بشیر انصاری (متوفی ۵۰ کے بعد) (۳) سیدنا زید بن سہل ابو طلحہ انصاری (متوفی ۵۴) (۴) سیدنا کعب بن عمرو یسیر انصاری سلمی (متوفی ۵۵) (۵) سیدنا عبداللہ بن انیس جہنی ابو یحییٰ مدنی (متوفی ۵۴) (۶) سیدنا کعب بن مالک سلمی (متوفی ۵۳)۔ انہوں نے شہید اکبر واعظم سیدنا عثمان رضوان اللہ وسلامہ علیہ کا بڑا دلدوز مرثیہ کہا ہے۔ وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین

(۳) اصحاب بدر:

(۱) سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں، فاتح ایران، بانی کوفہ، عشرہ مبشرہ میں ہیں اور ان چھ بزرگواروں میں جنہیں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لیے نامزد کیا تھا، مگر انہوں نے کمال بے نیازی سے اپنا نام واپس لے لیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد سبائیوں نے چاہا کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ خلافت قبول کرلیں مگر آپ نے سختی سے انکار کردیا۔ طبری کا بیان ہے کہ آپ سے قطعاً مایوس ہو جانے کے بعد ان لوگوں نے سیدنا علی سے التجا کی اور نمائشی دلسوزی سے سمجھایا کہ اگر آپ نے بیعت قبول نہ کی تو امت فتنوں میں مبتلا ہو جائے گی (گویا فتنہ اس مردود گروہ نے نہیں اٹھایا تھا) دوسرے بزرگواروں کی طرح سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سمجھایا کہ باغیوں کی بیعت قبول نہ کریں۔ لیکن افسوس کہ باغی انہیں ہموار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور یوں امت میں افتراق وانتشار کا وہ سلسلہ شروع ہو گیا جو اب تک جاری ہے اور کوئی سبیل یک جہتی کی نظر نہیں آتی۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے بھی دوسرے اکابر واعاظم کی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بیعت نہیں کی اور جمل وصفین میں قطعاً غیر جانبدار رہے، تا آنکہ صفین میں جنگ بند ہوگئی اور ثالثی نالے پر فریقین راضی ہوگئے۔ ان ثالثوں کا فیصلہ سننے کے لیے جب فریقین کے چار چار سونمائندے اذروح میں جمع ہوئے تو غیر جانبدار سواداعظم کے چار سو نمائندوں کی قیادت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ رضوان اللہ وسلامنا علیہم اجمعین

آپ کی وفات کی تاریخیں ۵۱ھ سے ۵۸ تک کی بیان کی گئی ہیں مگر صحیح بات یہ ہے کہ ۵۵ میں آپ نے وفات پائی۔ الاستیعاب اور المعارف دونوں کتابوں میں اسی قول کو ترجیح دی گئی ہے۔ الاصابہ سے بھی اسی کی توثیق ہوتی ہے۔ اس میں سیدنا ارقم بن ابی الارقم (متوفی ۵۳) کی وصیت بتائی گئی ہے کہ ان کی نماز جنازہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ پڑھائیں۔

ایک صاحب جو خیر سے سید بھی ہیں، انہوں نے بڑی کوشش سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ چونکہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ آخر عمر تک اپنے قصر عقیق میں مقیم رہے، اس لیے وہ مدنی اجتماع میں موجود نہ تھے۔ گویا ان صاحب کے نزدیک عقیق اور مدینہ طیبہ میں ایسا ہی فاصلہ تھا جیسا کوفہ ودمشق میں۔ حالانکہ فاصلہ صرف چند میل کا تھا۔

کیسے ممکن ہوسکتا تھا کہ امت کا متفق علیہ امام ایک ایسا مسئلہ حل کرنے کے لیے اجلاس طلب کرے جس کا تعلق امت کے مستقبل سے ہو اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اس اجلاس میں شرکت سے گریز فرمائیں۔

(۲) سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ (م ۵۱) یہ بھی عشرہ مبشرہ میں ہیں اور غیر جانبدار سواد اعظم سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۳) سیدنا ابواسید مالک بن ربیعہ ساعدی رضی اللہ عنہ (متوفی ۶۰) صاحب کرامات بزرگ تھے۔

(۴) سیدنا ابونملہ بن معاذ بن زرارہ انصاری (متوفی ۶۳)

(۵) سیدنا حارثہ بن النعمان بن نفیع انصاری (متوفی ۵۳)

(۶) سیدنا عتبان بن مالک بن عمرو انصاری (متوفی ۵۱)

(۷) سیدنا عمرو بن عوف (متوفی آخر عہد معاویہ)

(۸) سیدنا نعیمان بن عمرو بن رفاعہ (متوفی ۵۲)

(۹) سیدنا ابو یسر (متوفی ۵۵) یہی ہیں جنہوں نے بدر میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو گرفتار کیا تھا۔ وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین

(۴) اصحاب بیعۃ الرضوان:

(۱) سیدنا ابوثعلبہ بن جرہم (متوفی ۷۵)

(۲) سیدنا ابوزمعہ بلوی (متوفی بعہد امیر المومنین یزید)

(۳) سیدنا ثابت بن ضحاک خزرجی (متوفی ۶۴)

(۴) سیدنا عبداللہ بن ابی حدرد السلمی (متوفی ۷۹)

(۵) سیدنا ابوحمید ساعدی (متوفی آخر عہد معاویہ واول عہد یزید) بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم اور کبار تابعین ان سے روایت کرتے ہیں۔ احد اور بعد کے تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

(۶) سیدنا عبداللہ بن عمر، فاروق بن فاروق اور اپنے عصر میں شیخ الصحابہ (متوفی ۷۴) رضی اللہ عنہم یہی ہیں جنہوں نے مدنی اجلاس کے وقت سیدہ ام المومنین

حفصہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی تھی کہ خلافت کے بارے میں ان کا خیال نہیں رکھا گیا۔ تو سیدہ ام المومنین نے یہ خیال ان کے دل سے نکال دیا، اور حکم دیا کہ افتراق سے دور رہیں اور اجلاس میں شریک ہوں۔ امیر المومنین یزید کے خلاف جب سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے داعیوں نے مدینے میں بغاوت کرائی تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے اللہ اور اس کے رسول سے ایسی بڑی غداری قرار دیا تھا کہ ان کی نگاہ میں اس سے بڑا کوئی غدر نہ تھا۔

(۷) سیدنا عبداللہ بن یزید بن حصین انصاری (متوفی بعد وفات امیر المومنین یزید) سانحہ کربلا سے پہلے یہ کوفہ منتقل ہو چکے تھے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کو انہوں نے بے جواز جانا۔

(۸) سیدنا ابو سعید خدری (متوفی ۷۴ھ) امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بیعت نہیں کی تھی اور غیر جانبدار جماعت میں تھے مگر خوارج کی سرکوبی کے لیے حضرت امیر المومنین کا ساتھ دیا۔ اہل مدینہ کی بغاوت میں باغیوں سے بے تعلق رہے اور متفق علیہ امام کے خلاف اسے بغاوت قرار دیا۔

(۹) سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما اصحاب بدر میں ہونے کے علاوہ وہ بیعۃ عقبہ ثانیہ کے شرکا میں بھی ہیں۔ غیر جانبدار سواد اعظم میں رہے اہل مدینہ کی بغاوت میں شرکت سے گریز کیا۔ (متوفی بعہد امیر المومنین عبدالملک)

(۱۰) سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہما (متوفی ۷۳ھ) فقہا اصحاب میں ہیں۔ بٹائی کے خلاف حدیث کے راوی ہیں۔ اور انہی کی دلیل سے متاثر ہو کر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بٹائی پر زمین دینی چھوڑ دی تھی۔

(۱۱) سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ (متوفی ۵۸۔۵۹)
(۱۲) سیدنا ابوقتادہ انصاری (متوفی ۵۴) مجاہد کبیر اور شہسوار رسول کہلاتے تھے۔
رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(۵) مشاہیر صحابہ رضی اللہ عنہم:

(۱) سیدنا حسان بن ثابت (متوفی ۵۴) شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔فتنوں کے زمانے میں غیر جانبدار سواد اعظم میں رہے۔ سبائیہ سے انہیں سخت نفرت تھی اسی لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بیعت نہیں کی۔
(۲) سیدنا عبدالرحمٰن بن حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ (متوفی ۶۸)
(۳) سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ (متوفی ۵۴) یہ سیدہ ام المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے۔قریش نے جب بنو ہاشم کا مقاطعہ کیا تو آپ برابر کھانے پینے کا سامان شعب بنی ہاشم میں بھیجا کرتے تھے۔حالانکہ اسلام فتح مکہ کے بعد لائے۔
(۴) سیدنا خالد بن حکیم،
(۵) سیدنا ہشام بن حکیم،
(۶) سیدنا عبداللہ بن حکیم۔

یہ تینوں حضرات حکیم بن حزام کے صحابی فرزند ہیں۔ یہ سب حضرات سواد اعظم سے وابستہ رہے اور فتنوں سے دور رہے۔
(۷) سیدنا حویطب بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ (متوفی ۵۴) بڑی عمر پائی۔
(۸) سیدنا نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ غزوہ خندق میں ایمان لائے۔ (متوفی بعہد امیر المومنین یزید)

(۹) سیدنا ابوہریرہ (متوفی ۵۹) غزوہ خیبر میں ایمان لائے۔ سفر و حضر میں حضور ﷺ کے ساتھ رہے۔ خانہ جنگی میں غیر جانبدار رہے۔ سیدہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ رمضان ۵۸ میں پڑھائی اور سیدہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی شوال ۵۹ میں۔ پھر اسی سال خود بھی یہ جہان آب و گل چھوڑ دیا۔

(۱۰) سیدنا ابوخیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ۔ غزوہ احد سے تمام غزوات میں شریک رہے۔ (متوفی بعہد یزید)

امہات المومنین رضی اللہ عنہن

اس وقت متعدد امہات المومنین زندہ تھیں اور ان سب نے اس تجویز کی حمایت کی۔ اس کی توثیق ان کے اعزہ کے طرز عمل سے ثابت ہوتی ہے۔ اگر ولایت عہد کی یہ بیعت ان کی مرضی کے خلاف ہوتی تو ان کے اعزہ محترز رہتے۔ سنین وفات کے اعتبار سے فہرست یہ ہے:

(۱) سیدہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا (متوفی ۵۱ ہجری):

طبری نے ۶۱ ہجری بتایا ہے جو کسی طرح صحیح نہیں۔ سب سے تعجب انگیز المعارف کا بیان ہے کہ ۳۸ میں وفات پائی۔ الاصابہ میں دونوں بعد کی روایتوں کی تردید کر کے ۵۱ کی توثیق کی گئی ہے۔ ان کی دلیل نہایت قوی ہے کہ یزید بن الاصم کی روایت کے مطابق سیدہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات پر فرمایا تھا:

''انها كانت من اتقانا الله واوصلنا للرحم''۔

''وہ ہم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور قرابت داروں کا حق ادا کرنے والی تھیں''۔

پھر ایک روایت ابونعیم کی انہوں نے نقل کی ہے، بتائیں اور کس طرح ۵۱ کی وفات تسلیم کرنی ہوگی۔

سیدہ صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''فقالت تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میمونۃ بسرفٍ وبنٰی بھا فی قبۃ لھا وماتت بسرفٍ ودفنت فی موضع قبتھا وکانت وفات میمونۃ سنۃ احدٰی وخمسین''۔

''انہوں نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ سے بمقام سرف نکاح کیا تھا اور انہی کے قبے میں رات گزاری۔ پھر سرف ہی میں ان کا انتقال ہوا اور اپنے قبے ہی کی جگہ دفن ہوئیں اور سیدہ میمونہ کی وفات ۵۱ میں ہوئی''۔

ان کے اعزہ میں بیعت کرنے والے ان کے بھانجے اور جانشین سیدنا عبداللہ بن العباس رضی اللہ عنہما ہیں اور ان کے تینوں بھائی سیدنا عبیداللہ، سیدنا قثم اور سیدنا کثیر ہیں یہ سب صحابی رضی اللہ عنہم ہیں اور صحابی ماں باپ کی اولاد اور معاشرے میں نہایت درجہ محترم ومحبوب۔

(۲) ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا (متوفی ۵۴ ہجری):

صحیح بخاری کی جو روایت اجتماع مدینہ کے سلسلے میں نقل ہوئی اس سے ان کا ولایت عہد کی بیعت کے وقت موجود ہونا اور اس بیعت کی تائید وتاکید کرنا قطعیت کے ساتھ ثابت ہے۔ لیکن عام طور پر مشہور ہے ۴۵ جو یقیناً کتابت کی غلطی ہے۔ غلط فہمی کی بنا یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ان کی وفات فتح افریقہ کے بعد بتائی گئی ہے۔ اس سلسلے میں مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں تنقیح کی ہے۔ ①

فرماتے ہیں:

① حصہ اول ج ۲، ص ۲۱۷.

''ابن مالک نے فتح افریقہ کے سال کو سیدہ ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا سن قرار دیا ہے، تو بات یہ ہے کہ افریقہ دو دفعہ فتح ہوا، ایک بعہد عثمانی ۲۷ھ میں اور دوسری بار امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں، سیدنا معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ۵۰ھ میں، گویا وفات ۵۰ھ کے آس پاس ہوئی یعنی یا تو عین ۵۰ میں یا دو چار سال بعد''۔

اس لیے راقم الحروف نے اندازہ لگایا ہے کہ ۵۴ کے بجائے غلطی سے ۴۵ درج ہو گیا اور پھر نقل در نقل ہوتی گئی۔ جب عہد عثمانی میں ان کی وفات تسلیم نہیں تو لازماً عہد معاویہ میں تسلیم کرنی ہوگی۔ صحیح بخاری سے اسی کی توثیق ہوتی ہے کہ ۵۰ھ میں ولایت عہد کا فیصلہ ہوتے وقت وہ موجود تھیں

بیعت کرنے والوں میں ان کے بھائی سیدنا عبداللہ ہیں شیخ الصحابہ رضی اللہ عنہ، مع اپنے فرزندوں کے اور متعلقوں کے۔

(۳) ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا (متوفی ۵۶):

بیعت کرنے والے ہیں ان کے بھائی سیدنا عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ صحابی جن کی وفات ۵۰ھ کے بعد ہوئی۔

(۴) صدیقہ الکبریٰ سیدہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا (متوفی ۵۸):

بیعت کرنے والوں میں ان کے بھائی سیدنا عبدالرحمٰن صحابی اور بھتیجے سیدنا محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن ابی قحافہ صحابی بن صحابی بن صحابی بن صحابی رضی اللہ عنہم۔ کون ہے جس کی چا پشتوں کو صحابیت کا شرف حاصل ہو، سوائے ان کے۔ دوسرے بھتیجے ہیں حضرت امام قاسم بن محمد بن ابی بکر۔ یہ تابعی ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(۵) ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا (متوفی ۵۹ھ):

بیعت کرنے والوں میں ان کے فرزند ہیں سیدہ سلمہ رضی اللہ عنہ اور سیدہ عمر رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی اولاد کی طرح پالا تھا۔ اور سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ کی شادی سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے کی تھی۔ پھر ہیں ان کے بھانجے سیدنا عبداللہ بن زمعہ قریشی اسدی رضی اللہ عنہ جو امیر المومنین یزید کے خاص احباب میں تھے۔ یہ بیعت کرنے والے سب صحابی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت قریبی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

قابل توجہ

یہاں تین باتیں قابل توجہ ہیں:

(۱) سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی بیعت

(۲) سیدہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات

(۳) طبری اور مسعودی کی غلط بیانی

(۱) سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ:

صحیح بخاری کی روایت اوپر گزری کہ حضرت امیر مروان نے اہل مدینہ کے پہلے اجلاس میں جب ولایت عہد کا مسئلہ پیش کیا تھا تو سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کچھ اعتراض کیا تھا جو صحیح بخاری میں مذکور نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی پر انہیں اعتراض تھا کہ قیصر و کسریٰ کا طریقہ اختیار کیا جا رہا ہے۔ نیچے کی

کتابوں میں کچھ لغو باتیں کہی گئی ہیں جو صراحتاً سبائی جذبات ہیں۔

بہر حال یہ بات دمشق کے اجلاس کے بعد اور آخری مدنی اجلاس سے پہلے کی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ انہوں نے ولایت عہد کی بیعت نہیں کی۔ وہ سیدہ ام المومنین کے ہوتے ہوئے خرق اجماع کا ارتکاب ہرگز نہیں کر سکتے تھے۔ یہ بات ان کے اپنے مزاج کے بھی خلاف تھی کیونکہ وہ سیدنا امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیاسی نظریات سے متفق تھے اور جنگ صفین میں ان کا ساتھ دیا تھا۔ اس کے بعد وہ قطعی غیر سیاسی زندگی بسر کرتے رہے۔ فیصلہ کن بات اس وقت سامنے آتی جب وہ خلافت کی بیعت سے انکار کرتے۔ لیکن ۵۳ میں یا بقول اصح ۵۵ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس بلا کر اس فتنے سے بچا لیا۔

(۲) ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا:

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی ایک روایت کے حوالے سے ثابت کرنا چاہا ہے کہ ان کی وفات ۶۳ میں ہوئی یعنی واقعہ حرہ کے زمانے میں، جب امیر المومنین یزید نے حضرت امیر مسلم بن عقبہ کو اہل مدینہ کی بغاوت فرو کرنے بھیجا تھا مگر اس روایت کا متن اسے قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتا، کیونکہ صحیح مسلم اور صحیح بخاری دونوں کے مطابق شیخ الصحابہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اہل مدینہ کی بغاوت کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی بڑی غلطی قرار دیا تھا کہ ان کی نگاہ میں اس سے بڑا کوئی غدر نہ تھا۔ یہی موقف ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اپنی بیٹی سیدہ زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ حرہ میں ان کے دو فرزند کام آئے تھے۔ جب ان کی لاشیں آئیں تو آپ نے فرمایا:

"مجھے اس کی تو فکر نہیں کیونکہ اس نے تلوار نہیں اٹھائی لیکن فکر اس کی ہے

کہ اس نے تلوار اٹھائی''۔ ①

یعنی ان کے نزدیک ان کے اس بیٹے کی عاقبت مخدوش ہوگئی جنہوں نے اس بغاوت میں حصہ لیا۔

بعض لوگوں نے سیدہ ام المومنین کی وفات ۶۱ ہجری میں بتائی ہے یعنی ''سانحہ کربلا'' کے وقت اور اس سلسلے میں یہ سبائی لغو روایت ہے کہ حضور ﷺ نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ایک شیشی میں کچھ مٹی دی تھی اور فرمایا کہ جب یہ مٹی سرخ ہو جائے تو سمجھنا کہ میرا نواسہ حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوگیا۔ چنانچہ انہوں نے جب ۱۰ محرم کو دیکھا کہ مٹی سرخ ہوگئی تو ماتم کرنے بیٹھ گئیں۔ نعوذباللہ من خرافات السبائیہ

اگر سیدہ ام المومنین اس وقت زندہ ہوتیں تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ہر طرح سمجھاتیں کہ سبائی غداروں پر بھروسہ نہ کریں اور وہ شیشی بھی دکھاتیں۔ اس صورت میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ان کی مخالفت کی جرات نہ ہوتی۔ غرض یہ ہے کہ ان کی وفات کی یہ دونوں روایتیں خالص سبائی مفتریات ہیں۔

جب یہ امر مسلم ہے کہ ان کی نماز جنازہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی تو خودبخود ثابت ہوگیا کہ ان کی وفات ۶۱ سے پہلے ہوگئی تھی۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ رمضان ۵۸ھ میں پڑھائی اور سیدہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی شوال ۵۹ میں۔ پھر اسی سال خود بھی وفات پاگئے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

چنانچہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ②:

---

① الاصابہ.

② البدایہ والنہایہ، ج۸، ص ۱۱۴ .

''وھو الذی (یعنی ابا ھریرۃ رضی اللہ عنہ) صلّی علی عائشہ رضی اللہ عنہا فی رمضان وعلی ام سلمہ رضی اللہ عنہا فی شوال سنۃ تسع وخمسین ثم توفی ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ بعدھا فیھا''۔

''انہوں نے (یعنی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ رمضان میں اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی شوال ۵۹ میں پڑھائی اور اس کے بعد اسی سال سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی وفات پائی''۔

یہاں ایک غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ شاید سیدہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۵۹ میں ہوئی تھی۔ حالانکہ ۵۸ کی تعیین قطعی الثبوت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبارت نقل کرنے میں کچھ الفاظ رہ گئے۔ کتابت کی یہ غلطی المعارف (ص ۶۰) سے واضح ہوگئی کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے ایک سال اور کچھ دن بعد ہوئی تھی۔ گویا البدایہ کی اصل عبارت یوں تھی:

''صلّی علی عائشۃ رضی اللہ عنہا فی رمضان ۵۸ھ وعلی ام سلمۃ رضی اللہ عنہا فی شوال ۵۹ھ''

''سیدہ عائشہ کی نماز جنازہ رمضان ۵۸ میں پڑھائی اور سیدہ ام سلمہ کی شوال ۵۹ میں''۔

(۳) طبری کا بیان ہے کہ دمشق کا اجلاس ۵۶ میں ہوا اور مسعودی کا کہنا ہے کہ ۵۹ میں ہوا۔ دونوں تاریخیں عیاناً غلط دی گئی ہیں اور شاید بالقصد۔

جب قطعی اور حتمی بات یہ ہے کہ ولایت عہد کی تحریک سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کی تھی اور وفد بھی انہوں نے کوفے سے اور حضرت زیاد نے بصرے سے بھیجا تھا تو خود بخود ثابت ہو گیا کہ انہوں نے اپنی زندگی میں یہ دونوں وفد بھیجے تھے اور دونوں کی

وفات ۴۹ اور ۵۰ میں ہوئی تھی۔

اس طرح دمشق کے اجلاس کی تاریخ اوائل ۴۹ کی تسلیم کرنی ہوگی۔ پھر غالباً اسی سال یا اوائل ۵۰ میں اہل مدینہ کا پہلا اجلاس ہوا تھا اور اسی سال کے آخر میں حج کے موقع پر آخری اجلاس ہوا۔

اس تمام عرصے میں امیر یزید اپنے جہادی سرگرمیوں میں مشغول رہے اور شاید انہیں خبر بھی نہ ہو کہ کسی عظیم الشان منصب پر انہیں فائز کرنے کا فیصلہ کیا جا رہا تھا۔

غرض یہ ہے کہ امیر المومنین یزید علیہ الرحمۃ الرضوان کی ولایت عہد کا مسئلہ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے طے ہوا تھا اور تمام عالم اسلام کے نمائندے اس کے محرک اور مؤید تھے یوں انہوں نے ولی عہد المسلمین کی حیثیت سے دس برس اپنی خدمات انجام دیں اور اپنی صلاحیت وقابلیت کا سکہ بٹھا دیا۔ کہاں یہ حقائق اور کہاں سبائی خرافات۔

دورخلافت

ولی عہد المسلمین کی حیثیت سے امیر یزید کو عملی تجربے کے لیے حمص کی ولایت پر رکھا گیا، اور انہوں نے بحسن وخوبی، دس برس تک یہ فرائض انجام دیئے۔ اس دور کے متعلق کسی طرف سے کوئی بات ایسی مروی نہیں جسے ان کے کردار پر حرف گیری سے تعبیر کیا جائے۔

یہی فرائض تھے جن کی بجا آوری کے سبب وہ اپنے والد ماجد رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت دمشق میں نہ تھے۔ اسی لیے سیاسی آداب کے مطابق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی

تجہیز وتکفین کا انتظام سرکاری حیثیت سے سیدنا ضحاک بن قیس نے کیا۔ رضی اللہ عنہما۔

آپ کفن لیے ہوئے مسجد میں آئے اور منبر پر حمد وثنا کے بعد فرمایا:

''معاویہ رضی اللہ عنہ عرب کے ستون تھے، عرب کے پشتیبان تھے اور عرب کے باپ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ فتنوں کا قلع قمع کیا، اپنے بندوں پر انہیں حاکم بنایا اور ان کے ہاتھوں ممالک پر فتح نصیب کی۔

دیکھو وہ وفات پا گئے اور یہ ہے ان کا کفن۔ اسی میں لپیٹ کر ہم انہیں ان کی قبر میں رکھ دیں گے۔ پھر وہ ہوں گے اور ان کے اعمال۔

ان کے بعد قیامت تک فتنے ہی فتنے ہیں۔ اب ان کی نماز جنازہ میں جو شریک ہونا چاہے، تو ظہر کے وقت حاضر ہو جائے''۔

امیر یزید کو جب اس سانحہ عظمیٰ کی اطلاع بھیجی گئی، تو دنیا ان کی آنکھوں میں اندھیر ہو گئی۔ اور وہ بسرعت تمام دمشق روانہ ہو گئے دوران سفر اپنے بے نظیر والد ماجد کا دلدوز مرثیہ کہا، جس کے آخری دو شعر یہ ہیں:

اودی بن هند واودی المجد يتبعه

ابن ہند کیا مرے کہ بزرگی بھی ان کے ساتھ گئی

كانا جميعا فماتا قاطِنَينِ معا

دونوں یکجان تھے اور دونوں ہی بقا سے مایوس ہو کر ساتھ مر گئے

اَغَرُّ اَبْلَجُ يُستسقى الغمام به

وہ پرنور ہنس مکھ شخص کہ اس کے طفیل بارش کی دعا کی جائے

لو قارع الناس عن احسابهم قرعا

اگر فضائل میں وہ کسی کا مقابلہ کرے تو زمین چٹا دے

خطبہ خلافت

انہوں نے جیسی کٹھن زندگی گزاری تھی، اور ایک سے ایک بڑا معرکہ سر کیا تھا۔ اور دنیائے اسلام میں ان کے کارناموں کا جیسا شہرہ تھا، تو اس مقبولیت و محبوبیت نے ان کی طبیعت میں تکبر کی بجائے فروتنی پیدا کر دی تھی۔

جب وہ دمشق پہنچے تو سوگ داروں کو تسلی دے کر مسجد میں منبر پر بیٹھے اور پھر خطبہ خلافت کے لیے کھڑے ہوئے تو اس وقت کی کیفیت یوں بیان کی گئی ہے:

''ثم خرج وعليه اثر الحزن فصعد المنبر واقبل ضحاک بن قيس فجلس الى جانب المنبر ۔ وخاف عليه الحصر۔ فقال له يزيد: "ياضحاک أجئت تعلّم بنی عبدالشمس الكلام؟"۔ ''

''پھر وہ نکلے اور ان پر رنج کے آثار تھے۔ پھر وہ منبر پر چڑھے، تو ضحاک بن قیس آئے اور منبر کے قریب بیٹھ گئے۔ انہیں خطرہ تھا کہ کہیں (شدت غم کے سبب) زبان کام نہ دے، تو یزید نے کہا: ''اے ضحاک! کیا آپ بنو عبدالشمس کو بولنا سکھانے آئے ہیں''۔

پھر جو تقریر کی تو اس کے کچھ کلمات علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کیے ہیں۔ ①

''الحمد لله الذی ما شاء صنع ومن شاء اعطٰی ومن شاء منع ومن شاء خفض ومن شاء رفع۔

① البدايه: ۸.

انّ معاویة بن ابی سفیان کان حبلاً من حبال اللہ مَدَّہٗ ما شاء ان یَمدّہ۔ ثم قطعه حین شاء ان یقطعه۔ فکان دون مَنْ قبلهٗ وخیرا۔ ممن یأتی بعده۔ ولا ازکیّه وقد صار الی ربّهٖ فان یعف عنه فبرحمته واِنْ یُعَذِّبه فبذنبه وقد ولیت بعده الامر فلست اعتذر من جهل ولا اسی من طلب علم۔ وعلٰی رِسلکم! اذا کَرِہَ اللہ شیئاً غیرہ واذا اراد شیئًا یسّرہ ''۔

''سب ثنا اللہ کے لیے ہے، وہ جو چاہے سو کرے، جسے جو چاہے دے، اور جسے چاہے کچھ نہ دے، اور جسے چاہے پست کر دے اور جسے چاہے بلند فرما دے

معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اللہ کی رسیوں میں سے ایک رسی تھے۔ اس نے اسے جتنا دراز کرنا چاہا کر دیا اور جب اسے کاٹنا چاہا تو کاٹ دیا۔ وہ اپنے سے پہلوں کے مقابلے میں تو کم تھے مگر ان سے بہتر تھے جو ان کے بعد آنے والے ہیں۔ میں انہیں معصوم نہیں کہتا۔ وہ اپنے پروردگار کے حضور پہنچ گئے۔ اب وہ انہیں معاف کر دے تو یہ اس کی رحمت ہو گی اور اگر عذاب دے تو ان کی کسی فروگذاشت کے سبب ہو گا۔

اب یہ حکومت مجھے ملی ہے۔ میں اپنی کمی علم کا عذر پیش نہیں کرتا اور نہ طلب علم کی طرف سے مایوس ہوں۔

ذرا ٹھہریئے! اللہ جب کسی چیز کو ناپسند فرماتا ہے تو اسے بدل ڈالتا ہے۔ اور جو اس کا منشا ہو تو اس کے لیے آسانی پیدا کر دیتا ہے''۔

یہ ایسی پر اثر، جامع اور مومنانہ تقریر تھی کہ جب اجلاس برخاست ہوا تو بقول

ابن کثیر رحمہ اللہ :

لوگ ’’لا یفضّلون علیہ احدا ‘‘

’’کسی کو ان سے افضل نہیں سمجھتے تھے‘‘۔

واقعی کلام کی اس شیرینی پر، فصاحت وبلاغت کے اس انداز پر لوگ عش عش ہی کرتے ہوں گے پھر توحید الٰہی اور عظمت وجلال کبریائی کے حضور اپنی عبدیت فروتنی اور ہیچ مدانی کا یہ اعتراف اس شخص کی طرف سے تھا، جس کا پرچم دو براعظموں میں لہرا رہا تھا اور جس کی عظمت وشان کا یہ عالم تھا کہ دنیائے اسلام کے عظیم ترین، محترم ترین اور محبوب ترین نمائندوں نے اور دین مبین کے علم برداروں نے اس کی ولایت عہد اور خلافت پر اجماع کیا تھا۔

ایمان کی حلاوت، بندگی کی چاشنی اور قرب الٰہی کی لذت سے اگر وہ سرشار نہ ہوتا تو اس کا لہجہ وہی ہوتا جو جباروں اور قہاروں کا ہوتا ہے اور ان لوگوں کا جو قوم کی مرضی کے خلاف اس پر تسلط جماتے اور طاقت کے بل پر حکم چلاتے ہیں۔ رحمۃ اللہ ورضوانہ علیہ

سیدنا امیر المومنین کی جو تقریر اوپر مذکور ہوئی، اسی سلسلے میں انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا:

’’ان معاویة کان یغزکم فی البحر وانی لست حاملاً احداً من المسلمین فی البحر۔ وانّ معاویة کان یشتیکم بارض الروم ولست مشتیاً احداً بارض الروم وانّ معاویة کان یخرج لکم العطاء الثلاثاً وانا اجمعه لکم کله ‘‘

’’معاویہ رضی اللہ عنہ تمہیں بحری جہاد پر بھیجتے تھے، لیکن میں کسی مسلمان کو بحری

جہاد کے لیے نہیں بھیجوں گا اور معاویہ تمہیں سردی کے موسم میں دیارِ روم کی طرف بھیجتے تھے مگر میں سردی کے موسم میں کسی کو دیار روم کی طرف نہیں بھیجوں گا اور معاویہ تمہارا وظیفہ تین قسطوں میں ادا کرتے تھے۔ مگر میں (پورے سال کا) وظیفہ یکمشت دوں گا''۔

مؤلفانہ بددیانتی

عبدالرشید صاحب نعمانی نے سیدنا امیر المومنین کا اصل خطبہ تو نقل نہیں کیا، جو ان کی حکمت عملی کا آئینہ دار تھا اور ان کی مؤمنانہ ذہنیت کا مرقع۔ لیکن اوپر کے کلمات کو ان کا پہلا خطبہ قرار دے کر یہ تاثر دینا چاہا ہے کہ پہلے خطبے میں بس یہی کچھ کہا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں ①:

''یزید نے اپنے پہلے خطبے میں بحری جہاد کو معطل کرنے کا اعلان کیا، سرمائی جہاد موقوف کیا، سرکاری فوج کو جو وظیفہ سال میں تین قسطوں میں ملا کرتا تھا، اب اکٹھا دینے کا وعدہ کیا۔

ظاہر ہے ان انعامات پر یزید کے وفادار فوجی جتنی بھی خوشیاں مناتے کم تھیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کو عبث بدنام کیا۔ وہ کب جہاد کی معطلی پر یزید کی تعریف کر سکتے تھے۔ ان کے لیے تو یہ اعلان سوہان روح سے کم نہ ہوگا۔

---

① یزید کی شخصیت ص ۲۰.

یہ تعریف کرنے والے وہی لوگ تھے جن کو نہ قتل حسین میں کوئی باک تھا، نہ انصار مدینہ کا سر قلم کرنے میں کوئی جھجک، اور نہ حرمین محترمین کی عزت خاک میں ملانے میں کوئی عار۔

ہاں ہاں یزید پر تعریف کے یہ ڈونگرے برسانے والے وہی دین فروش سگان دنیا تھے جو سوسو دینار کے بدلے بلکہ بعض روایات کے مطابق تو محض چار اشرفیوں کے بدلے ۶۳ھ میں یزید کے حکم سے مدینۃ الرسول پر چڑھ دوڑے اور تین دن تک اس پاک سرزمین پر قتل و غارت کا وہ بازار گرم کیا کہ پناہ بخدا۔

انصار مدینہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین کی ایک خلقت تہ تیغ کر دی گئی۔ سارا شہر لوٹ کھسوٹ کر رکھ دیا، اور پھر بھی جی ٹھنڈا نہ ہوا تو کعبے پر چڑھ دوڑے اس کا محاصرہ کیا اور منجنیق سے اس پر گولہ باری کر کے اس کی بنیادیں ہلا دیں''۔

شام غریباں کے اس ٹھیٹھ رافضیانہ بیان پر تو ہمیں یہاں کچھ کہنا نہیں کیونکہ ان تمام افترا پردازیوں کے بارے میں ہماری اسی کتاب میں غور و فکر کے لیے پورا مواد ملے گا مگر یہاں ان صاحب سے پوچھا جا سکتا ہے کہ

(۱) کیا یہ تصور ممکن ہے کہ جس کی شجاعت و بسالت زبان زد خلائق تھی، جس کی مجاہدانہ سرگرمیوں کی دھوم مچی ہوئی تھی اور جس کے حسن تدبر کا عالم یہ تھا کہ تمام عالم اسلام نے اس کی ولایت عہد اور خلافت پر اجماع کر لیا تھا، وہ ایسا ہو سکتا تھا کہ جہاد معطل کر دے اور کیا امیر المومنین نے ایسا فرمایا تھا کہ میں جہاد معطل کرتا ہوں؟

(۲) وہ بحریہ کے احوال بیس برس سے دیکھ رہے تھے، اور ہوسکتا ہے کہ وہ اس کی کارکردگی سے مطمئن نہ ہوں اور چاہتے ہوں کہ جب تک اس کا معیار اِن کے حسب ومنشا نہ ہوجائے، اس وقت تک بحری جہاد معطل رکھیں۔

علاوہ ازیں انہوں نے شامیوں کو سمندر میں نہ بھیجنے کی بات نہیں کی تھی بلکہ کسی مسلمان کو نہ بھیجنے کی بات کی تھی۔ امام ہونے کی حیثیت سے یہ امت کے تحفظ ہی کا تو جذبہ تھا کہ جو انہوں نے یہ اعلان کیا۔ اور کیا اس اعلان سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اگر انہیں موقع ملتا اور وہ اپنی مرضی کے مطابق بحریہ کو مضبوط بنا لیتے تب بھی وہ کسی مسلمان کو سمندر میں جانے کی اجازت نہ دیتے؟

(۳) پھر دریافت طلب ہے کہ امیر المومنین جو جہاد روم ہی کے سلسلے میں فتی العرب کہلائے کیا وہ ایسا کر سکتے تھے کہ اس علاقے میں فوجی سرگرمیاں معطل کر دیں۔ انہوں نے تو یہ فرمایا تھا کہ موسم سرما میں اسلامی فوج کو ارض روم کی طرف نہیں بھیجوں گا۔

پھر یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی حکم دیا ہے کہ اپنے تحفظ کا پورا انتظام کیے بغیر مجاہدوں پر لازم ہے کہ برف باری، ژالہ باری اور تیز وتند ہواؤں کی پروا کیے بغیر ''شوق شہادت'' میں تباہ ہونے کے لیے نکل کھڑے ہوں۔ ①

یہاں ایک واقعہ بیان کرنا ضروری ہے امیر المومنین سلیمان بن عبدالملک نے اپنے بھائی امیر مسلمہ کو ایک لشکر جرار کے ساتھ قسطنطنیہ فتح کرنے بھیجا۔ لیکن وہاں اتنی

① مجاہدوں کو حکم ہے: النساء: ۱۰۲۔ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ترجمہ: ''انہیں چاہیے کہ اپنی حفاظت کا انتظام کریں اور اپنے ہتھیاروں کا''۔

برف باری ہوئی اور تیز و تند ہواؤں نے وہ تباہی مچائی کہ امیر مسلمہ کو پسپا ہونا پڑا۔

اب خلافت پر امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز فائز تھے، جنہیں سبائیت زدہ لوگ پانچواں خلیفہ راشد کہتے ہیں۔ ان پانچویں خلیفہ راشد نے نہ محض یہ کہ سردی کے موسم میں جہاد روم معطل رکھا، بلکہ ادھر پھر کوئی فوج ہی نہیں بھیجی۔ کیا ان کے متعلق بھی کہا جائے گا کہ انہوں نے جہاد معطل کر دیا؟

سبائی کتابیں پڑھنے سے جہانبانی نہیں آتی اس کے تقاضے وہی جانتے ہیں جن پر یہ ذمہ داری پڑی ہو۔ اور وہ جانتے ہیں جو ان کے ہم عصر ہوں اور ظاہر و باطن کے احوال ان پر ہویدا ہوں مواقف تو ان کے دیکھنے ہیں نہ کہ ان کے جو صدیوں بعد پیدا ہوئے اور جب آنکھ کھولی تو دیکھا کہ سبائیت کی دھند ہر طرف چھائی ہوئی ہے اور روایات کا طومار ایسا ہے کہ اچھے اچھے بہک جائیں۔ آگے آ رہا ہے کہ حضرت امیر المومنین یزید کے عہد میں بحریہ کا محکمہ قائم تھا گویا آپ نے اسے صرف دفاع کے لیے قائم رکھا تھا پیش قدمی کے لیے نہیں۔

صحابی ارکان خلافت

یہاں حضرت امیر المومنین یزید رحمہ اللہ کے ارکان حکومت میں سے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء درج کیے جاتے ہیں۔ ان مبارک ناموں ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امیر المومنین کی سیرت کیسی تھی اور امت میں ان کی امامت کی مقبولیت کا عالم کیا تھا۔

(۱) سیدنا نعمان بشیر انصاری رضی اللہ عنہ:

صحابی بن صحابی رضی اللہ عنہما۔ آپ کوفے کے والی تھے پھر حضرت مسلم بن عقیل کے کوفے آنے کے بعد آپ کو حمص کی ولایت پر منتقل کر دیا گیا۔ ابومخنف نے آپ کا تبادلہ موصل کا بتایا ہے۔ امیر المومنین کی وفات کے بعد ان کی ہمدردیاں سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہو گئی تھیں اور انہی کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ (۶۴ھ)

(۲) سیدنا ضحاک بن قیس فہری رضی اللہ عنہ:

آپ دمشق کے قاضی تھے، انہی کی پر جوش تقریر کے نتیجے میں ولایت عہد کا مسئلہ دمشق کے اجتماع میں کثرت رائے سے طے ہوا تھا۔ امیر المومنین کی وفات کے بعد وہ بھی سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہو گئے تھے اور انہی کی طرف سے لڑتے ہوئے ۶۴ میں شہید ہوئے۔

(۳) سیدنا عقبہ بن نافع فہری رضی اللہ عنہما:

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خالہ کے فرزند تھے۔ عہد رسالت میں پیدا ہو چکے تھے۔ یعنی طبقے کے اعتبار سے صغار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور روایت کے اعتبار سے کبار تابعین ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جہادوں میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔ سیدنا امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں مغربی افریقہ کی مہموں میں سپہ سالار بنایا تھا۔ یہی ہیں جنہوں نے بربر کا علاقہ فتح کر کے سمندر میں گھوڑا ڈال دیا تھا اور ہاتھ اٹھا کر کہا تھا:

''الٰہی اگر یہ سمندر حائل نہ ہوتا تو تیرا نام بلند کرنے میں اس کے پار بھی

جاتا''۔

یہی ہیں جنہوں نے قیروان بسایا تھا۔ اور وہاں ایک عالی شان مسجد تعمیر کی بھی جسے مسلمان چوتھے حرم کی طرح سمجھتے تھے۔ آپ کا مزار مبارک اور تعمیر کردہ مسجد عربی طرز تعمیر کا ایک قدیم نمونہ ہے۔

قیروان شہر بسانے کے سلسلے میں کرامات الصحابہ رضی اللہ عنہم میں مولانا زکریا مدنی نے ایک دلچسپ لطیفہ نقل کیا ہے کہ جب شہر بسانے کا فیصلہ کیا گیا تو سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ اپنے صحابی ساتھیوں کے ساتھ، جن کی تعداد آٹھ بتائی جاتی ہے، ایک ٹیلے پر چڑھے اور با آواز بلند اعلان کیا:

''اے اس جنگل کے باسیو! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں اور ہم نے یہاں شہر بسانے کا فیصلہ کیا ہے۔ تمہیں تین دن کی مہلت دی جاتی ہے کہ یہ علاقہ خالی کردو اس مدت کے بعد جو ملے گا مار ڈالا جائے گا''۔

دیدنی تھا یہ نظارہ جسے سب مسلم اور غیر مسلم کھڑے دیکھ رہے تھے کہ چرندے، درندے، پرندے اور حشرات الارض اپنے اپنے بچوں کے ساتھ ایسے بھاگے جا رہے تھے کہ جیسے حشر بپا ہو۔ امیر المومنین یزید کے زمانے میں باغی کفار کے ہاتھوں دھوکے سے شہید کردیئے گئے۔ (٦٣ھ) یہ مجاہد کبیر اور صاحب کرامات، دین کا فدائی، اگر حضرت امیر المومنین کو قتل حسین رضی اللہ عنہ کا ذمہ دار سمجھتا یا انہیں فاسق و فاجر جانتا تو کیا انہیں اپنا امام تسلیم کرتا اور ان کے حکم پر اس کی جاں سپاری کا عالم یہ ہوتا؟

(۴) سیدنا زمل بن عمرو عذری رضی اللہ عنہ:

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی قوم کا پرچم عطا فرمایا تھا اور ایک فرمان کے

ذریعہ ان کی سیادت کا اعلان فرما دیا تھا۔ صفین میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور ثالثی نالے کے گواہوں میں انہوں نے بھی دستخط کیے تھے۔ امیر المومنین کی مہر خلافت ان کی تحویل میں تھی۔ (متوفی ۶۴)

(۵) سیدنا عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ:

انہوں نے اس وقت بیعت کی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ پھر تمام غزوات میں شریک رہے۔ پھر شام منتقل ہو گئے۔ صفین میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا اور کچھ مدت ان کی طرف سے مصر کے والی رہے۔ امیر المومنین یزید نے انہیں عساکر اسلام کا کماندار اعلیٰ مقرر کیا۔ الاصابہ میں ان کی صفت یوں بیان کی گئی ہے:

''وہ بڑے قاری تھے، فرائض کے عالم تھے، فصیح تھے، شاعر تھے اور فن کتابت کے ماہر تھے، اپنے دست مبارک سے اپنا مصحف خود لکھا تھا''۔

بڑے بڑے جہادوں میں حصہ لیا۔ دمشق کی فتح کی خوشخبری لے کر وہی سیدنا فاروق اعظم رضوان اللہ وسلامہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ بعد میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں رھوڈس کے جہاد کا سپہ سالار بنایا تھا۔ حضرت امیر المومنین عبدالملک علیہ الرحمۃ والرضوان کے عہد مبارک میں وفات پائی۔ بعض لوگوں نے ان کی وفات ۵۸ میں بتائی ہے جو صحیح نہیں۔ شاید کتابت کی غلطی ہو۔ الاصابہ میں ان کا بعہد امیر المومنین عبدالملک زندہ ہونا ایک روایت کے سلسلے میں بیان کیا گیا ہے۔

(۶) سیدنا مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ:

صغار صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہیں۔ امیر المومنین یزید نے انہیں مغربی افریقہ کا عامل

بنایا تھا۔(متوفی ۶۳)

(۷) سیدنا عبدالرحمٰن بن زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ:

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سگے بھتیجے تھے، اور سیدنا ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ کے نواسے۔ صحابی ہیں اور روایت کے اعتبار سے کبار تابعین میں ان کا شمار ہے۔ امیر المومنین یزید نے انہیں مکہ معظّمہ کا والی مقرر کیا تھا۔(متوفی ۷۱ھ)

(۸) سیدنا اسماء بن خارجہ صحابی بن صحابی رضی اللہ عنہما:

ان کے عم بزرگوار بھی صحابی تھے۔ آپ امیر عبیداللہ بن زیاد کے زمانے میں کوفے کے ایک فوجی افسر تھے اور بعد میں امیر المومنین عبدالملک کے معتمد ترین کارکنوں میں آپ کا نام ملتا ہے۔(متوفی بعہد الملک)

(۹) سیدنا عبداللہ بن عصام اشعری رضی اللہ عنہ:

صفین میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ حضرت امیر المومنین یزید نے انہیں سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کے پاس بیعت لینے بھیجا تھا۔

(۱۰) سیدنا مالک بن حمزہ ہمدانی رضی اللہ عنہ:

آپ بھی اس وفد میں تھے جو حضرت ابن عصام کے ساتھ سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے پاس انہیں بیعت پر راضی کرنے بھیجا تھا۔

(۱۱) سیدنا عبداللہ بن سعد فزاری رضی اللہ عنہ

(۱۲) سیدنا مسلم بن عقبہ مری رضی اللہ عنہ

(۱۳) سیدنا حصین بن نمیر سکونی رضی اللہ عنہ

یہ تینوں بھی سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے پاس جانے والے وفد میں تھے۔ آخر الذکر دونوں بزرگوار اس فوجی دستے کے کمانداروں میں ہیں جو اہل مدینہ کی بغاوت فرو کرنے اور پھر بعد میں مکہ معظّمہ کا محاصرہ کرنے گیا تھا۔ نعمانی کے نزدیک یہ سگان دنیا تھے۔

(۱۴) سیدنا ابو ادریس خولانی رضی اللہ عنہ:

آپ غزوہ حنین کے دوران پیدا ہوئے۔ صغار صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان کا شمار ہے۔ انساب الاشراف کے مطابق آپ سیدنا امیر المومنین معاویہ، حضرت امیر المومنین یزید اور حضرت امیر المومنین عبدالملک کے عہد تک برابر دمشق کے قاضی رہے۔ اجلہ واکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے آپ کو فیض تھا مثلاً سیدنا عبادہ بن الصامت، سیدنا شداد بن اوس، سیدنا حذیفہ بن یمان اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم۔

(۱۵) سیدنا وہب بن عبداللہ ابو جحفہ العامری رضی اللہ عنہ:

بڑے مجاہد تھے۔ امیر عبیداللہ بن زیاد کے عہد میں کوفے کے کوتوال رہے۔ (متوفی ۶۴ ہجری)

(۱۶) سیدنا مالک بن عبداللہ بن سنان الخثعمی رضی اللہ عنہ:

بڑے مجاہد تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت یزید اور حضرت عبدالملک کے زمانوں میں بڑے بڑے معرکے سر کیے۔

(۱۷) سیدنا جنادہ بن ابی وہب رضی اللہ عنہما:

(متوفی ۸۰) صغار صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہیں اور امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک سے امیر المومنین یزید کی وفات تک بحری جہادوں میں مشغول رہے۔

الاصابہ میں ہے:

''وكان جنادة بن ابی امية علی غزو الروم فی البحر لمعاوية من زمن عثما الی ايام يزيد''

''اور جنادہ بن ابی امیہ کے بحری جہادوں میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرف سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے سے لے کر یزید کے زمانے تک فرائض انجام دیتے رہے''۔

علاوہ ان حضرات کے وہ سب بزرگوار ہیں جو امت کو خانہ جنگی اور خون ریزی سے بچانا چاہتے تھے اور ان کا موقف تھا کہ کوئی طالع آزما شخص امت کی یکجہتی میں اختلال پیدا نہ کر سکے۔

اب دو ہی باتیں کہی جا سکتی ہیں یا تو ہم عصر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرت امیر المومنین کے امرا کے نزدیک سبائی راویوں کی مفتریات باور کر کے یہ تصور قائم کیا جائے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے مکی موقف پر قائم رہ کر حکومت کے خلاف نبرد آزما ہوئے اور حکومت ہی کے ہاتھوں قتل ہوئے تو ان حضرات نے انہیں باغی جانا اور واجب القتل سمجھا۔ اسی لیے انہوں نے سانحہ کربلا کو کچھ اہمیت نہیں دی اور ایسے بے پروا ہو گئے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ چار برس تک امت کی خاموشی کی ایک توجیہ تو یہ ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ سبائی تصورات کو کذب وافترا پر مبنی سمجھا جائے اور واقعات ثانیہ کی روشنی میں یہ حقیقت مان لی جائے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن سعد سے گفت وشنید کے نتیجے میں اپنے موقف سے رجوع فرما کر دمشق کی راہ اختیار کر لی تھی، تا آنکہ پہلے پڑاؤ پر سبائیوں نے آپ کو اور آپ کے چند اعزہ کو شہید کر دیا۔

اس طرح امت میں سانحہ کربلا کے سبب کوئی سیاسی ردعمل ظاہر نہیں ہوا اور جو

حضرات حکومت کے مناصب پر فائز تھے وہ بدستور اپنی خدمات انجام دیتے رہے کیونکہ انہوں نے ''قتل حسین'' میں حکومت کو ملوث نہیں جانا۔

ایک تیسری صورت بھی ہوسکتی ہے کہ یہ سب کے سب دین چھوڑ چکے تھے اور حب نبی سے ایسے عاری کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ تو اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کا دین بچانے کے لیے جان دیں اور ان میں سے کسی کو پروانہ ہو، کہ کس لیے قتل ہوئے اور کس نے قتل کیا۔ **نعوذباللہ من ھفوات الکاذبین**

ایک اور صحابی سیدنا یسیر رضی اللہ عنہ کا ارشاد کیسا فیصلہ کن ہے۔ روایت ہے ابوعوانہ رحمہ اللہ کی حمید بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کے حوالے سے

''دخلت علی یسیر رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین استخلف یزید بن معاویہ فقال انھم یقولون ان یزید لیس بخیر امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم وانا اقل ذالک ولکن لئن یجمع اللہ الی امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم احب الیَّ من ان یَّھوق قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لا یاتیک فی الجماعة الا خیر''۔ ①

''میں صحابی رسول سیدنا یسیر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت جب یزید بن معاویہ کی خلافت کے لیے نامزد کیا گیا تھا۔ انہوں نے فرمایا: لوگ کہتے ہیں کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں یزید سب سے بہتر نہیں۔ اور میں بھی یہی کہتا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ اگر امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی شخص کو سیاسی معاملے میں مجتمع کردے تو مجھے یہ بات تفرقے میں مبتلا ہونے سے زیادہ عزیز ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

① الاستیعاب ج ۲ ص ۲۰۶.

''جماعت میں شامل رہ کر تمہیں بھلائی ہی بھلائی ملے گی''۔

کیسا حکیمانہ ہے یہ ارشاد کہ قوم کی بقا و ارتقا اس کی اجتماعی قوت میں ہے۔

بقیہ روایت صحیح بخاری:

آخری مدنی اجلاس کی جو بات سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجاہد کبیر حضرت حبیب بن مسلمہ کو بتائی تھی، وہ (ص ۹۱) پر بیان ہوئی ہے۔ ① بعد کی بات بھی انہوں نے یوں بیان کی:

''جب لوگ متفرق ہو گئے (اور صرف قریبی حضرات رہ گئے) تو سیدنا امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطاب کیا اور فرمایا: ''اب بھی کوئی صاحب اس بارے میں بولنا چاہیں تو سر اٹھائیں، ہم ان سے اور ان کے والد دونوں سے اس امر (خلافت) کے زیادہ حق دار ہیں''۔

(حضرت) حبیب بن مسلمہ نے فرمایا:

''پھر آپ نے اس کا کچھ جواب بھی دیا؟''

تو سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نے اپنا حبوہ کھولا اور کہنا چاہا، آپ سے زیادہ حق دار تو وہ ہیں جنہوں نے آپ سے اور آپ کے والد سے اسلام کے لیے قتال کیا تھا۔ پھر مجھے خوف ہوا کہ کہیں ایسی بات میرے منہ سے نہ نکل جائے جس سے اجماع کے بعد افتراق کی صورت پیدا ہو، خون ریزی کا سبب بنے اور میرا عندیہ غلط سمجھ لیا جاوے (اس لیے چپ رہا)''۔ اور وہ (نعمتیں یاد کیں جو اللہ نے میرے لیے تیار کر رکھی ہیں''۔

① صحیح بخاری باب غزوۃ خندق.

حضرت حبیب نے فرمایا:

''آپ کو (غلط بات کہنے سے) بچا لیا گیا، اور (غلط اقدام سے) روک دیا گیا''۔

یہاں یہ امر پیش نظر رکھنا چاہیے کہ تاریخ میں پہلی بار ایک غیر صحابی جو ان کو خلافت کے لیے نامزد کیا جارہا تھا، تو قدرتی بات تھی کہ خلفاء پیشین کی اولاد پر کچھ منفی اثر ہو۔ جیسا کہ خود سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے دل کی کیفیت اپنی ہمشیر سیدہ ام المومنین صلوات اللہ علیہا سے بیان کی تھی۔ اسی طرح پہلے مدنی اجلاس میں سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے کچھ اعتراض کیا تھا۔ پھر تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منجھلے نواسے حضرت عبداللہ الاکبر بن عثمان جن کے والد ماجد کی شہادت عظمیٰ کے سبب سارا خلفشار رونما ہوا تھا۔

لیکن چونکہ ان حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ فیض تھا، اس لیے انہوں نے اجماعی فیصلے کا احترام کیا اور تہ دل سے بیعت کر لی اب صرف سیدنا حسین رضی اللہ عنہ تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے چھوٹے نواسے اور سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما تھے سیدنا خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے۔ یہ دونوں صغار صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔

جہاد روم میں دونوں نے امیر یزید کی کمان میں حصہ لیا۔ پھر دس برس تک ان کی ولایت عہد کے زمانے میں کسی قسم کے تکدر کا اظہار نہیں کیا۔ پھر اچانک ان کی خلافت کی بیعت سے انکار کر دیا۔ جس پر تبصرہ اپنی اپنی جگہ کیا جا چکا ہے۔ تمام اہل فکر کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ ہم عصر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے اس موقف کو کس نظر سے دیکھا، پھر یہ امر بھی غور طلب ہے کہ ان کے مابین اتحاد عمل نہ تھا بلکہ ایک دوسرے کے حریف تھے۔

سیدنا امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ نے اجلاس کے بعد جو کچھ فرمایا، اس کی یہی بنیاد

تھی۔ان کے سامنے پچھلے واقعات تھے۔اس لیے آپ نے ضروری جانا کہ ان لوگوں کومتنبہ کردیں جن کے کچھ عزائم مخالفانہ ہوں،اوراجماع کی حرمت پر حرف آئے۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ہے کہ عام الجماعۃ میں تمام متبع سنت اہل ایمان نے گروہی سیاست ختم کردی تھی اور سب امۃ واحدہ بن گئے تھے۔لیکن ایک گروہ سبائیہ کا موجود تھا جو اپنے آپ کو کذباً و افتراءً شیعہ علی کہتا تھا۔حالانکہ آل علی نے ان سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھا تھا۔اس لیے بجا طور پر اسی گروہ سے خطرہ تھا کہ آپ کی وفات کے بعد وہ کسی تخریبی کارروائی پر نہ تل جائیں۔

غالباً سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہی بات بھانپ لی تھی اس لیے آپ خاموش رہے۔

سبائیہ ہی میں سے اسی گروہ کی ایک باغی ٹولی تھی جو خوارج کہلائے،انہوں نے علانیہ جماعت سے الگ ہوکر اپنا جداگانہ نظام قائم کرلیا تھا اور جو کچھ کرتے تھے تو ڈنکے کی چوٹ۔

ان کی ذہنیت یہ نہ تھی کہ مسلم معاشرے میں منافقانہ درآئیں اور پھر سازشیں کرکے عوام کو ذہنی،روحانی اور سیاسی خلفشار میں مبتلا کردیں۔

اس لیے لازم تھا کہ سیدنا امیر المومنین اس گروہ سے خبردار رہنے کی تلقین کریں تاکہ ان کے بل پر کچھ کر ڈالنے کی کوئی شخص غلطی نہ کر بیٹھے۔

حضرت
امیر المومنین یزید رحمہ اللہ

قریش کے دستور کے مطابق، امیر یزید کی ابتدائی زندگی بدوی ماحول میں گزری۔ ان کی والدہ ماجدہ سیدہ میسون رحمہا اللہ اسی زندگی کی خوگر تھیں۔ شہری تکلفات ان کی طبیعت سے مطابقت نہیں رکھتے تھے، حالانکہ جاہ وثروت انہیں ورثے میں ملی تھی۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وکانت (میسون) حازمة عظیمة الشان جمالاً وریاسة وعقلاً ودیناً۔ ①

''اور وہ (یعنی میسون رحمہا اللہ) تدبر میں پختہ کار تھیں حسن وسرداری وعقل ودین میں بلند رتبہ''۔

ان کے علم وفضل اور دینی عظمت کا عالم یہ تھا کہ ان سے روایت کرنے والوں میں حضرت محمد (الباقر) رحمہ اللہ کا اسم گرامی بھی ہے۔ ② اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے فرزند ارجمند کو کس انداز میں پروان چڑھایا ہوگا۔

چنانچہ یہ امر عیاں ہے کہ ان کی توجہات سے امیر یزید کے عربی خصائل کو جلا ملی۔ اور مردانہ وار زندگی بسر کرنے میں ان کا شہرہ ہوا۔ تیر اندازی، نیزہ بازی، شمشیر زنی اور شہ سواری میں وہ طاق تھے، عسکری امور میں ان کی مہارت مسلم تھی۔

---

① البدایہ، ج۸.
① دائرة المعارف الاسلامیه، بذیل ماده میسون .

پھر شاعری اور خطابت میں انہوں نے کمال پیدا کیا۔ فصاحت و بلاغت میں بہت کم لوگ ان کے ہم سر تھے۔

جاحظ رحمہ اللہ نے البیان التبیین میں سیدنا سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے۔ ان سے پوچھا گیا:

''سب سے فصیح کون تھا؟''۔

فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم''

کہا گیا: ''ہم یہ نہیں پوچھتے''

تو فرمایا: ''معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند (امیر یزید) سعید اور ان کے فرزند (امیر عمرو اموی) اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما بھی ان سے کم نہ تھے، مگر ان کی زبان میں ایسی شیرینی نہ تھی''۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

پھر امیر المومنین سیدنا معاویہ رضوان اللہ وسلامنا علیہ نے انہیں اپنے حضور طلب کرلیا، اور خود ان کی علمی اور روحانی تربیت میں مشغول ہوئے۔ ساتھ ہی بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم سے انہیں فیض پہنچا۔

اسی بنا پر البلاذری کے بقول سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جب ان کے خلیفہ ہونے کی اطلاع ملی تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کے بعد آپ نے فرمایا:

وَاِنَّ اِبْنَهٗ یَزِیْدَ لمن صَالِحی اَھْلِه

''اور ان کے فرزند یزید ان کے گھرانے کے صالح لوگوں میں ہیں''۔

اس سے پہلے جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما دمشق تشریف لے گئے، تو امیر یزید بھی تعزیت کے لیے حاضر ہوئے اور اپنے جذبات کی ترجمانی یوں کی:

رَحِمَ اللہ ابا محمد واوسع له الرحمة وافسَحَها واَعظم اللہ اجْرک واحسن عزاک وَعِوَضاً من مصابِکَ ما ھو خیز لکَ ثواباًو خیز لکَ عُقْبی ①

''اللہ تعالیٰ ابو محمد پر رحم فرمائے اور اپنا دامن رحمت ان پر وسیع کرے اور اسے مزید فراخی بخشے اور آپ کو خوبی کے ساتھ تسلی دے اور اس کی جزا آپ کو ایسی دے جو بہتر ثواب اور بہتر انجام کا سبب بنے الخ''۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے شکریہ ادا کیا اور جب وہ چلے گئے تو فرمایا:

اذا ذھب بنو حرب ذھب علماء الناس ۔ ②

''جب بنو حرب اٹھ جائیں گے تو اہل علم کا کال پڑ جائے گا''۔

شخصی کردار

امیر المومنین یزید رحمہ اللہ کے شخصی کردار کے بارے میں سبائی راویوں نے کذب وافترا کے جو انبار لگا دیئے ہیں، اور طرح طرح انہیں بدنام کرنے کی کوشش کی ہے، تو اس کوشش میں وہ کامیاب ہو گئے اور اتنے کامیاب کہ بڑے بڑے لوگ یہ روایتیں دیکھ کر دامن عدل ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن عساکر جیسے شخص پر تنقید کی ہے اور فرمایا:

وقد اورد ابن عساکر احادیث فی ذم یزید بن معاویة موضوعة لا

①② البدایہ ج۸، ص ۲۲۸ ۔

یصح شیءٌ منھا۔ ①

''یزید بن معاویہ کی مذمت میں ابن عساکر نے جو روایتیں اپنی کتاب میں درج کی ہیں وہ سب وضعی ہیں ان میں سے ایک بات بھی صحیح نہیں''۔

پھر فرماتے ہیں:

وقد كان يزيد فيه خصال محمودة من الكرم، والحلم، والفصاحة والشعر والشجاعة وحسن الرائی فی الملک وكان ذا جمال حسن المعاشرة

''اور یزید میں قابل ستائش صفات تھیں جیسے فیاضی، بر باری، فصاحت اور شعر گوئی اور شجاعت، پھر ملکی معاملات میں حسن تدبر، وہ خوب صورت تھے اور خوش سیرت''۔

اب اسی دودمان عالیشان میں ہیں حضرت امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ، جنہیں سبائیت زدہ لوگوں نے تمام اموی خلفاء کرام میں بہت ہی بڑا درجہ دے رکھا ہے کہ جیسے خارزار میں کہیں گلاب کھلا ہو۔ ان کے متعلق حضرت ابن حجر عسقلانی نے اپنے ذاتی نظریے کے خلاف لسان المیزان میں لکھا ہے:

قال ابن شوذب سمعت ابراهيم بن ابی عبد يقول سمعت عمر بن عبدالعزيز يترحم علی يزيد بن معاويه

''ابن شوذب کہتے ہیں میں نے ابراہیم بن ابی عبد سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز کو یزید بن معاویہ کے لیے رحمت کی دعا کرتے سنا ہے۔''

① البدایہ ج۸.

پھر ہیں قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ، انہوں نے حضرت امام احمد رحمہ اللہ کی کتاب الزہد میں پڑھا ہے کہ انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین کے ساتھ امیر المومنین یزید کا ایک زاہدانہ قول نقل کیا ہے اور فرماتے ہیں:

''وھذا یدلّ علی عظیم منزلنا عندہ حتی یدخلہ فی جملۃ الزھاد من الصحابۃ والتابعین الذین یقتدیٰ بقولھم ویرعویٰ من وعظھم ونعم وما ادخلہ الا فی جملۃ الصحابۃ قبل ان یخرج الی ذکر التابعین۔ فأین ھذا من ذکر المؤرخین لہ فی الخمر وانواع الفجور الا یستحیون؟''①

''اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے (یعنی امام احمد کے) نزدیک ان کی (یعنی امیر المومنین یزید کی) شان اتنی بلند تھی کہ انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین کے ان زاہدوں میں شمار کیا ہے، جن کا اتباع کیا جاتا ہے اور لوگ جن کے مواعظ سے اثر پذیر ہوتے ہیں۔

جی ہاں! انہوں نے تو انہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمرے میں رکھا قبل اس کے کہ تابعین کا ذکر کریں۔

کہاں یہ بات اور کہاں مؤرخوں کا انہیں شراب نوشی، اور طرح طرح کے معاصی میں مبتلا دکھانا۔ شرم ان کو مگر نہیں آتی''۔

حضرت قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ کا کتاب الزہد میں، امیر المومنین یزید کے بارے میں لکھنا سبائیت زدہ لوگوں کو کیسے پسند آ سکتا تھا۔ چنانچہ ہمارے نعمانی صاحب نے رجال کے بحر ذخار میں شناوری کی اور اس کی تہ سے ایک نام یزید بن

① العواصم من القواصم ص ۲۳۳۔

معاویہ نام نکال کر باور کرانا چاہا کہ نام انہی یزید بن معاویہ کوفی کا ہے نہ کہ یزید بن معاویہ اموی کا۔ حالانکہ خود اعتراف کیا ہے کہ متداول کتاب الزہد اصل کتاب کا خلاصہ ہے اور اس میں نہ کوفی یزید کا ذکر ہے اور نہ اموی کا، لہٰذا اس سے استناد درست نہیں۔

ان صاحب سے پوچھا جا سکتا ہے کہ مطبوعہ کتاب الزہد جس نے دیکھی ہے اور اس میں حضرت امام احمد کا بیان نہیں پڑھا، اسے اس کے مقابلے میں سند کیسے بنایا جا سکتا ہے، جس کے سامنے اصل کتاب تھی اور اس میں پڑھ کر اسے لکھا، ابن العربی اتنے جاہل نہ تھے کہ اموی اور کوفی میں تمیز نہ کر سکیں۔

پھر سوال کیا جا سکتا ہے کہ کوئی اچھی بات ایک شخص نے کہی ہو، تو ویسی ہی اچھی بات کوئی دوسرا شخص کیوں نہیں کہہ سکتا۔ کیا یہ شرط ہے کہ ایک کوفی یزید تو اچھی بات کہہ سکتا ہے مگر اموی یزید کے منہ سے اچھی بات نہیں نکل سکتی۔

امیر المومنین یزید کا خطبہ خلافت ابھی اوپر نقل ہوا، کیا اس پاک منہ سے ایسی ہی مومنانہ اور زاہدانہ بات مستبعد سمجھی جا سکتی ہے۔ کہ ہم عصر لوگ اولیاء اللہ میں جانتے ہوں اور اس کے خلاف بغاوت کو اللہ اور اس کے رسول سے غداری قرار دیتے ہوں۔

اب ہم یہاں ایک ایسے شخص کا بیان نقل کرتے ہیں جو عالم اسلام کے اندرونی خلفشار سے قطعاً بے تعلق تھا، اور اس رومی حکومت کا شہری جو سالہا سال سے مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار تھی، اور قدم قدم پر مسلمان اسے شکست دے رہے تھے۔

اس رومی شخص کا علم تھا کہ امیر المومنین یزید پہلے شخص ہیں جنہوں نے ولایت عہد سے قبل پہلی بار قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا اور مشرق میں رومیوں کا بڑا علاقہ ان

سے چھین لیا تھا۔ یوں یہ طبعی بات تھی کہ وہ ان کے خلاف زہر اگلتا، مگر وہ دریدہ دہن، افترا پرداز سبائی نہیں تھا ایک آزاد مملکت کے آزاد شہری ہونے کی بنا پر اس نے سچی بات کہی ہے وہ کہتا ہے:

''یزید حد درجہ متواضع اور حلیم تھے، خود بینی اور تکبر سے مبرا۔ وہ اپنی رعایا میں محبوب تھے اور شاہی تزک واحتشام سے متنفر۔ وہ معمولی شہری کی طرح زندگی بسر کرنے والے نہایت مہذب شخص تھے''۔ ①

یہ رومی وقائع نگار حضرت امیر المومنین یزید علیہ الرحمۃ والرضوان کے احوال کا عینی شاہد تھا۔ اب ایک طرف ایک غیر متعلق بلکہ دشمن قوم کا عینی شاہد ہے اور اس کا بیان اور دوسری طرف ہیں وہ خرافات، موضوعات، ومفتریات جو ملت اسلامیہ کے اندرونی دشمنوں نے ان کے بارے میں پیہم ومتواتر بیان کر کے ناواقف لوگوں کو ان سے برگشتہ کر رکھا ہے۔ حتی کہ یہ پاک نام اب گالی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور وہ لوگ جو اپنے آپ کو متبع سنت گمان کرتے ہیں وہ بھی بے تکلف ''یزید پلید'' کہہ جاتے ہیں اور بعض بعض تو ان پر لعنت تک سے گریز نہیں کرتے۔۔

حالانکہ جو شخص عدل اور عقل ایمانی کے ساتھ ان کی سیرۃ کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے اسے سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ جن بزرگواروں نے ان کی ولایت عہد اور خلافت پر اجماع کیا وہ کون تھے اور کس درجے کے۔ پھر دیکھنا چاہیے انہیں جنھوں نے ان کے خلاف کھڑے ہونے والوں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غداری کا مرتکب قرار دیا۔

پھر یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ صحابہ کرام، آل بیت اطہار اور ہم عصر اکابر

① دائرۃ المعارف الاسلامیہ بذیل عنوان یزید۔

امت رضی اللہ عنہم کس طرح ان کی بیعت پر مستقیم رہے اور ان کے مخالفوں کے مخالف، یہ حضرات کتنے تھے، کس درجے کے تھے اور معاشرے میں ان کا کیا مقام تھا۔

پھر ہیں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امت کے اکابر اور ملت کے جاں باز سپاہی جنہوں نے ان کی حکومت کے مناصب قبول کیے اور ان کی فرماں برداری کو تقاضائے دین جانا۔ اس طرح عیاناً معلوم ہو جائے گا کہ سبائی راویوں نے خلفائے اسلام کے بارے میں جو وضعی باتیں بیان کی ہیں وہ سب بے حقیقت ہیں اور یہ کہ ان لوگوں کا مطمح نظر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام کی توہین و تضلیل و تذلیل کریں تاکہ دعوۃ محمدیہ مضمحل ہو اور امت کے عزائم میں رخنہ پڑے۔

خصائص امیر المومنین

(۱)

حضرت امیر المومنین یزید پہلے خلیفہ ہیں کہ اس منصب پر فائز کرنے کے لیے ان کے بارے میں اس وسیع پیمانے پر استصواب رائے کیا گیا تھا کہ نہ اس سے پہلے ایسا استصواب کسی کے لیے ہوا تھا اور نہ ان کے بعد۔ تمام عالم اسلام کے نمائندے جمع ہوئے تھے اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی ولایت عہد پر اجماع کیا تھا اور پھر خلافت پر۔

(۲)

وہ پہلے سپہ سالار ہیں جنہیں قسطنطنیہ پر حملہ کرنے بھیجا گیا، اور اکابر واعاظم صحابہ رضی اللہ عنہم ان کی کمان میں تھے۔ اس گروہ باصفا کا ایک ایک شخص بخشا ہوا ہے۔ اسی بشارت کی برکت کے حصول کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل ایمان کی کثیر جماعت نے اس جہاد میں حصہ لیا تھا۔ اس جماعت میں سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

ابن عبد البر نے الاستیعاب میں بیان کیا ہے:

''فلما ولی معاویة رضی اللہ عنہ یزید علی الجیش الی قسطنطینیة جعل ابو ایوب رضی اللہ عنہ یقول وما علیَّ اِنْ اُمِّرَ علینا شاب ''①

''جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اس لشکر کا سپہ سالار بنایا جو قسطنطنیہ بھیجا گیا تو ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس سے کیا کہ ایک نوجوان کو ہمارا امیر بنایا

① بذیل مادہ ابو ایوب.

گیا ہے۔

ان سے پہلے معارف ابن قتیبہ رحمہ اللہ میں ہے:

''وغزا مع یزید بن معاویه ومات بالقسطنطینية وقبر باصل سور المدينة''①

''اورانہوں نے (یعنی سیدنا ابوایوب رضی اللہ عنہ نے) یزید بن معاویہ کی کمان میں جہاد کیا۔ قسطنطنیہ میں وفات پائی اور شہر کی فصیل کے نیچے دفن کیے گئے''۔

(۳)

وہ پہلے خلیفہ ہیں کہ ان کے زمانے میں جو تین فتنے اٹھے تو جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہا امت نے ان کا ساتھ دیا اور ان کے مخالفوں کے اقدامات کو فتنہ قرار دیا اور ناجائز کہا۔ یعنی ان کی خلافت کی یہ کیفیت نہ تھی جو سیدنا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رہی کہ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کا ساتھ دیا، کچھ سے ان کی جنگ ہوئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سواد اعظم نے غیر جانب دار رہنے میں فلاح امت سمجھی اور لوگوں کو تلقین کی کہ خون ریزی میں ملوث نہ ہوں۔

یہاں صورت حال یہ تھی کہ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امیر المومنین کے ساتھ تھے اور ان کے مخالفوں کے مخالف۔ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کی حمایت نہیں کی اور انہیں خرق اجماع کی وعیدوں سے ڈرایا تا آنکہ انہوں نے اپنے موقف سے رجوع کرلیا۔

پھر ان سب نے سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے پورے دور کو فتنہ قرار دیا۔ صحاح

① ص ۱۱۹ بذیل مادہ ابوایوب.

میں جہاں کہیں ان واقعات کا ذکر ہے تو فتنہ ابن الزبیر کی حیثیت سے ہے۔ اسی طرح جب ان کے داعیوں نے مدینہ طیبہ میں بغاوت کرائی تو اسے بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غداری قرار دیا گیا اور شہر کی بھاری اکثریت اس فتنے کے خلاف تھی اور حکومت کی مؤید۔

(۴)

امیر المومنین کو جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے دامن سے وابستہ علما وفقہا امت کا موقف معلوم تھا، اور وہ اصول وقواعد بھی انہیں معلوم تھے جو اجماعی خلافت کے خلاف کھڑے ہونے والوں کے لیے کتاب وسنت میں عیاں ہیں۔

لیکن انہوں نے اپنے خلاف کھڑے ہونے والوں کو حاکمانہ انداز میں نہیں بلکہ عزیزانہ ملاطفت سے ہر طرح سمجھایا کہ جماعت میں انتشار پیدا کرنے کی معصیت مول نہ لیں۔ اگر وہ دنیا کے عام حاکموں کی طرح ہوتے اور اپنے مخالفوں کی سرکوبی کے لیے سخت اقدامات کرتے تو ہر طرح وہ اس کے مجاز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم عصر امت میں ان کی مقبولیت بڑھتی چلی گئی اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علما وفقہا امت ان کے مؤید رہے۔

انہوں نے اپنے مخالفوں کی شخصی حرمت کا پورا خیال رکھا اور اپنے سیاسی اقدامات میں حرمین شریفین کے تقدس پر حرف نہ آنے دیا۔ مدینہ طیبہ کا محاصرہ حرم کے باہر کیا گیا اور مکہ معظّمہ کا بھی۔ ان کے امیروں کا یہ اہتمام تھا کہ اول تو جنگ کی ابتداء ان کی طرف سے نہ ہو اور دوسرے یہ کہ حدود حرم میں جنگ نہ ہونے پائے۔

ان کے پہلے مخالف سیدنا حسین رضی اللہ عنہ تھے، جنہوں نے عراق جانے کے بعد اپنا

موقف بدل دیا اور امیر المومنین کے پاس جانے کے لیے دمشق کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کے اس تعمیری اقدام سے سبائی مفسد اتنے برافروختہ ہو گئے کہ راہ میں انہیں شہید کر دیا۔

ان کے دوسرے مخالف سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما تھے مگر انہوں نے بھی ان کی زندگی بھر اپنی طرف علانیہ دعوت دینے کی جرات نہیں کی۔ خلافت کا دعویٰ انہوں نے امیر المومنین یزید کی وفات کے بعد کیا تھا۔

سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما ہی کے داعیوں نے مدینہ طیبہ میں شورش بپا کی تھی، مگر اہل شہر کی بھاری اکثریت اس شورش میں ملوث نہ تھی اور یوں انصار کرام کا جو سب سے بڑا گھرانہ بنو عبدالاشہل تھا، اس نے اپنے محلے میں سے سرکاری فوجی دستے کو گزار کر شہر پر قبضہ کرا دیا۔

سبائیہ اور سبائیت زدہ لوگوں کی خرافات پر تبصرہ اسی زیر نظر کتاب میں ہے۔

(۵)

وہ پہلے خلیفہ ہیں، جو اپنے ذاتی فضائل، اور علمی و ادبی کمالات کے ساتھ جہاں ایک بلند رتبہ مجاہد تھے، وہاں انہوں نے فن ہندسہ (انجینئری) میں کمال پیدا کیا تھا۔ ان کی بنائی ہوئی نہر آج تک ''نہر یزید'' کے نام سے موجود ہے اور اس کے سوتے خشک نہیں ہوئے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

''روافض اس نہر کا پانی نہیں پیتے۔''

حضرت امیر المومنین نے اپنی ذاتی نگرانی میں آب پاشی اور آب رسانی کا وہ سلسلہ شروع کیا جس کے سبب دمشق کو جنت ارضی کہا جانے لگا۔ ابن بطوطہ رحمہ اللہ نے

اس ضمن میں کئی شعر نقل کیے ہیں۔ منجملہ ازاں ایک شعر یہ ہے ؎

اِنْ تَکُنْ جنة خلدٍ بِاَرْضٍ

اگر روئے زمین پر ہمیشہ رہنے والی جنت کوئی ہو

فدمشق ولا یکون سواھا

تو وہ دمشق ہے اور اس کے علاوہ کہیں اور نہیں

حضرت قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ نے ایک بڑی دلچسپ بات لکھی ہے فرماتے ہیں:

کہ ایک رئیس نے ان کی ضیافت کی، جس کمرے میں انہیں بٹھایا گیا، وہاں ایک چھوٹی پختہ نہر جاری تھی۔ انہیں اس پر تعجب ہوا تھوڑی دیر میں دسترخوان بچھ گیا تو دیکھتے کیا ہیں کہ کھانوں کی قابوں سے بھری ہوئی کشتیاں بہتی چلی آرہی ہیں، جنہیں خدام نے نکال لیا، پھر کھانا ختم ہونے پر کشتیوں میں خالی برتن رکھ کر انہیں مطبخ کی طرف بہا دیا گیا۔ ①

جسٹس امیر علی نے ہسٹری آف سیریسنز (تاریخ صحرانشینان) میں حضرت امیر المومنین یزید کا نام لیے بغیر لکھا ہے: (ترجمہ)

''دمشق میں آب رسانی کا انتظام ایسا ہے کہ مشرقی ممالک میں اب تک کوئی اس پر سبقت نہ لے جا سکا، اور یہ اموی حکمرانی کی غیر فانی یادگار ہے...... آج کے دن تک کم حیثیت سے کم حیثیت گھر کے اندر بھی پانی کا فوارہ موجود ہے جو بلا شک اموی بادشاہوں کا رہن منت ہے''۔

① العواصم من القواصم، مقدمه.

امیر علی رضی اللہ عنہ نے جہاں امیر المومنین یزید کا نام نہیں لیا وہاں اموی خلفا کرام کو بادشاہ کہا کیونکہ رفض خلفا کہنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

دنیا میں زم زم شریف کے سوتے خشک نہیں ہوتے اور ہزاروں برس سے اللہ تعالیٰ یہ معجزہ دکھا رہا ہے اور امام الانبیاء والمرسلین سیدہ ہاجرہ اور سیدنا اسماعیل صلوات اللہ وسلامہ علیہما کی یہ برکت اہل عالم کے لیے دائمی عجوبہ ہے۔

ان کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے ان کے فرزند امیر المومنین یزید اموی اور ان کے بعد حضرت سیدہ زبیدہ عباسیہ کی بھی یہ شان مقبولیت دنیا کو دکھا دی کہ ان دونوں کی بنائی ہوئی نہریں سینکڑوں سال سے جاری ہیں، اور دنیا کے لیے موجب حیرت بنی ہوئی ہیں کہ حوادث زمانہ ان پر اثر انداز نہیں۔

بارگاہ الٰہی میں سیدہ ہاجرہ اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام کے اس بیٹے اور اس بیٹی کی مقبولیت کی یہ کیسی کھلی دلیل ہے۔ یہی کرامت اللہ تعالیٰ نے ان کے ایک فرزند سیدنا عبداللہ بن عامر العبشمی رضی اللہ عنہ کو ودیعت فرمائی تھی۔

جب وہ پیدا ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گود میں لے کر انگشت مبارک ان کے منہ میں دی تو انہوں نے چوسنا شروع کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی کہ یہ بچہ پیاس بجھانے والا ہوگا اور سیدنا عامر سے فرمایا: یہ بچہ تم لوگوں سے زیادہ ہم پر پڑا ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما کی یہ کرامت تھی کہ زمین جہاں نشان لگا کر کھودنے کا حکم دیتے وہاں پانی ضرور نکلتا۔

(٦)

وہ پہلے غیر صحابی جوان ہیں جن کی کمان میں اجلہ واکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے، جہاں

جہاد کیا اور ان کے عسکری احکام کی پیروی کی وہاں سنت کے مطابق نمازیں بھی انہی کی امامت میں ادا کیں۔

ایک تو بہترین ماحول میں ان کی تربیت اور پھر مہینوں اتنے بہت سے خاصان خدا کی معیت کے انوار و برکات نے انہیں ایسا کندن بنا دیا کہ پوری امت ان کی عظمت کی معترف ہوگئی اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی ولایت عہد اور خلافت پر اجماع کر لیا۔ یہ ہیں وہ خصائص جن میں امیر المومنین یزید منفرد ہیں۔

رضوان اللہ و سلامنا علیہم اجمعین

وفات امیر المومنین

امیر المومنین یزید علیہ الرحمۃ والرضوان، ہم عصر امت میں، اور خاص اہل دمشق میں اتنے محبوب ومحترم تھے کہ جب انہوں نے وفات پائی تو لوگوں نے انہیں قبر تک اپنے ہاتھوں پر پہنچایا۔ ہر شخص کی خواہش تھی کہ اپنے ہاتھوں پر انہیں اٹھائے۔

ودفن یزید بدمشق فی مقبرة الباب الصغیر ومات بحوارین فحمل علٰی ایدی الرجال الیها وفیها دفن ابوه معاویه ①

''اور یزید کو دمشق میں باب الصغیر کے مقبرے میں دفن کیا گیا۔ ان کی وفات حوارین میں ہوئی تھی اور لوگ انہیں مقبرے تک اپنے ہاتھوں پر لائے تھے۔ اور وہیں ان کے والد معاویہ بن مدفون ہیں''۔

ان کے ایک محب ابوبکر بن حنظلہ نے کہا ہے:

یا ایها المیت بجوارینا
اصبحت خیر الناس اجمعینا

اے وہ جس نے حوارین میں وفات پائی
تو تو سب ہی لوگوں میں بہتر شخص ہوگا

① انساب الاشراف ج ۴، ص ۶۲۔

امامت کا تعمیری انداز

حضرت امیر المومنین کو جب اطلاع ملی کہ سیدنا ابن الزبیر اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما نے تجدید بیعت سے انکار کر دیا ہے، تو خلفاء پیشین کی سنت کے مطابق انہوں نے خاموشی اختیار کر لی، اور امیر مکہ سیدنا عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ نے بھی، ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ دونوں عزت و عافیت کے ساتھ مکہ معظّمہ میں رہتے رہے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی شخص ثابت نہیں کر سکتا کہ انہوں نے نام نہاد ''شیعہ علی'' سے کوئی رابطہ قائم کرنے کی ابتدا کی تھی۔ یہ تو سبائی فتنہ پرداز تھے جنہوں نے ان کے پاس آنا جانا شروع کر دیا، اور جعلی مراسلات پیش کر کے باور کرانا چاہا کہ پورا عراق آپ کا منتظر ہے۔ اور آپ کی خلافت قائم کرنے کے تمام انتظامات مکمل کر لیے گئے ہیں۔ آپ کے پہنچتے ہی آپ کی خلافت پر تمام اہل عراق اجماع کر لیں گے۔

حضرت امیر المومنین کو جب اس سازش کی اطلاع ملی تو خود سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرنے کی بجائے، انہوں نے ان کے عم بزرگوار سیدنا عبداللہ بن العباس رضی اللہ عنہما

کو عزیزانہ انداز میں خط لکھا۔ انہیں امید تھی کہ اپنے بزرگ خاندان کے سمجھانے سے وہ عراقی فتنہ جو لوگوں کے مکائد کا اندازہ لگا لیں گے، اور فتنہ ٹل جائے گا۔

اس نجی خط کا مضمون البدایہ والنہایہ کے علاوہ ناسخ التواریخ کے شیعی مصنف نے بھی نقل کیا ہے۔

''احسبه قد جاءه رجال من اهل المشرق فمنّوه بالخلافة۔ وعندک خبر وتجربة فإن کان قد فعل فقد قطع راسخ القرابة۔ وانت کبیر اهل بیتک والمنظور الیه۔ فاکففه عن السعی فی الفرقة''۔

''مجھے لگتا ہے کہ ان کے (یعنی حسین کے) پاس مشرق سے کچھ لوگ آئے اور انہیں خلافت کی امیدیں دلائیں۔ آپ کو حالات کا علم ہے اور تجربہ۔ اگر انہوں نے ایسا کیا ہے تو قرابت کا مضبوط رشتہ توڑ دیا۔ آپ اپنے خاندان کے بزرگ ہیں اور ان کے محترم۔ تو انہیں افتراق پیدا کرنے سے روکیے''۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب میں لکھا:

''وَانِّی لارجو ان لا یکون خروج الحسین لامرٍ تکرهه۔ ولست ادعه النصیحة فی کل ما یجتمع الالفة وتطفٰی بها النائرة۔''

''میں امید رکھتا ہوں کہ حسین ایسا کوئی خروج نہیں کریں گے جو آپ کو ناگوار ہو (یعنی بیعت نہ کرنے کے علاوہ اور کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے) میں انہیں ایسی نصیحت کرنے سے باز نہیں رہوں گا، جس سے باہمی الفت برقرار رہے اور فتنے کی آگ بجھائی جا سکے۔

لیکن افسوس اور ہزار افسوس کہ اس عزیزانہ ملاطفت اور خیر خواہانہ گفت وشنید کا ان پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ سبائیہ نے سبز باغ ہی ایسے دکھائے تھے کہ وہ بالآخر ان فتنہ پرور لوگوں کے ساتھ چل پڑے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے بھی کوشش کی تھی کہ انہیں ان غداروں کے نرغے سے نکال لیں۔ انہوں نے امیر مکہ سے سرکاری طور پر یہ فرمان حاصل کر لیا تھا کہ اگر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ واپس آ جائیں تو مکہ معظّمہ میں حرمت وعافیت کے ساتھ رہتے رہیں۔ مگر ان تعمیری کوششوں کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ حتیٰ کہ انہوں نے یہ تک برداشت کر لیا کہ ان کی ہمشیر سیدہ زینب کو ان کے خاوند سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی، کیونکہ وہ بھائی کے ساتھ جانے پر مصر رہیں۔ یہ امر غور طلب ہے کہ سبائی غداروں نے ہوا کیسی باندھی تھی۔

حضرت امیر المومنین کو جب اطلاع ہوئی کہ ہر کوشش ناکام گئی اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سبائی غداروں کے ساتھ روانہ ہو گئے، تو انہوں نے امیر کوفہ عبیداللہ کو فرمان بھیجا: ①

''قد بلغنی انّ الحسین بن علی قد توجَّہ نحو العراق۔ فضع المناظر والمسالح واحترس علی الظن وخذ علی التھمة غیر ان لا تقتل الاّ من قاتلک۔ واکتب الیَّ فی کل ما یحدث من الخبر ①''

''مجھے اطلاع مل چکی ہے کہ حسین بن علی عراق کی طرف چل پڑے ہیں تو

① طبری ج ۴ ۲۸۶ طبع ۱۳۵۸ ۔

① خبر رسانی کا سیدنا معاویہ امیر المومنین رضوان اللہ وسلامنا علیہ نے ایسا بے نظیر انتظام کیا تھا کہ اس عہد میں اسے عجوبہ سمجھا گیا۔ یہ محکمہ البریل کہلاتا تھا۔

تم نگرانی کا انتظام کرو اور مسلح پہرہ لگا دو۔ جس پر شک ہو اسے نظر بند کر دو، اور جس پر فساد کا الزام ہو اسے قید کر دو۔ مگر قتل کسی کو مت کرنا جب تک وہ خود تلوار نہ اٹھائے۔ پھر جو بات سامنے آتی جائے اس کی مجھے اطلاع دیتے رہو''۔

اس فرمان خلافت کے علاوہ انہیں شیخ بنی امیہ مروان کا تہدیدی نصیحت نامہ بھی ملا۔ ①

''امابعد! فَاِنَّ الحسین بن عليٍ قد توجّه الیک۔ وھو الحسین بن فاطمة بنت رسول اللہ ﷺ وتاللہِ! ما احذ یُسلِمُه اللہ، احبَّ الینا من الحسین۔ فایّاک ان یھیّج علی نفسک ما لا یسدّہ شیءٌ ولا تنساہ العامة ولا تدع ذکرہ الٰی اٰخر الدھر ''②

''اما بعد! حسین بن علی تمہاری طرف چل پڑے ہیں۔ یاد رکھو وہ حسین ہیں رسول اللہ ﷺ کی بیٹی فاطمہ کے بیٹے۔ خدا کی قسم! خدا انہیں سلامت رکھے، ہمیں کوئی بھی حسین سے زیادہ عزیز نہیں۔ خبردار ایسا نہ ہو کہ تم نفس کے ہیجان میں ایسی کوئی بات کر بیٹھو جس کی تلافی نہ ہو سکے۔ عوام اسے بھول نہ سکیں اور قیامت تک اسی کا ذکر ہوتا رہے''۔

ایک تو امام کا فرمان پھر بزرگ خاندان کا تہدیدی نصیحت نامہ، پھر کوفہ کا نورانی ماحول یعنی اکابر واعاظم صحابہ رضی اللہ عنہم اور فقہاء کرام کا اتباع کرنے والے اہل ایمان کی بھاری اکثریت کے ہوتے ہوئے اس کا امکان کہاں تھا کہ امیر عبید اللہ کی

① ناسخ التواریخ کتاب ۲۰، ج ۲۔

② یہ روایت ایک غالی شیعی مصنف کی ہے اور ایسی کہ تمام سبائیوں اور سبائیت زدہ لوگوں پر حجت ہے۔ حضرت مروان کی جناب میں یہ نام نہاد ''سنی علماء'' جس بے ادبی کا مظاہرہ کرتے ہیں ان پر توجہ لازم ہے۔

طرف سے کوئی تخریبی کارروائی ہو سکے۔

چنانچہ ان کی سعادت مندی تھی، سلامت روی تھی اور سیاسی تدبر تھا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں کے فرزند امیر عمر بن سعد رضی اللہ عنہما اور امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے برادر نسبتی امیر شمر ذی الجوشن رحمہ اللہ کے ذریعہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے نہایت خوش آئند اور اطمینان بخش تصفیہ کرا کر اپنی دانست میں فتنے کی آگ بجھا دی اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو راضی کر لیا کہ وہ دمشق جا کر غلط فہمیاں دور کر دیں۔

مگر سبائیہ اپنی مفسدانہ اور غدارانہ حرکات سے باز کیوں آتے، اسی لیے انہوں نے وہی کیا جو سالہا سال سے کرتے چلے آرہے تھے۔یعنی جب انہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو دمشق جانے پر مصر دیکھا اور کسی طرح عہد توڑنے پر تیار نہ پایا۔تو اچانک آپ پر قاتلانہ حملہ کر دیا اور یوں کربلا کا سانحہ پیش آیا۔

اہل فکر کو سوچنا چاہیے کہ شیخ الصحابہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر المومنین یزید کے خلاف اہل مدینہ کی بغاوت کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی بڑی غداری قرار دیا تھا کہ ان کی نگاہ میں اس سے بڑا عذر نہ تھا①۔ پھر اس بارے میں وہاں کے اکابر واعاظم حضرات اور تمام بنو ہاشم ان کے ہم نوا تھے۔

ایسی صورت میں کیا یہ نہیں سوچا جا سکتا کہ اگر سانحہ کربلا کی تفصیلات وہی ہوتیں جو سبائی لوگ اور سبائیت زدہ اہل تصنیف باور کرانا چاہتے ہیں، یعنی یہ کہ واقعی سیدنا حسین کی جنگ حکومت سے ہوئی تھی، اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ بات جانتے تھے تو ان کے نزدیک سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ہاشمی ساتھیوں کی حیثیت وہی ہوتی جو مدینہ طیبہ میں بغاوت برپا کرنے والوں کی تھی یا نہروان میں کام آنے والے خوارج کی۔

① صحیح بخاری، کتاب الفتن، ج ۴، ص ۲۳۰، طبع مصر۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نہایت درجہ محبت تھی تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے اور سخت ملال تھا تو ان کی مظلومانہ شہادت پر۔ پھر یہ کہ ان کی طرف سے نفرت وحقارت کا رویہ تھا تو کوفی سبائی غداروں کے ساتھ۔

چنانچہ ملاحظہ ہو:

''عن ابی نعم قال کنت شاھداً لابن عمر وسالہ رجل عن دم البعوض فقال ممن انت؟ قال من اھل العراق۔ قال انظروا الی ھذا یسئالنی عن دم البعوض وقد قتلوا ابن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ھما ریحانتای من الدنیا ''۔ ①

''ابونعم سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن عمر کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے ان سے مچھر کے خون کا کفارہ پوچھا (یعنی حالت احرام میں) آپ نے فرمایا: ''تم کہاں کے ہو؟'' اس نے کہا: ''عراق کا'' فرمایا: ذرا اسے دیکھو مجھ سے مچھر کے خون کا کفارہ پوچھتا ہے، حالانکہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند کو قتل کیا، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ یہ دونوں اس دنیا میں میرے دو پھول ہیں (یعنی سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما)''۔

یہ کیسا بین ثبوت ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی کوئی جنگ حکومت سے نہیں ہوئی اور یہ کہ ان کے قاتل وہی عراقی فتنہ پرداز تھے جو کید ومکر اور افترا وسازش کے لیے انہیں عراق لائے تھے، کیونکہ انہوں نے عہد شکنی سے انکار کر دیا تھا اور پوری طرح جماعت میں شامل ہو کر، امیر المومنین کے پاس دمشق جانے پر مصر رہے۔

① صحیح بخاری کتاب الادب، ج ۴، ص ۵۰۔ ۵۱ طبع مصر۔

حضرت امیر المومنین کے پاس جانے کے لیے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا شام کی طرف رخ کر لینا ایسا تاریخی واقعہ ہے کہ اس کا انکار ممکن نہیں، کیونکہ مکہ معظّمہ سے کوفہ جانے والا شخص ''کربلا'' ہو کر نہیں جاتا تھا۔ بلکہ نواح کوفہ سے رخ موڑ کر جب شام کی طرف چل پڑتا تب ''کربلا'' پہنچتا تھا۔ چنانچہ ایک شیعی عالم شریف مرتضیٰ جو عَلَم الھدیٰ کہلاتے ہیں، انہوں نے الشافی میں صراحت کی ہے۔

''وقد رُوی انه علیہ السلام قال لعمرو بن سعد اختار وامنی۔ اما الرجوع الی مکان الذی اتیت منه او اضع یدی علی ید یزید فهو ابن عمی لیزی فی رایه، واما ان تسیرونی الی ثغر من ثغور المسلمین ''①

''اور یہ روایت قطعی ہے کہ انہوں علیہ السلام نے، عمرو بن سعد سے فرمایا:
''میرے بارے میں یہ تو یہ طے کرو کہ میں جہاں سے آیا ہوں وہیں کو واپس ہو جاؤں یا پھر یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں، جو میرے چچا کے فرزند ہیں تاکہ میرے بارے میں وہ اپنا عندیہ ظاہر کریں یا پھر مجھے مسلمانوں کی سرحدوں میں سے کسی سرحد تک جانے دو''۔

چنانچہ تصفیہ اسی پر ہوا کہ آپ دمشق تشریف لے جائیں۔ اب ایک اور غالی رافضی نے اپنے افسانوی طرز بیان کے مطابق یہ واقعہ یوں بیان کیا ہے۔

''فسار حتی قارب الکوفه فلقیه حر بن یزید الریاحی فی الف فارس فاراد دخوله الکوفه فامتنع وعدل نحو الشام قاصداً الی یزید بن معاویه لعنه الله۔ فلما صار الی کربلاء منعوه من المصیر وارسلوا ثلاثین الفاً علیهم عمر بن سعد بن ابی وقاص واردوه

① ص ۱۷۱ طبع ایران۔

علی دخول الکوفة والنزول علی حکم عبید اللہ بن زیاد لعنه اللہ فامتنع واختار المضی نحو یزید لعنه اللہ۔ "①

''وہ چلتے رہے تا آنکہ کوفے کے قریب پہنچ گئے تو حر بن یزید ریاحی ہزار سواروں کے ساتھ آ گیا اور انہیں کوفہ لے جانا چاہا تو آپ نے انکار کر دیا اور شام کی طرف روانہ ہو گئے یزید بن معاویہ کے پاس جانے کے لیے لعنہ اللہ۔ جب وہ کربلا پہنچ گئے تو ان لوگوں نے انہیں آگے جانے سے روک دیا اور تیس ہزار فوج بھیج دی جو عمر بن سعد بن ابی وقاص کی کمان میں تھی اور انہیں کوفہ چلنے اور عبید اللہ بن زاد لعنہ اللہ کی مرضی کا پابند بنانا چاہا۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور یزید بن معاویہ لعنہ اللہ کے پاس جانا اختیار کر لیا۔ (گویا جنگ چھڑنے کی یہ وجہ تھی)''۔

ایک ہزار فوج پہلے آئی تھی اور تیس ہزار فوج بعد میں آئی۔ یہ کم سے کم تعداد ہے جو سبائی روای بیان کرتے ہیں۔ اور اس طرح مہا بھارت کا نقشہ جم گیا۔

مگر بھول گئے کہ ساری امت خاموش رہی اور بعد کے واقعات میں بنو ہاشم نے امیر المومنین یزید کا ساتھ دیا۔ اگر واقعہ یوں ہوتا جیسا بیان کیا جاتا ہے تو تمام عالم اسلام میں آگ لگ جاتی اور راموی خلافت مبارکہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی جاتی۔

---

① عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۱۷۹ طبع لکھنو۔

سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما

سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما جب تک خاموش تھے، حکومت بھی خاموش رہی، اور ان سے کچھ تعرض نہ کیا۔ لیکن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے روانہ ہونے کے بعد جب سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے لیے میدان صاف ہوگیا، تو انہوں نے خفیہ خفیہ اپنی تدبیریں شروع کر دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امیر مکہ نے ان پر نگرانی قائم کر دی۔ اس پر برافروختہ ہو کر انہوں نے حضرت امیر المومنین کو لکھا کہ اس سخت گیر شخص کی بجائے، کوئی نرم خو والی بھیج دیں، اور امیر المومنین نے رفع شر کے لیے ایسا ہی کیا۔

لیکن نتیجہ الٹا نکلا اور سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ جب حضرت امیر المومنین کو اس کی اطلاع ہوئی کہ ان کی ملاطفت کا نتیجہ غلط نکلا تو تادیبی کارروائی کی بجائے انہوں نے انہیں عزیزانہ اور مخلصانہ انداز میں خط لکھا۔

''فاذکّرک اللہ فی نفسک فانت ذو سنّ من قریش۔ وقد مضٰی لک سلف صالح وقدم صدقٍ من اجتہاد وعبادۃ۔ فاربب صالح ما مضٰی ولا تبطل ما قدمت من حسنٍ۔ وادخل فیما دخل فیھا الناس ولا تردّھم فی فتنۃ ولا تحل حرم اللہ ''①

''میں آپ کو خود آپ کے لیے اللہ کی یاد دلاتا ہوں، آپ قریش میں پختہ عمر کے ہیں اور آپ کا ماضی اچھا گزرا ہے مجاہدات اور عبادات میں آپ

① البلاذری انساب الاشراف، ج ۴، ص ۱۶۔

خلوص کے ساتھ ثابت قدم رہے ہیں، تو اس اچھے ماضی کی پرداخت میں لگے رہیے اور جو نیکیاں کمائی ہیں انہیں ضائع مت کیجیے، جس نظام میں سب لوگ داخل ہو گئے ہیں، اس میں آپ بھی داخل ہو جایئے اور لوگوں کو فتنے میں مبتلا مت کیجیے اور حرم الٰہی کی بے حرمتی سے بچیے''۔

مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ بلکہ امت پر مصائب ٹوٹے اور جو انجام ہونا تھا وہ ہوا۔ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے اقدام کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا۔ صحاح میں جہاں کہیں ان کی سرگرمیوں کا ذکر ہے فتنہ ابن الزبیر ہی کی حیثیت سے ہے۔

سبائیہ سے سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کا کچھ تعلق نہ تھا، اور سبائیہ کو بھی ان کے اقدامات سے کچھ دلچسپی نہیں رہی، حالانکہ امیر المومنین یزید کے سلسلے میں ابتداء وہ بھی حضرت حسین کے ہم نوا تھے۔ لیکن سبائیہ جو کچھ کر رہے تھے وہ دعوت قرآن کے مقابلے میں تھا اور سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے تمام اقدامات محض اجتہادی تھے جہاں وہ خود کو دوسروں کے مقابلے میں خلافت کا زیادہ اہل سمجھتے تھے۔

جہاد روم

صحیح بخاری کی ایک روایت ہے۔

''قال عمیر فحدَّثتنا ام حرام انها سمعت النبی ﷺ یقول اول جیش من امتی یغزون البحر فقد اوجبوا۔ قالت ام حرام قلت: یا رسول اللہ انا فیهم قال: انت فیهم۔ قالت ثم قال النبی ﷺ اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم فقلت انا فیهم یا رسول اللہ قال لا'' ①

''عمیر کہتے ہیں ہم سے (سیدہ) ام حرام (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ میری امت کا لشکر جو بحری جہاد کرے گا ان پر جنت واجب ہوگی۔ (حضرت) ام حرام فرماتی ہیں میں نے عرض کیا: ''کیا میں ان میں ہوں گی یا رسول اللہ ﷺ'' تو فرمایا: ''تم بھی ان میں ہوگی''۔ فرماتی ہیں: پھر نبی ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا وہ سب بخش دیئے گئے''۔ میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں ان میں ہوں گی''۔ فرمایا: ''نہیں''۔

اس سلسلے میں ایک اور حدیث ہے:

''عن انس بن مالک قال حدثتنی ام حرام ان النبی ﷺ قال یوماً

① کتاب الجهاد، باب ما قیل فی قتال الروم.

فی بیتھا فاستیقظ وھو یضحک۔ قالت یا رسول اللہ ﷺ ما یُضحِکک۔ قال عجبت من قوم من امتی یرکبون البحر کالملوک علی الاسرّۃ۔ فقلت یا رسول اللہ ﷺ ادع اللہ ان یجعلنی منھم قال انت فیھم ثم نام فاستیقظ وھو یضحک فقال مثل ذلک مرتین او ثلٰثا۔ قلت یا رسول اللہ ﷺ ادع اللہ ان یجعلنی منھم فیقول انت من الاولین ''①

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں مجھ سے ام حرام نے فرمایا کہ ایک دن نبی ﷺ نے میرے ہاں قیلولہ فرمایا۔ پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے۔ انہوں نے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ کو ہنسی کس بات پر آئی۔ فرمایا: ''مجھے یہ بات بڑی خوشگوار لگی کہ میری امت کے کچھ لوگ شاہانہ انداز میں بحری سفر کر رہے ہیں''۔ میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! دعا کیجیے میں ان میں ہوں''۔ فرمایا: ''تم ان میں ہو''۔ پھر آپ سو گئے اور اسی طرح ہنستے ہوئے اٹھے اور ایسی ہی بات دو تین بار کہی۔ میں عرض کرتی گئی ''یا رسول اللہ ﷺ! دعا کیجیے کہ میں ان میں ہوں اور آپ فرماتے رہے تم تو پہلوں ہی میں ہو''۔

ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کو آپ کی امت کے عظیم مجاہدوں کے دو تین جہادی کارناموں کا نظارہ کرایا گیا تھا۔ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا پہلے جہاد میں تھیں۔ یہ بحری جہاد سیدنا امیر المومنین عثمان رضوان اللہ وسلامہ علیہ کے زمانے میں، بحریہ کے بانی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں ہوا اور قبرص کا غزوہ کہلاتا ہے۔ سیدہ ام حرام اپنے خاوند

① صحیح بخاری، باب رکوب البحر۔

سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی معیت میں گئی تھیں اور واپسی کے وقت گھوڑے سے گر کر شہید ہوئیں۔ مزار مبارک وہاں ہے۔ رضی اللہ عنہم

دوسرا جہاد کونسا تھا وہ اول الذکر روایت سے معلوم ہوا۔ اسے غزوۃ الروم کہتے ہیں۔ امیر یزید علیہ الرحمۃ والرضوان اس عظیم الشان جہاد میں سپہ سالار اعظم تھے۔ اجلہ واکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کی کمان میں یہ کارنامہ انجام دیا۔ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اسی غزوے میں وفات پائی اور انہی کی وصیت کے مطابق خاص فصیل کے نیچے انہیں دفن کیا گیا۔ مزار مبارک وہاں موجود ہے۔ شاید تیسرا جہاد، جس کا نظارہ حضور ﷺ کو کرایا گیا، وہ تھا غزوۃ الہند جو حضرت امیر المومنین ولید اول کے زمانے میں امیر حجاج بن یوسف کے اہتمام سے امیر محمد بن قاسم کی کمان میں ہوا، اور یوں دیارِ ہند میں فروغ دین کی راہ کھل گئی۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

اس غزوے کا حال مذکورہ بالا حدیثوں میں نہیں لیکن سنن نسائی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہے۔

''عن ابی هريرة قال وعدنا رسول الله ﷺ غزوة الهند۔ فان ادركتها انفق فيها نفسي ومالي وان قتلت كنت افضل الشهداء وان رجعت فانا ابو هريرة المحرَّر ''①

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے غزوۃ الہند کی بشارت دے رکھی ہے۔ اب اگر میں نے وہ زمانہ پایا اور جان ومال اس میں کھپایا تو یا تو قتل ہو کر بہترین شہیدوں میں ہو جاؤں گا یا پھر زندہ رہا تو جہنم سے آزاد ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تو ہوں گا ہی''۔

① كتاب الجهاد، ج ۲، ص ۲۳، طبع مجتبائی دهلی۔

راویوں کا قاعدہ ہے کہ واقعات کے سلسلے میں اگر کئی باتیں کہی گئی ہوں تو جو بات فی الوقت ضروری سمجھتے ہیں وہ بیان کر دیتے ہیں اور باقی کا ذکر نہیں کرتے۔ غزوۃ البحر کے سلسلے میں سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کی شرکت کی بات تو بیان کر دی کہ وہ پہلے غزوے میں ہوں گی لیکن دوسری تیسری بات کی تفصیل نہیں دی۔ صحیح بخاری کی جو روایت شروع میں بیان کی گئی اس میں غزوۃ قسطنطنیہ کا تو ذکر ہے، مگر غزوۃ الہند کی تفصیل نہیں۔ لیکن اس اجمال کے معنی یہ نہیں کہ جو تفصیل دوسری روایات سے ملے اس کا انکار کر دیا جائے۔

اول جیش

۴۸۔۴۹ھ میں سیدنا امیر المومنین معاویہ رضوان اللہ وسلامنا علیہ نے اپنے فرزند جلیل امیر یزید علیہ الرحمۃ والرضوان کو اس بری فوج کا سپہ سالار اعظم بنایا جس کا مقدر تھا کہ حسب بشارت نبوی قسطنطنیہ پر پہلی بار حملہ آور ہو۔

لوگوں نے طرح طرح یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ اس غزوے کے سلسلے میں امیر یزید کا نام نہ آنے پائے اور اگر مجبوراً لینا پڑے تو ان کی حیثیت کم کر کے دکھائی جائے کہ

> ''ہاں وہ تھا تو، مگر اس غزوے میں کماندار اعلیٰ وہ نہیں تھا بلکہ فلاں صاحب تھے اور فلاں صاحب''۔ کبھی کہتے ہیں وہ تو عیش وعشرت میں ڈوبا ہوا تھا اور اسے جہاد سے کچھ دلچسپی نہ تھی مگر اس کے باپ نے اسے

زبردستی فلاں صاحب کے ساتھ کر دیا تھا''۔ وغیرہ وغیرہ۔ جب اس طرح بھی کام نہ چلا تو صحیح بخاری میں غزوۃ الروم کی حدیث ہی کو مجروح کرنا چاہا کیونکہ یہ خبر واحد ہے اور اسے سوائے امام بخاری کے اور کسی نے یہ الفاظ نقل نہیں کیے۔ جب یوں بھی کام نہ چلا تو کہا گیا کہ ''یزید تھا تو سپہ سالار اعظم ہی مگر وہ لشکر پہلا نہ تھا بلکہ آخری تھا اور اس طرح وہ ''جیش اول'' میں شرکت سے محروم ہو گیا''۔

جب یوں بھی پیش نہ گئی اور محسوس ہوا کہ اس طرح وہ سب کبار وصغار صحابہ رضی اللہ عنہم جو اس غزوے میں اسی بشارت کے سبب شریک ہوئے تھے، ان کی عربی دانی پر حرف آتا ہے کہ انہوں نے ''اول جیش'' کے معنی نہ سمجھے اور پیرانہ سالی کے باوجود۔ اپنی جان کھپا نے ایسے غزوے میں شریک ہو گئے جس کے لیے بشارت نہیں دی گئی تو عجیب وغریب بلکہ جاہلانہ تاویلوں سے امیر یزید کو اس بشارت سے محروم کرنے کی کوشش میں لگ گئے جس پر تبصرہ آگے آ رہا ہے۔ ملاحظہ ہو عنوان ''مغفور لھم'' دمشق سے لے کر قسطنطنیہ تک چٹیل میدان نہ تھا کہ فوج یلغار کرتی ہوئی وہاں جا پہنچے، سیکڑوں معرکے ہوئے، پورا علاقہ رزم گاہ بنا ہوا تھا، تا آنکہ خاص دارالحکومت پر حملہ کرنے کا وقت آ گیا۔ اسی فوج کے سپہ سالار اعظم امیر یزید تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے الاستیعاب میں لکھا ہے:

''فلما ولی معاویة یزید علی الجیش الی قسطنطینیه جعل ابو ایوب یقول وما علیَّ ان امِّر علینا شاب فمَرض فی غزوة تلک۔ فدخل علیه یزید فقال له اَوْصنی۔ قال اذا مِتُّ فکفِّنونی

ثم مُرِ الناس ان یرکبوا ثم یسیروا فی ارض العدو حتی اذا لم تجدوا امساغاً فادفنونی ''①

''جب معاویہ نے یزید کو اس لشکر کا سپہ سالار بنایا جو قسطنطنیہ کی طرف بھیجا گیا تھا، تو ابوایوب فرمانے لگے مجھے اس سے کیا کہ ایک جوان کو ہم پر امیر بنایا گیا ہے''۔ پھر اسی غزوے میں انہوں نے وفات پائی، تو ان کی خدمت میں یزید حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''مجھے کچھ وصیت فرمائیے''۔ انہوں نے فرمایا: ''جب میں مرجاؤں تو کفن پہنانا۔ پھر لوگوں کو سوار ہونے کا حکم دینا کہ دشمن کے علاقے میں بڑھتے جائیں تا آنکہ آگے نہ بڑھ سکیں، تو وہاں مجھے دفن کرنا''۔

ان سے پہلے المعارف میں ہے (ص ۱۱۲) بہ ذیل عنوان ''ابوایوب''۔

''وغزا مع یزید بن معاویۃ و مات بالقسطنطینیۃ وقبر باصل سور المدینۃ وغبی قبرہ۔ قال مجاھد رحمہ اللہ امر یزید بالخیل فجعلت تقبل علیہ وتدبر حتی غُبّی۔ فاشرف اھل القسطنطینیۃ فقالوا لقد کان لکم اللیلۃ شان۔ قالوا ھذا رجل من اکابر صحابۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم و اقدمھم اسلاما وقد دفناہ حیث رایتم۔ و اللہ لئن نُبِشَ لا یُضربُ بناقوس فی ارض العرب ما کانت لنا مملکۃ۔ قال مجاھد فکانوا اذا محلوا کشفوا من قبرہ فمطروا و لہ عقب بالمدینۃ ''

''انہوں نے (یعنی سیدنا ابوایوب نے) یزید بن معاویہ کی معیت میں جہاد کیا اور قسطنطنیہ میں وفات پائی اور شہر کی فصیل کے نیچے دفن ہوئے

① بذیل مادہ ابو ایوب.

اوران کی قبر برابر کر دی گئی۔ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یزید نے حکم دیا تو گھوڑے آگے پیچھے اس پر دوڑتے رہے تا آنکہ قبر بے نشان ہو گئی۔

اہل قسطنطنیہ نے اوپر سے جھانکا اور کہا: ''رات تمہارا کیا معاملہ تھا''۔

لوگوں نے کہا: یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہ میں ہیں اور سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں۔ ہم نے انہیں یہاں دفن کیا ہے، جیسا کہ تم نے دیکھا۔ اگر انہیں قبر سے نکالا گیا تو بخدا ارض عرب میں جب تک ہماری حکومت ہے کوئی ناقوس نہ بجایا جا سکے گا۔ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب ان لوگوں کو قحط کا سامنا ہوتا، تو قبر کا غلاف اٹھا دیتے اور بارش ہو جاتی۔ ان کی نسل مدینے میں ہے۔ (انہوں نے شاید عقیدت کی بنا پر قبر کا نشان قائم کر کے اپنے شعار کے مطابق اس پر غلاف ڈال دیا تھا''۔

اسی طرح علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فیھا غزا یزید بن معاویة بلاد الروم حتی بلغ قسطنطینیة ومعه جماعات من سادات الصحابة منهم ابن عمر وابن عباس وابن الزبیر وابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہم وقد ثبت فی صحیح البخاری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان قال جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم فکان هذا اول من غزا هذا ''

''اس سال یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے بلاد روم میں جہاد کیا، تا آنکہ قسطنطنیہ پہنچ گئے، ان کے ساتھ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعتیں تھیں جن میں یہ حضرات تھے، ابن عمر، ابن عباس، ابن الزبیر اور ابوایوب انصاری (رضی اللہ عنہم) اور صحیح بخاری سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے

شک میری امت کا جو پہلا لشکر قیصر کے دارالحکومت پر حملہ کرے گا وہ سب کے سب بخش دیئے گئے'' تو یہ تھے وہ جنہوں نے پہلی بار، اس پر (یعنی قسطنطنیہ پر) حملہ کیا''۔

اس طرح طبقات الشافعیہ الکبریٰ میں ہے: ①

کہ امیر المومنین المطیع للہ رحمہ اللہ کے زمانے میں جو ضعیف ترین خلیفہ تھے اور بویہی ملاحدہ نے ان کے تمام اختیارات سلب کر لیے، انہیں شاہ روم نے ایک منظوم مراسلہ بھیجا تھا جس میں بڑی تعلیاں بگھاری گئی تھیں۔ اس کا منظوم جواب اسی زمین میں متعدد حضرات نے لکھا لیکن سب سے زیادہ کاٹ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کے جواب میں تھی، جو ویسے تو امیر المومنین یزید پر سخت تنقید کرنے والوں میں ہیں لیکن شاہ روم پر چوٹ انہوں نے اس شعر میں کی۔

اَلَیْسَ یَزِیْدُ حَلَّ وَسْطَ دِیَارِکُمْ

کیا یزید تمہارے شہروں کے درمیان

عَلٰی بَابِ قُسْطُنْطِیْنَۃَ بِالصَّوَارِمِ

قسطنطنیہ کے دروازے پر شمشیر بکف حملہ آور نہیں ہوئے تھے

ان تمام حوالوں سے وقیع تر حوالہ صحیح بخاری کا ہے ②۔

حضرت محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ جو غزوۂ قسطنطنیہ کے شرکا میں ہیں، اور جنہوں نے فتنہ حرہ کے وقت امیر مسلم بن عقبہ کے فوجی دستے کو اپنے محلے میں سے گزار کر شہر پر قبضہ کرا دیا تھا، وہ فرماتے ہیں:

① ج ۲، ص ۱۸۵، طبع مصر۔
② کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ النوافل جماعۃ۔

''فحدثتها قوماً فيهم ابو ايوب الانصاری صاحب رسول الله ﷺ
فی غزوة التی توفی فیها ويزيد بن معاوية عليهم بارض الروم ''
''میں نے یہ بات ان لوگوں کے سامنے بیان کی جن میں صحابی رسول ﷺ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی اس غزوے میں تھے، جس میں انہوں نے وفات پائی۔ اس وقت روم کے علاقے میں یزید بن معاویہ سپہ سالارِ اعظم تھے''۔

ان متواتر شہادتوں کے باوجود ''بغض یزید'' نے سبائیت زدہ لوگوں کے قلوب اس درجہ مسخ کر دیئے ہیں کہ بات کرتے وقت ہوش نہیں رہتا کہ کیا کہہ رہے اور لکھ رہے ہیں۔ ان سب سے زیادہ احمقانہ بیان یہ ہے کہ

''تھا وہ پہلا ہی لشکر اور یزید ہی اس کا سپہ سالار بھی تھا، مگر یہ بشارت کہ وہ سب کے سب بخشے ہوئے ہیں، اور شرکا کے لیے تو ہے مگر اس کے لیے نہیں کیونکہ اس نے بعد میں بڑے بڑے گناہ سمیٹے''۔

ان سب ''نکتہ شناسوں'' کے نزدیک سیدنا ابوایوب اور دوسرے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم اتنی عربی نہیں جانتے تھے کہ ''اول جیش'' کے معنی سمجھیں اور ''مغفور لھم'' کا مطلب جان لیں۔ اس موضوع پر ملاحظہ ہو عنوان ''مغفور لھم''۔

''تحقیق'' کا شاہکار

جب بغض وحسد اور نفرت میں آدمی اس حد تک غرق ہو جائے کہ اس کے قوائے فکر مفلوج ہو جائیں تب وہ ایسی بات کہہ سکتا ہے جیسی ان صاحب نے کہی جو دہلی کے صدر الصدور تھے اور شیخ الاسلام محمد کہلاتے ہیں۔ انہوں نے فارسی زبان میں صحیح بخاری کی شرح لکھی ہے۔ یہ صاحب اس دور کے ہیں جب دہلی اور لکھنو پر روافض کا غلبہ تھا اور یزید کا نام لینا صرف لعنت کے ساتھ تھا۔

نعمانی صاحب نے بڑی طمطراق سے یہ بیان اپنی کتاب میں مع ترجمہ یوں لکھا ہے۔ (ص ۳۲)

> ''وبعضے تجویز کنند کہ مراد ''بمدینہ قیصر'' مدینہ باشد کہ قیصر درآنجا بود روزے کہ فرمود ایں حدیث را آنحضرت وآں حمص است کہ درآں وقت دار مملکت او بود واللہ اعلم''
>
> ''اور بعض علماء کی تجویز ہے کہ شہر قیصر سے مراد وہی شہر ہے کہ جہاں قیصر اس روز تھا کہ جس روز آنحضرت ﷺ نے یہ حدیث بیان فرمائی تھی اور یہ شہر حمص تھا جو اس وقت قیصر کا دار السلطنت تھا۔ واللہ اعلم''۔

عربی تلفظ کے مطابق **قسطنطین اعظم** کی حکومت میں جہاں یورپ کا ''روما'' تھا وہاں ایشیا کا حمص بھی تھا۔ اس لیے اس نے مغرب ومشرق کے براعظموں کے اتصال پر ایک شہر بسایا تا کہ دونوں براعظموں کے علاقوں پر نگرانی اس کے لیے

آسان ہو اور اس شہر کی مرکزی حیثیت اس کی مملکت میں مسلم ہو جائے۔ اپنے سیاسی تدبر اور شہر کی اہمیت قائم کرنے کے لیے اس شہر کا نام اس نے اپنے ہی نام پر قسطنطنیہ رکھا۔

کیسا احمقانہ ہوگا یہ تصور کہ جس غایت درجہ اہمیت کی بنا پر جو شہر اس طرح بسایا گیا اور مزید اہمیت دینے کے لیے **قسطنطین** نے اسے اپنا نام دیا، وہ اس کا دار الحکومت ہو نہیں بلکہ ایشیا کے اندرونی علاقے کا ایک شہر ہو، محض اس لیے کہ دفاعی غرض سے وہ اپنی فوجیں لیے وہاں پڑا تھا۔

اگر منطق یوں ہی لڑانی ہے تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیصر کے مقابلے کے لیے نکلے اور تبوک میں قیام فرمایا، تو اسی وقت ''مدینۃ النبی'' تبوک ہو گیا اور جو حقیقی مدینۃ النبی تھا اس کی مرکزیت ختم ہو گئی۔

پھر یہ بھی ماننا ہوگا کہ جو کبار و صغار صحابہ رضی اللہ عنہم اس وقت حضرت امیر یزید کی کمان میں قسطنطنیہ کی طرف بڑھ رہے تھے، تو کسی نے یہ کیوں نہ کہا کہ ''مدینۃ قیصر'' تو پیچھے رہ گیا، آپ حضرات قسطنطنیہ کی طرف بڑھ کر اپنے آپ کو ''**مغفور لھم**'' کی بشارت سے کیوں محروم کرنا چاہتے ہیں۔

سیدنا ابن الزبیر اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما دونوں اس لشکر میں تھے۔ لیکن دونوں کے اجتہاد کو جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماعی موقف کے مقابلے میں حق و صواب بتانے والے حضرات نے یہاں کیوں چپ سادھ لی، اور اس اجماعی فیصلے کی اہمیت کیوں تسلیم کر لی۔ ''یزید تو جیسا تھا ویسا تھا'' انہوں نے ''اس کی قیادت'' کیوں تسلیم کر لی۔ حمص کی طرف بڑھتے تو ایک اور اجتہاد سامنے آتا۔ اور سب اہل علم جان لیتے کہ لغت، عرف اور اشعار عرب اور آثار و احادیث سے ثبوت تو اس کا ملتا ہے کہ ''مدینہ قیصر'' حمص ہے اور قسطنطنیہ نہیں۔

نعمانی صاحب اور دوسرے سبائیت زدہ حضرات کو اگر قسطنطین اور قسطنطنیہ میں عربیت نظر نہ آئے اور صحیح بخاری اور دوسرے آثار سے ''مدینہ قیصر'' سے مراد قسطنطنیہ سمجھنے میں دقت ہو تو ان کی خدمت میں یہ دو شعر حاضر ہیں، جن میں سے ایک اوپر مذکور ہوا یعنی یہ کہ حضرت امیر المومنین المطیع للہ رحمہ اللہ جو ضعیف ترین خلیفہ تھے اور بویہی ملاحدہ نے انہیں ان کے تمام اختیارات سے محروم کر رکھا تھا، اسی لیے شاہ روم کو جرات ہوئی کہ وہ ان کے نام ایک قصیدہ بھیجے جس میں بڑی بڑی تعلیاں بگھاری گئی تھیں۔

اس کے جواب میں متعدد حضرات نے اسی زمین میں اور اسی قافیے کے ساتھ قصیدے لکھے، مگر سب سے زیادہ کاٹ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کے قصیدے میں تھی۔ یوں تو ابن حزم رحمہ اللہ امیر المومنین یزید کو بہت مطعون کرتے تھے مگر انہوں نے اپنے قصیدے میں یہ شعر بھی لکھے۔ ①

الیس یزید حلَّ وسط دیارکم

کیا یزید تمہارے علاقوں میں درّانہ پیش قدمی کرتے

علی باب قسطنطینیة بالصوارم

قسطنطنیہ کے دروازے پر شمشیر بکف نہیں پہنچے تھے

ومسلمة قد داسها بعد ذاکم

اور اس کے بعد مسلمہ (ابن عبدالملک) نے روند ڈالا

کجیش لهام کاللیوث الصراغم

جیسے ان کا لشکر شیروں کا مہیب انبوہ ہو

---

① طبقات الشافعیه الکبری ج ۲، ص ۸۵ .

تین نوجوان سالار

پہلا نوجوان سالار:

حضور ﷺ کی حیات ارضی کا آخری وقت ہے کہ آپ کے حکم سے ایک لشکر جرار شام کی طرف روانہ کرنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ اس لشکر میں اکابر واعاظم صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں حتی کہ سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما بھی۔ لیکن اس لشکر کا سالار ایک نوجوان ہے جسے عسکری قیادت کا کچھ تجربہ نہ تھا اور طبقے کے اعتبار سے وہ پچھلوں سے پچھلوں میں بھی نہیں۔

یہ ہیں سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ جنہیں حضور ﷺ نے اپنے پوتے کی طرح پالا تھا، اور جو حب النبی کہلاتے تھے (نبی کا لاڈلا)۔ ابھی یہ لشکر منظم ہو جانے کے باوجود روانہ نہیں ہوا تھا کہ حضور ﷺ نے وفات پائی اور مدینہ غم واندوہ میں ڈوب گیا۔

لیکن ایک کوہ استقامت تھا جس نے بے مثال عزیمت سے جہاں شہر کے حالات سنبھال لیے وہاں اس لشکر کو روانہ ہونے کا حکم بھی دیا۔ یہ تھے سیدنا صدیق اکبر خلیفہ رسول اللہ ﷺ۔

اس وقت قرب وجوار کے قبائل میں جذبہ ابھرا کہ مدینہ طیبہ پر حملہ کریں اور ایرانی سرحدوں کے متصل جو عرب قبائل تھے ان میں ارتداد کی لہر دوڑ گئی، اس کے باوجود یہ لشکر روانہ کر دیا گیا اور کس شان سے کہ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ سوار ہیں اور وہ شخص ان کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہا ہے جو مسلمانوں کے نزدیک انبیا ورسل

کے بعد سرآمد اہل ایمان تھا اور اہل عالم کے نزدیک ایک شہنشاہ۔

اس لشکر کے اس طرح روانہ ہونے سے ان لوگوں کی تمناؤں پر اوس پڑ گئی جو سمجھتے تھے کہ مرکز کمزور ہو گیا ہے اور ہم اس پر قابو پا لیں گے۔

سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ جاتے ہیں، اور وہاں سے کامران واپس آتے ہیں اور یوں اہل عالم پر، امت کی ایسی دھاک بیٹھ جاتی ہے کہ چھ مہینے کے اندر اندر عرب کا فتنہ فرو ہو جاتا ہے۔ پھر ایران کی سازشوں کے توڑ کے لیے عساکر اسلامیہ سیدنا خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں سرزمین عجم پر پیش قدمی کرتے ہیں، اور یوں فتح ایران کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔

بہرحال دنیا نے دیکھ لیا کہ بظاہر عسکری امور میں ناتجربہ کار ایک نوجوان کس طرح اپنی جلادت (طبعی سختی) وعزیمت سے پانسہ پلٹ دیتا ہے اور بڑی بڑی حکومتیں دیکھ لیتی ہیں کہ ان کا مستقبل تاریک ہو گیا۔

دوسرا نوجوان سالار:

پھر وقت آتا ہے کہ جس طرح پہلے نوجوان نے ایران کی مجوسی حکومت کا تختہ الٹ دینے کی راہ ہموار کر دی تھی اسی طرح اب ایک دوسرا نوجوان آگے بڑھے اور رومیوں کی حکومت کو للکارے۔

اس نوجوان کی کمان میں بھی وہی عظیم المرتبت خاصان خدا کی ایک جماعت ہے جو سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں جاں نثاری کے لیے آئی تھی۔ اس نوجوان کی عزیمت وجلادت وجرات کے وہ مناظر دنیا کے سامنے آئے کہ خود بخود قلوب اس کی طرف جھک گئے اور اسے فتی العرب کہا جانے لگا۔

اس مقبولیت کا ظہور اس طرح ہوا کہ عالم اسلام کے نمائندوں نے کثرت

رائے سے یہ طے کر دیا کہ ہونے والا خلیفہ اسی نوجوان کو بنایا جائے۔ پھر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، صنادید اسلام اور ساری امت نے اپنے اجماع سے اسے ولی عہد المسلمین بنا دیا۔

یہ تھے دوسرے نوجوان سالار امیر یزید رحمہ اللہ طبقے کے اعتبار سے ان کا درجہ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ سے بھی کم ہے، مگر شخصی فضائل ایسے ہیں کہ اکابر واعاظم صحابہ رضی اللہ عنہم اور قبائل عرب کے سرکردہ امرا کے علاوہ، حضرات امہات المومنین رضی اللہ عنہن نے بھی اس نوجوان کی ولایت عہد کی تائید کی۔

یہ پہلا امام المسلمین تھا جسے اس منصب پر فائز کرنے کے لیے ایسے وسیع ترین پیمانے پر استصواب رائے کیا گیا کہ اس سے پہلے کسی کے لیے نہیں ہوا تھا۔ اسی لیے شیخ الصحابہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کے خلاف کھڑے ہونے والوں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی بڑی غداری کا مرتکب قرار دیا تھا کہ ان کی نگاہ میں اس سے بڑا کوئی غدر نہیں ہوسکتا۔

تیسرا نوجوان سالار

اب زمانہ اور آگے بڑھا۔ حضرت امیر المومنین الولید علیہ الرحمۃ والرضوان کا عہد مبارک تھا کہ سندھ کے راجہ داہر کے اشارے پر حاجیوں کا جہاز لوٹ لیا گیا، اور مسافروں کو قید کرلیا۔

امیر العراقین حضرت امیر حجاج رحمہ اللہ نے اسے تہدیدی پیام بھیجا، اور مطالبہ کیا کہ قیدیوں کو رہا کرے اور نقصان کا تاوان دے مگر وہ طاقت کے نشے میں چور تھا۔ اس نے پزیرائی نہیں کی تو حضرت امیر المومنین کے فرمان کے مطابق راجہ داہر کی سرکوبی کے لیے حضرت امیر حجاج نے رضا کاروں کی فوج تیار کی، کیونکہ باقاعدہ

فوجیں دوسرے محاذوں پر مشغول تھیں۔

اس فوج کا سالار بھی ایک جواں سال ناتجربہ کار شخص کو بنایا گیا، جس نے نہ محض راجہ داہر کو شکست دی بلکہ ملتان تک کا علاقہ فتح کر کے فروغ دین کی راہیں ہموار کر دیں۔ پھر مفتوحہ علاقے میں ایسا نظام عدل وحریت قائم کیا کہ مفتوحوں کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا۔

یہ تھے حضرت امیر محمد بن قاسم رحمہ اللہ۔ انہوں نے اہل ہند کو عملاً بتایا کہ نظام اسلام کیا ہے اور کس طرح مملکت کو تمام شہری مل کر چلاتے ہیں۔ فاتح اور مفتوح کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ اپنے اپنے دین پر قائم رہ کر فلاح عام کے لیے سب شہری مل جل کر کام کریں، تو امن واستحکام نصیب ہو۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اہل سندھ نے انہیں محض اپنا نجات دہندہ ہی نہیں جانا بلکہ ان کی اخلاقی اور روحانی رفعت کے سبب انہیں مافوق البشر باور کر کے انہیں دیوتا کی حیثیت دے دی حتی کہ مندروں میں ان کے بت نصب کیے گئے۔

یہ ہیں وہ تین نوجوان جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں تاریخ کا دھارا موڑ دیا اور ہم عصروں میں ان کی عسکری قابلیت انتظامی مہارت اور کردار کی رفعت کے سبب ایسا شہرہ دوام عطا ہوا کہ بہت سے لوگوں کے لیے موجب رشک ہے۔

امت میں ان تینوں کی مقبولیت ومجبوبیت پر اگر پیچ وتاب کھاتے ہیں تو سبائیہ اور ان کی پیروی میں وہ سبائیت زدہ لوگ جنہیں مجوسی الاصل اور یہودی نژاد سبائی راویوں کی روایات پر تو اعتماد ہے، اور نہیں ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، دو براعظموں میں پھیلی ہوئی ہم عصر امت پر، اور تاریخ کے ناقابل تردید حقائق پر۔

مَغْفُورٌ لَّهُمْ
(وہ سب بخش دیئے گئے)

مغفرت کا تعلق یک گونہ زمینی زندگی سے بھی ہے، مگر اس کا حقیقی ظہور آخرت میں ہو گا۔ یعنی جن حضرات کے بخشے ہوئے ہونے کی بشارت دے دی گئی، ان کی آخرت ہر اعتبار سے محفوظ ہوگئی۔

صحیح بخاری اور نسائی سے جہاد روم اور جہاد ہند کے سلسلے میں جو احادیث اوپر گزریں، ان کے مطابق یہ بات ثابت ہوگئی کہ جن حضرات نے بحری جہاد کا سلسلہ شروع کیا، اور جو پہلی بار قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوئے اور وہ حضرات جنہوں نے دیار ہند میں جہاد کا سلسلہ شروع کیا، ان کا قطعی طور پر جنتی ہونا اور ہر قسم کی باز پرس سے آخرت میں محفوظ رہنا مسلم ہو گیا۔

جیسا کہ مذکور ہوا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عہد عثمانی میں بحری جہاد کا سلسلہ شروع کیا، اور پھر خود اپنے زمانے میں جہاد روم کا سلسلہ شروع کرتے وقت اپنے فرزند ارجمند امیر یزید کو سپہ سالار اعظم بنایا، تو اجلہ واکابر مجاہدین کے علاوہ سیدنا ابن الزبیر اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم بھی اس لشکر میں تھے۔ یہ تھا قسطنطنیہ پر پہلا حملہ۔

چونکہ یہ بری جہاد آیات الٰہیہ میں ہے اور اس کے شرکا کو مغفرت کی بشارت دے دی گئی ہے، اس لیے سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ جیسے عمر رسیدہ بزرگ اور ان کے عظیم المرتبت ساتھیوں کے علاوہ ان کے دامن سے وابستہ اہل ایمان نے پورے جوش

اور جذبے سے اس جہاد میں شرکت کی۔ اور اسے منشا الٰہی دنیوی کی بجا آوری جانا۔

یہ تو تھا فہم صحابہ رضی اللہ عنہم لیکن سبائی روایتوں کے چکر میں سرگرداں لوگوں پر یہ امر شاق ہے، کیونکہ اس طرح امیر المومنین یزید کو اولیاء اللہ میں تسلیم کرنا ہوگا اور مقبولان بارگاہ الٰہی میں ماننا پڑے گا، جو تقیہ بازراویوں اور سبائیت زدہ لوگوں کو کسی طرح گوارا نہیں۔

عجیب بات ہے کہ تمام امور میں یہ ''علما'' اللہ کی کتاب، رسول اللہ ﷺ کی سنت جامعہ، اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کو دلیل راہ بتاتے ہیں، مگر جہاں خلفا اور خلافت کا ذکر ہوا وہاں سب کچھ فراموش کر دیا جاتا ہے اور دماغوں میں گونج ہوتی ہے تو سبائی روایتوں کی۔

جہاد قسطنطنیہ میں اگر عساکر اسلامیہ کے کماندار اعلیٰ امیر یزید نہ ہوتے تو یہی حضرات بڑی عقیدت سے تسلیم کر لیتے کہ اس جہاد کے تمام شرکا کی آخرت ہر طرح محفوظ ہوگئی اور وہ سب اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں میں ہیں۔

مگر جہاں معاملہ آن پڑا ہے ''یزید پلید'' پر جنت کے دروازے بند کرنے کا، اس لیے تمام شرکا میں سے صرف انہی کو معرض بحث بنا دیا گیا ہے، اور عقل وخرد کو خیر باد کہہ کر ایسی ایسی رکیک باتیں کہی جاتی ہیں کہ تعجب ہوتا ہے کیونکہ جن امور میں انہیں مطعون کیا جاتا ہے وہاں ہم عصر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم اور دو براعظموں میں پھیلے ہوئے سب اہل فکر کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ ان صاحبوں کو جب معلوم ہے کہ مغفرت اس کی ہوتی ہے جو اس کا اہل ہو، تو کیا اس اہلیت کا علم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو نہ تھا؟ یعنی جب اس جہاد کا نظارہ حضور ﷺ کو کرایا گیا، تو کیا آپ اس وقت یہ نہ دیکھ سکے کہ ان مجاہدوں میں ایک ایسا شخص بھی تھا جسے اپنے آپ کو مغفرت کا اہل ثابت

کرنے کے لیے بعد کے لوگوں کا صداقت نامہ درکار ہوگا۔

جب حدیث کی صحت میں شک نہیں، اوران حضرات نے شک کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی جنہوں نے اس بشارت کے تحت امیر یزید کی قیادت تسلیم کر کے اس عظیم الشان جہاد میں جان و مال کی بازی لگائی، تو عقل ایمانی کا تقاضا اس کے علاوہ اور کیا ہوتا کہ سبائی روایات اور سبائیت زدہ لوگوں کی ہفوات دیوار پر ماردی جاتیں اور صمیم قلب سے یک جان ہو کر کہا جاتا صدق اللہ ورسولہ۔

مگر دیدنی ہے یہ بات کہ زیر نظر حدیث کے تحت جہاں فتح الباری میں سیدنا مہلب رضی اللہ عنہ کا یہ صحیح اور حقیقت پسندانہ بیان منقول ہے کہ یہ حدیث سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند کی منقبت میں ہے۔ ابن التین اور ابن المنیر کا ایک واہی تعلیقہ بھی درج ہے، جس کا خلاصہ ہمارے زیر نظر نسخے کے حواشی میں ایک صاحب نے یوں دیا ہے:

''انه لا یلزم فی دخوله فی هذا العموم ان لا یخرج بدلیل خاص ولا یختلف اهل العلم انَّ قوله ''مغفور لهم'' مشروط بان یکونوا من اهل المغفرة حتی لو ارتدَّ واحد ممن غزاها بعدَ ذالک لم یدخل فی ذالک العموم''

''اس عموم میں ان کے (یعنی امیر یزید کے) داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی خاص دلیل کی بنا پر وہ اس سے خارج نہیں ہو سکتے۔ اس بارے میں اہل علم کا اختلاف نہیں کہ (فرمان نبوی) مغفور لهم اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ مغفرت کے اہل ہوں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص جو ان لوگوں کے ساتھ اس جہاد میں شریک ہوا، اور پھر مرتد ہو گیا تو اس عموم میں شامل نہیں رہے گا''۔

ابن السین اور ابن المنیر کا یہ تصور کس قدر لغو اور لچر ہے بلکہ سخاوت عقل پر دال کہ جو لوگ منشا نبوت پورا کرنے کے لیے کسی جہاد میں جان و مال کی بازی لگائیں اور انہیں نبی ﷺ اللہ کے فرمان مطابق جنتی ہونے کی بشارت دیں، ان میں سے کوئی شخص مرتد ہو سکتا ہے۔

کیسی ہے ان لوگوں کی جرات کہ جس گروہ باصفا کے مغفور لھم ہونے کی بشارت حضور ﷺ دیں اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بشارت کا وہی مفہوم لیں جو اللہ اور اس کے رسول کا ہے، ان میں سے کسی شخص کے مغفور لھم میں شامل نہ ہونے کا ثبوت دینے کے لیے ایسی سفیہانہ باتیں کی جائیں حالانکہ اللہ فرماتا ہے:

''لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ''

''نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند مت کرو''۔

ایک عالمانہ باریکی

غزوۃ الروم کے تحت حضور ﷺ نے بحری جہاد کی ابتدا کرنے والوں کے لیے فرمایا:

''قداوجبوا''۔''انہیں جنت واجب ہوگئی''۔

یعنی وہ سب حضرات نجات یافتہ ہیں اور رضا الٰہی کے مستحق۔ لیکن جہاد قسطنطنیہ کے شرکا کے لیے فرمایا: ''مغفور لھم''(وہ بخش دیئے گئے)

یہاں باریکی یہ پیدا کی گئی ہے کہ ''قداوجبوا'' کے تحت وہ سب نجات یافتہ

ہیں، اور ہر طرح نعماءِ جنت سے لطف اندوزی، ان کا مقدر ہے، مگر جن لوگوں کے لیے ہے ''مغفور لھم'' تو ان کے پچھلے معاصی تو معاف ہو جائیں گے مگر اگلے معاصی کے سبب ان کی گرفت ہو گی۔ یعنی اللہ چاہے تو معاف کر دے اور چاہے تو عذاب دے۔

یہ باریکی جن صاحب نے بھی پیدا کی ہو، سبائیت زدہ لوگوں کو بہت پسند آئی، اور برابر یہی توجیہہ کر کے زبان دانی کا سکہ بٹھانا چاہتے ہیں۔ اور سب تگ و دو محض اس لیے ہے کہ امیر المومنین یزید کا قطعی طور پر جنتی ہونا مشکوک ہو جائے۔

ان میں سے کسی شیخ الحدیث کی بابت یہ تو سوچا نہیں جا سکتا کہ انہوں نے صحیح بخاری کا دورہ کرنے کے علاوہ کبھی احادیث پر غور نہیں کیا ہو گا، لیکن محسوس ایسا ہوتا ہے کہ واقعی غور نہیں کیا۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عربی زبان سکھانے کی جرات نہ کرتے۔①

اہل بدر کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''......لعل اللہ اطلع الی اھل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد وجبت لکم الجنۃ او قد غفرت لکم''②

''اللہ نے اہل بدر کے دلوں کا حال جان لیا ہو گا تب ہی تو فرمایا ہے ''جو چاہو کرو، جنت تمہارے لیے واجب ہو گئی''۔ یا فرمایا: ''میں تمہیں بخش چکا''۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو ارشادِ الٰہی ان الفاظ میں بیان کیا

''اعملوا ما شئتم فقد وجبت لکم الجنۃ''

''جو چاہو کرو، جنت تمہارا مقدر ہو چکی''۔

①② ملاحظہ ہو: صحیح بخاری کتاب المغازی۔

یا یوں فرمایا:

''اعملوا ما شئتم او قد غفرت لکم''

''جو چاہو کرو میں تمہیں بخش چکا''۔

گویا ''اعملوا ما شئتم'' دونوں صورتوں میں ہے اور یہاں نجات پانے کے لیے نہ پچھلے اعمال کا کچھ ذکر ہے اور نہ اگلے اعمال کا۔ موجب غفران اور مستوجب مغفرت صرف غزوہ بدر میں شرکت ہے۔

شرط مغفرت

بشارت دو قسم کی ہوتی ہے، ایک عام اور ایک خاص۔ عام بشارت تو یہ ہے کہ جس شخص کا ایمان صحیح ہوگا اور اعمال صالح، اس کو بخش دیا جائے۔ لیکن دوسری بشارت ہوتی ہے خاص خاص اور متعین و معلوم اشخاص کے لیے جیسے اصحاب بدر ہیں، یا اصحاب بیعۃ الرضوان ہیں۔ وغیرہم رضی اللہ عنہم

اب ملاحظہ ہو ایک اور ''شیخ الحدیث'' کی منطق ①

''جہاد قسطنطنیہ والی حدیث بشارت و مغفرت کے عموم میں یزید بھی شامل تھا، جس کے معنی یہ ہوئے کہ اس کے وقت تک کے احوال و اعمال مقبول یا مغفور تھے۔ جب وہ بدلے تو طبعاً وہ بشارت بھی اس کے حق میں نہ رہی ......

① شہید کربلا و یزید، ص ۱۵۷۔

پس جب یزید کا حال اچھا تھا بشارت قائم تھی جب بدل گیا تو بشارت بھی اٹھ گئی۔ اب سوال اگر رہ جاتا ہے تو یہ کہ احوال بدلے یا وہی سابقہ باقی رہے تو اس کا فیصلہ تاریخ نے کر دیا کہ بدل گئے''۔

اب ان صاحب سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا انہیں سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ اور سیدنا مسطح رضی اللہ عنہما کی بابت بھی یہ کہنے کی جرات ہے کہ

''حدیث بشارت کے عموم میں وہ بھی داخل تھے۔ لیکن جب ان کے احوال بدلے تو بشارت بھی اٹھ گئی۔ رہی یہ بات کہ احوال واقعی بدلے یا وہی سابق رہے تو اس کا فیصلہ تاریخ نے کر دیا، بلکہ خود قرآن نے، کہ بدل گئے''۔

سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ جو بدری ہیں انہوں نے قریش کو یہ خفیہ اطلاع بھیج دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک لشکر جرار کے ساتھ مکہ معظمہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ اطلاع مل گئی اور یوں قاصد پکڑا گیا۔ یہ ایک ایسا جرم تھا کہ اس پر قتل تک کی سزا دی جا سکتی تھی۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''**فقال عمر رضی اللہ عنہ انه خان الله ورسوله صلی اللہ علیہ وسلم والمومنين فدعني لا ضرب عنقه فقال اليس من اهل بدرٍ......**''[1]

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان سے غداری کی ہے تو اجازت دیجیے کہ اس کی گردن مار دوں۔ فرمایا: ''کیا وہ اہل بدر میں نہیں''۔

مملکت کا راز دشمن تک پہنچانے کی کوشش جیسے سخت ترین جرم کے ارتکاب کے

---

[1] صحیح بخاری کتاب المغازی.

باوجود سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے درگزر کیا گیا، اور اللہ نے سورۃ الممتحنۃ میں صرف شفقت آمیز تنبیہ پر اکتفا کیا۔ یہ صورت ہے ایک بخشے ہوئے شخص کو سخت ترین جرم کے باوجود، دنیا، میں سزا نہ ملنے اور اس کی آخرت ہر طرح محفوظ ہونے کی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ سیدنا مسطح رضی اللہ عنہ کو، جن پر حد قذف جاری کی گئی، کیونکہ انہوں نے سیدنا ام المومنین صلوات اللہ علیہا کے خلاف افواہیں پھیلانے والوں کا ساتھ دیا تھا۔لیکن جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کا وظیفہ بند کرنے کی قسم کھائی تو آیت نازل ہوئی۔

''وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُّؤْتُوْٓا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ''①

''اور تم میں سے جو لوگ بزرگی اور کشائش رزق والے ہیں وہ یہ قسم نہ کھا بیٹھیں کہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے۔انہیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں۔کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے''۔

یہ معاشرتی جرم جس پر اسّی (۸۰) درّے لگائے جاتے ہیں اور پھر ساری عمر، ان کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ ②اس کا ارتکاب ایک بدری نے کیا تو اگرچہ دنیا میں اسے سزا ملی مگر رحمت الٰہی نے اسے ڈھانپ لیا اور کس پیارے انداز میں اس کی حرمت بحال کر دی، کیونکہ وہ عند اللہ بخشا ہوا تھا، اور اس کی آخرت محفوظ تھی۔

بہت سی مثالوں میں سے یہ دو مثالیں کافی ہیں، کیونکہ دونوں صورتوں میں وحی

---

①النور: ۲۲. ②النور: ۸.

الٰہی نے بتا دیا کہ جس کی مغفرت لکھ دی گئی، اس کے لیے لکھ دی گئی۔ پہلی صورت میں سیاسی جرم بغیر سزا کے معاف کر دیا گیا، کیونکہ اس کا برا نتیجہ مرتب ہونے سے پہلے ہی اس کی روک تھام کر دی گئی، لیکن دوسری صورت میں سزا دی گئی کیونکہ اس جرم کے اثرات معاشرے پر مرتب ہونے کا خطرہ تھا۔

اب ان مثالوں کو سامنے رکھ کر دیکھنا چاہیے کہ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے، آل بیت اطہار نے، اور دو براعظموں میں پھیلی ہوئی ہم عصر امت نے حضرت امیر المومنین یزید کو کسی ایسے فعل کا مرتکب قرار دیا جو بحیثیت انسان کے، بحیثیت ایک مسلم ومومن کے، اور بحیثیت امام عصر کے انہیں مبغوض انام بنا دے؟

بہر حال ان دو مثالوں سے اس کا بھی قطعی ثبوت مل گیا کہ ایک بات ہے کسی گناہ یا جرم کا معاف ہو جانا اور دوسری بات ہے خود اس شخص کا بخشا ہوا ہونا جس شخص کا بخشا ہوا ہونا، وحی جلی یا خفی سے معلوم ہو جائے تو دنیا میں اسے سزا ملے یا نہ ملے اس کی آخرت محفوظ ہو گئی اور کسی صاحب ایمان کے لیے روا نہیں کہ اس کی جناب میں بے ادب ہو یا اس سے سوءظن رکھے۔

ایک غلطی

جہاد ہو یا دوسرے اعمال صالحہ ان میں کامیابی کا مدار نیت پر ہے، جیسی جس کی نیت ہو گی اس کے مطابق اس کی جزا یا سزا، اس پر مرتب ہو گی۔ یہ اصول عام ہے اور قیامت تک کے لیے۔

لیکن جو جہاد یا مہم آیاتِ الٰہیہ میں ہو اور معلوم و متعین لوگ اس میں شریک ہوں وہ عام اصول کے تحت نہیں آتے۔ ان کا معاملہ خاص ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسی مہموں میں شریک وہی ہوتے ہیں جن کی ہستیاں عند اللہ مقبول ہوں۔ دوسرے لوگ شریک نہیں ہو سکتے۔ یعنی نہ ان میں کوئی غیر شخص شامل ہو سکتا ہے اور نہ ان میں سے کسی کو خارج کیا جا سکتا ہے۔

مثلاً وہ مکی اور مدنی حضرات جو ہجرت سے پہلے ایمان لائے اور اللہ کے لیے سختیاں جھیلیں یا وہ حضرات جو بدر و احد و خندق و تبوک وغیرہ معرکوں میں شریک ہوئے یا وہ جو فتح مکہ کے وقت آپ کے جلو میں تھے یا جنہوں نے بیعۃ الرضوان میں شرکت کی۔ یہ سب حضرات معلوم و متعین ہیں اور یہ غزوات آیاتِ الٰہیہ میں ہیں۔ خود قرآن اس پر شاہد ہے۔

ان کے بعد وہ مہمیں ہیں جو آنحضرت ﷺ کی حیاتِ ارضی کے بعد مسلمانوں نے سر کیں اور وحی کے ذریعہ ان کے وقوع پذیر ہونے کی اطلاع حضور ﷺ نے اس بشارت کے ساتھ دی کہ جو لوگ یہ مہم سر کریں گے وہ سب جنتی ہوں گے اور آخرت میں شادکام، تو یہ مہمیں صرف وہ حضرات سر کریں گے جن پر دوزخ کی آگ حرام ہوگی۔

مثلاً ارتدادِ عرب کا فتنہ فرو کرنے والے، مدائن فتح کر کے مجوسی حکومت کی کمر توڑنے والے یا آخری مجوسی بادشاہ کو قتل کر کے ایران پر اسلام کا پھریرا اڑانے والے اور وہاں کے خزائن پر قبضہ کرنے والے، یا بحری جہاد کی ابتدا کرنے والے یا قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کرنے والے، یا سندھ فتح کر کے دیارِ ہند میں فروغِ دین کی راہ کھولنے والے یا قسطنطنیہ فتح کر کے وہاں پرچمِ اسلام لہرانے والے، یا آخری زمانے میں دجال کو شکست دے کر یہود کا قلع قمع کرنے والے۔ یہ سب حضرات

معلوم و متعین ہیں اور ان کی ان مہموں میں کامیابی آیات الٰہیہ میں ہے۔

یہ عمومی سوانح نہیں بلکہ خاص ہیں اور انہی حضرات کے ذریعے سر ہوئی اور ہوں گی جو بارگاہ الٰہی میں مقبول ہیں اور نعماء جنت کے حقدار، مثلاً غزوہ ہند کے سلسلے میں ہے۔۔ یہ روایت یہاں دوبارہ لکھی جاتی ہے۔

''عن ابی هريرة قال وعدنا رسول الله ﷺ غزوة الهند۔ فان ادركتها انفق فيها نفسي و مالي و ان قتلت كنت افضل الشهداء و ان رجعت فانا ابو هريرة المحرَّر ''①

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے غزوۃ الہند کی بشارت دے رکھی ہے۔ اب اگر میں نے وہ زمانہ پایا اور جان و مال اس میں کھپایا تو یا تو قتل ہو کر بہترین شہیدوں میں ہو جاؤں گا یا پھر زندہ رہا تو جہنم سے آزاد ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تو ہوں گا ہی''۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ جہاد روم کے سلسلے میں مغفرت کے لیے شرط کیا رکھی گئی، تو شرط صرف ایک تھی یعنی اس غزوے میں شرکت، اس کے علاوہ کوئی شرط نہ تھی۔ نہ کسی کے پچھلے اعمال کا کچھ ذکر تھا اور نہ اگلے اعمال کا، جو بھی اس غزوے میں شریک ہوا، مغفرت اس کا مقدر ہو گئی۔

جب ایک مہم درپیش ہو، مثلاً حضور ﷺ فرمائیں جو شخص کعبے کی چھت پر پہلی بار اذان دے گا وہ بخش دیا جائے گا تو یہ بشارت عام ہو گی اور ہر شخص کوشش کرنے کا مجاز ہو گا لیکن حضور ﷺ یہ فرمائیں میں ایک شخص کو دیکھ رہا ہوں کہ کعبے کی چھت پر کھڑا ہو کر پہلی بار اذان دے رہا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے، تو سوائے

①سنن نسائی ج ۲، ص ۲۳ کتاب الجهاد.

اس کے جیسے حضور ﷺ نے دیکھا کوئی دوسرا شخص یہ شرف حاصل نہ کر سکے گا اور وہ معلوم ومتعین شخص قطعی طور پر جنتی ہوگا۔

گویا حضور ﷺ کو جب وہ لوگ دکھائے گئے جنہوں نے شاہانہ شوکت کے ساتھ بحری جہاد کی ابتدا کی تو یہ غزوہ بھی معلوم ومتعین تھا اور اس کے تمام شرکا بھی۔ اسی طرح جنہوں نے پہلی بار قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تو یہ غزوہ بھی معلوم ومتعین تھا اور اس کے تمام شرکا بھی اور سب کے سب بلا استثنا جنتی ہیں اور بارگاہ الٰہی میں مقبول۔ کیا یہ امر مشہود نہیں کہ جو لوگ مردودِ بارگاہ ہوں اور رضاءِ الٰہی سے محروم، ان کی قلبی کیفیت ایسی ہو جاتی ہے کہ وہ کسی ایسی مہم میں شریک نہیں ہوتے جو آیات الٰہیہ میں ہو اور دلائل نبوت میں۔ چنانچہ غزوۂ احد میں تین سو کے قریب ایسے لوگ بھی آ گئے تھے، جو منافق تھے اور رضاءِ الٰہی سے محروم۔ اس لیے وہ لوگ عین میدان کارزار میں پہنچ جانے کے باوجود جہاد میں شرکت کی بجائے اپنی دانست میں حضور ﷺ کو کمزور بنا کر مدینہ طیبہ کو واپس ہو گئے۔

یہ کیسی محکم دلیل ہے کہ جن لوگوں کو رضاءِ الٰہی میسر نہیں ہوتی وہ ایسی مہموں میں شریک نہیں ہو سکتے جن میں شرکت سے رضاءِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ ''قد او جبوا'' اور ''مغفور لھم'' کے ایک ہی معنی ہیں اور وہ قطعی جنتی ہیں اور بارگاہ الٰہی میں مقبول جنہوں نے بحری جہاد کی ابتدا کی اور جنہوں نے قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کیا۔

ہاشمی سادات
اور امیر المومنین یزید

یہاں ان چند ہاشمی سادات کا ذکر کیا جاتا ہے، جو ولایت عہد کی بیعت کے وقت مدنی اجتماع میں موجود تھے۔ ان میں سے جو حضرات زندہ رہے انہوں نے خلافت کی بھی بیعت کی۔ پھر وہ ہیں جنہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اتباع میں تجدید بیعت سے انکار کر دیا اور یوں خرج اجماع کے مرتکب ہوئے لیکن جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع کر کے تجدید بیعت کے لیے دمشق کی طرف باگ موڑ دی تو یہ اعلان ان سب حضرات کی طرف سے بھی تھا۔

چنانچہ جو حضرات ''سانحہ کربلا'' کے بعد زندہ بچے، انہوں نے دمشق پہنچ کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے آخری موقف کی تکمیل کر دی اور سخت احوال میں بھی اپنی بیعت پر تعلق رکھا جو بعد میں التوابون کے نام سے کھڑے ہوئے اور نہ مختار ثقفی کو منہ لگایا بلکہ ان سب سے بیزاری کا اعلان کیا۔ ان حضرات نے سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی تحریک کو فتنہ کہا اور ان سے بیعت نہیں کی بلکہ ہر طرح اموی خلافت کا ساتھ دیا اور خلفاء کرام سے اپنی محبت اور یگانگی برابر قائم رکھی۔

پہلی بیعت کرنے والے

(۱) سیدنا عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:

(متوفی ۶۰ ھ) آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی تھے، ان سے بیس برس بڑے۔ انہوں نے شروع سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا اور انہی کے موقف میں فلاح امت سمجھی۔ ان کے سب بیٹے بھی ان کے ساتھ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اعزہ کو حکومت کے مختلف مناصب عطا فرمائے، تو ان میں کسی عقیلی کا نام نہیں ملتا۔

سیدنا عقیل رضی اللہ عنہ نے خلافت کا زمانہ نہیں پایا، ورنہ ولایت عہد کی طرح خلافت کی بھی بیعت کر لیتے کیونکہ صحیح موقف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کا جانتے تھے۔ سبائیہ کے ہاں انہیں بہت حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ لیکن جب آل عقیل نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا، تو حضرت عقیل کے بھی دن پھر گئے اور ''میدان کربلا'' میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ان کی بھی دہائی دیتے دکھایا گیا ہے۔

(۲) حضرت جعفر بن ابی سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب:

صحابی بن صحابی (متوفی ۵۱ ھ)

(۳) حضرت قثم بن العباس بن عبدالمطلب:

صحابی بن صحابی (متوفی ۵۵ ھ) آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی انتظامیہ کے رکن تھے

اور مدینہ طیبہ کے والی۔ پھر عام الجماعۃ میں سیدنا امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اور ۵۰ ھ میں امیر یزید کی ولایت عہد کی بھی بیعت کر لی۔ پھر سمرقند کے جہاد میں شہادت پائی۔ مزار مبارک وہاں زیارت گاہ ہے۔

دونوں بیعتیں کرنے والے

(۱) سیدنا عبداللہ بن العباس بن عبدالمطلب صحابی بن صحابی رضی اللہ عنہما:

آل بیت نبوی میں یہ شرف صرف آپ کو حاصل ہے کہ بچپن میں جب کبھی اپنی خالہ محترمہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں شب باش ہوتے تو تہجد کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیتے۔ صرف آپ ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سینہ مبارک سے لگا کر دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن کا علم اور اس کی تفسیر کا ملکہ عطا فرمائے۔ یہ دعا ایسی مقبول ہوئی کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو معلّم قرآن تسلیم کرتے تھے اور بڑے بڑے حضرات آپ کی تقریریں سننے آیا کرتے تھے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاں آپ کی جودت طبع اور ذہانت کی اتنی قدر تھی کہ آپ کی صغرسنی کے باوجود ان کی محفل میں آپ کو کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ جگہ دی جاتی تھی اور بارہا آپ کے علمی نکات کی بھی توثیق فرماتے تھے۔

عہد مرتضوی میں آپ بصرے کے والی تھے اور نظم ونسق کے علاوہ آپ قرآن کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔ ہر رمضان میں تراویح کے بعد جتنا قرآن پڑھا

جاتا اس کے تفسیری نکات بیان فرمانا آپ کا معمول تھا۔

یہی وجہ ہے کہ ہم عصر امت میں آپ کو امام المفسرین اور حَبر الامۃ کہا جاتا تھا۔ آپ کا تمام علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا عباس اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ فقہ صدیقی وفاروقی سے مستفاد تھا۔ سبائیہ نے آپ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا شاگرد مشہور کر رکھا ہے اور طرح طرح کے دیومالائی قصے اس سلسلے میں وضع کیے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ سیدنا علی نے آپ کو ہمیشہ اپنے اقران میں جانا۔

سیدنا امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں آپ کی بڑی قدر ومنزلت تھی کیونکہ سیدنا حسن سے صلح کروانے اور بیعت کروانے میں آپ نے نمایاں خدمات انجام دیں اور صلح نامے پر خود بھی دستخط کیے تھے۔

امیر یزید کی ولایت عہد کی آپ نے بیعت کی تھی اور پھر خلافت ملنے پر بھی آپ نے نہ محض یہ کہ بیعت کی بلکہ دوسروں کو بھی تلقین کی کہ بیعت کرلیں اور اس پر مستقیم رہیں۔ آپ امیر المومنین یزید کو چونکہ امام الجماعۃ تسلیم کرتے تھے، اس لیے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بہت سمجھایا تھا کہ سبائی مفسدوں کی باتوں میں آ کر جماعت میں انتشار کا سبب نہ بنیں۔

(۲) سیدنا عبید اللہ بن العباس صحابی بن صحابی رضی اللہ عنہما (م ۸۷ھ):

سیدنا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو یمن کا والی بنایا تھا۔ ان کی شہادت کے بعد آپ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی اور امیر المومنین یزید سے دونوں بیعتیں کیں۔

(۳) کثیر بن العباس بن عبد المطلب صحابی بن صحابی رضی اللہ عنہما:

(متوفی بعہد امیر المومنین عبد الملک) الاصابہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر سیدنا

عبداللہ، سیدنا عبید اللہ اور سیدنا کثیر رضی اللہ عنہم کو دوڑاتے اور فرماتے جو سب سے پہلے میرے پاس پہنچے گا اسے فلاں چیز انعام میں ملے گی اور یہ بچے دوڑتے تو کوئی آپ کے سینے سے آ لگتا اور کوئی پشت سے جا لگتا۔ آپ سب کو گلے لگاتے اور چومتے۔

(۴) سیدنا جعفر بن عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:

آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے داماد بھی ہیں، سیدہ ام الحسین کے خاوند۔ آپ نے دونوں بیعتیں کیں اور ''کربلا'' نہیں گئے۔

(۵) سیدنا محمد بن عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہما:

آپ کا نکاح سیدہ زینب الصغریٰ بنت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ آپ نے دونوں بیعتیں کیں اور ''کربلا'' نہیں گئے۔

(۶) سیدنا عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب صحابی بن صحابی بن صحابی رضی اللہ عنہم:

ان کی والدہ ماجدہ تھیں سیدہ ام الحکم بنت الزبیر بن عبدالمطلب ان کی زوجہ محترمہ بھی صحابیہ ہاشمیہ تھیں بنت سیدنا ابی سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب گویا ہاشمیت کے گل سرسبد تھے۔

سیدنا عبدالمطلب رضی اللہ عنہ امیر المومنین یزید رحمہ اللہ کے خاص احباب میں تھے۔ خلافت فاروقی تک مدینہ طیبہ میں رہے، پھر خانہ جنگی سے بیزار ہو کر شام چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ امیر المومنین یزید سے دونوں بیعتیں کیں اور اپنی وفات کے وقت انہی کو اپنا وصی بنایا اور انہوں نے یہ ذمہ داری قبول کر لی (نسب قریش) اور یہ واقعہ کربلا کے ایک سال بعد کا ہے۔ ۶۲ھ) اگر آپ ''سانحہ کربلا'' میں امیر المومنین اور

ان کی حکومت کو ملوث سمجھتے تو کیا ان کے مابین یہ محبت اور یگانگی ہوتی۔

(۷) سیدنا عبداللہ بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب صحابی بن صحابی رضی اللہ عنہما:

صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ سیدنا امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں مدینہ طیبہ کے قاضی رہے۔ امیر المومنین یزید سے آپ نے دونوں بیعتیں کیں اور ہنگاموں سے دور رہے۔ (متوفی ۸۲ بعہد امیر المومنین عبدالملک رحمہ اللہ)

(۸) سیدنا عبداللہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب صحابی بن صحابی بن صحابی رضی اللہ عنہم:

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے۔ سیدہ ہند بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما اموی کے فرزند۔ حضرت امیر المومنین یزید سے دونوں بیعتیں کیں۔

(۹) سیدنا عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب صحابی بن صحابی رضی اللہ عنہما:

(متوفی ۸۵) ان کی بیٹی سیدہ ام محمد امیر المومنین یزید کی بیوی تھیں۔ یہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کے سخت خلاف تھے۔ ان کی زوجہ محترمہ سیدہ زینب بنت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ جب اپنے برادر معظم سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانے پر مصر رہیں اور آپ کے روکے نہ رکیں تو آپ نے انہیں طلاق دے دی جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

یہ حضرت عبداللہ ہی تھے جنہوں نے امیر مکہ کے ذریعہ سرکاری طور پر کوشش کی تھی کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سبائی غداروں کی باتوں میں نہ آئیں اور بعزت و احترام مکہ معظمہ میں رہیں لیکن افسوس ان کی کوششیں رائیگاں گئیں۔

(۱۰) حضرت علی بن عبد اللہ بن جعفر:

آپ سیدہ زینب کے بطن سے ہونے کی بنا پر ''زینبی'' کہلاتے ہیں۔ اپنے والد ماجد کے حکم سے آپ کربلا نہیں گئے اور ساری عمر اپنا موقف وہی رکھا جو ان کے والد ماجد اور جمہور کرام کا تھا طبقے کے اعتبار سے آپ تابعی ہیں۔

(۱۱) حضرت معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر:

آپ تابعی ہیں اور عمدۃ الطالب کے بقول اپنے والد ماجد کے وصی تھے۔ آپ بھی کربلا نہیں گئے۔ الاعلام میں زرکلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ونشاءَ معاویۃ الهاشمی صدیقاً لیزید بن معاویۃ الاموی ''

''معاویہ ہاشمی یزید بن معاویہ اموی کے خاص احباب میں ہونے کی حیثیت سے پروان چڑھے''۔

ان کا ایک شعر بھی انہوں نے نقل کیا ہے:

اذا مزّق الاخوان بالغیب ودّهم

جب پیٹھ پیچھے بھائی بندا اپنی محبت کے پرخچے اڑاتے ہوں

فسید اخوان الصفا یزید

تو صاف دل بھائیوں کے سردار یزید ہی ثابت ہوں گے

یہاں یہ امر بھی دیدنی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن جعفر نے اپنے بڑے فرزند حضرت علی الزینبی کو اپنا وصی بنانے کی بجائے اپنا وصی اس فرزند کو بنایا جن کا نام معاویہ رکھا۔ پھر یہ معاویہ رضی اللہ عنہ امیر المومنین یزید سے اتنے محبت رکھتے تھے کہ انہوں نے اپنے فرزند کا نام یزید رکھا۔

(۱۲) حضرت محمد بن علی بن ابی طالب:

سبائیہ نے انہیں ابن الحنفیہ مشہور کر رکھا ہے کیسی عجیب بات ہے کہ سیدنا علی کے کسی فرزند کی نسبت ان کی والدہ کی طرف نہیں ہوتی حتی کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو بھی ابن علی ہی کہتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ آپ اپنے سب بھائیوں میں سب سے زیادہ عالم وفقیہ تھے اور شجاعت و بسالت میں ممتاز۔ ہم عصروں میں ان کی یہ حیثیت مسلم تھی۔ اس لیے جب کچھ اور نہ کر سکے تو نسبی تنقیص کے ذریعہ کام چلانا چاہا مگر چل نہ سکا۔

حضرت محمد بن علی، صفین میں بڑی بہادری سے لڑے۔ کہتے ہیں کہ علوی فوج کے علم بردار وہی تھے۔ مگر پھر امت میں انتشار پھیلانے والے سبائیہ سے آپ سخت متنفر ہو گئے۔

آپ حضرت امیر المومنین یزید کے نہایت پرجوش حامی تھے اور اموی خلافت کے وفادار انہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بہت سمجھایا تھا کہ سبائیوں کے دھوکے میں نہ آئیں اور متفق علیہ امام کے خلاف خروج سے باز رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ''کربلا'' نہیں گئے۔

ابومخنف نے مقتل میں آپ کی طرف سے آپ کی زبانی یہ عذر پیش کیا ہے کہ آپ اتنے ضعیف ہو گئے تھے کہ ہاتھ پاؤں کام نہیں دیتے تھے، حالانکہ اس احمقانہ تاویل کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ وہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے کئی برس چھوٹے تھے اور تاریخ میں ان کی جسمانی کمزوری کسی طرح ثابت نہیں کی جا سکتی۔ وہ قواعد دینیہ کی پاسداری میں محترز رہے۔

پھر جب ۶۳ھ میں ''کربلا'' کے کئی برس بعد اہل مدینہ نے امیر المومنین یزید

کے خلاف بغاوت کی اور ان پر رکیک حملے کیے، تو آپ نے ان کی حمایت میں پرجوش تقریریں کیں اور ذاتی معلومات کی بنا پر داعیان ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے لگائے ہوئے الزامات کی پوری قوت سے تردید کی اور باغیوں کو غضب الٰہی سے ڈرایا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وناظرهم وجادلهم في يزيد وردَّ عليهم ما اتَّهموا يزيد من شرب الخمر وتركه بعض الصلٰوة ''①

''یزید کے بارے میں ان سے مناظرہ کیا اور سخت انداز میں اس اتہام کی تردید کی جو ان لوگوں نے یزید پر شراب نوشی اور بعض نمازیں ترک کرنے کا لگایا تھا''۔

اہل مدینہ کی بغاوت سانحہ کربلا کے کئی برس بعد کی بات ہے، تو غور طلب ہے حضرت محمد بن علی کا موقف کہ انہوں نے کس قوت سے امیر المومنین یزید کی حمایت کی کیا ان کے یہ جذبات ''قاتل حسین رضی اللہ عنہ'' کے لیے ہو سکتے تھے۔

انہوں نے باقی بنو ہاشم کی طرح سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے بیعت نہیں کی تھی کیونکہ وہ ان کی پوری تحریک کو فتنہ قرار دیتے تھے۔ چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد وہ بھی حضرت علی بن عبداللہ بن العباس کی طرح شام چلے گئے تھے اور واپس اس وقت ہوئے جب حضرت امیر المومنین عبدالملک نے فتح پائی اور مکہ معظّمہ ان کی تولیت میں آ گیا۔ مختار ثقفی نے جو فتنہ کھڑا کیا تھا وہ حضرت محمد کے شام تشریف لے جانے کے بعد کی بات ہے اور آپ جب تشریف لائے تو مختار ثقفی کا قلع قمع کیا جا چکا تھا۔

---
①البدایہ ج۸.

(۱۳) حضرت عمر الاطرف بن سیدنا علی رضی اللہ عنہ:

طبقے کے اعتبار سے آپ تابعی ہیں اور ان ہاشمیوں میں جو ''کربلا'' نہیں گئے۔ بعد میں فرمایا تھا: ''میں نے کیسی عقل مندی کی کہ نہیں گیا ورنہ میں بھی مارا جاتا''۔ ① اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کی ناکامی کا ادراک تھا اور اسے جائز نہیں جانتے تھے۔

(۱۴) حضرت عبید اللہ بن امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ:

آپ بھی تابعی ہیں اور ''کربلا'' نہیں گئے۔ آپ نے سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے بیعت نہ کرنے کے باوجود، مختار ثقفی کا فتنہ فرو کرنے کے لیے، سیدنا مصعب بن الزبیر رضی اللہ عنہما کا ساتھ دیا تھا۔ لیکن اس سے باقاعدہ جنگ کی نوبت نہیں آئی کیونکہ جب اس نام نہاد ''محب اہل بیت'' کو معلوم ہوا کہ ایک فرزند علی اس کے مقابلے پر آنے والے ہیں تو اس نے خفیہ طریقے پر اپنے آدمی بھیج کر آپ کو شہید کرا دیا۔

(۱۵) حضرت زید بن الحسن بن علی بن ابی طالب:

عمدۃ الطالب کے شیعی مصنف نے اپنے استاد کے حوالے سے آل حسن کے عنوان کے تحت یہ بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات کے متولی ہونے کے سبب کربلا نہیں گئے تھے، مگر مشہور اور صحیح بات یہ ہے کہ کربلا گئے زخمی ہوئے اور سرکاری طور پر ان کا علاج ہوا۔ بہرحال انہوں نے دونوں بیعتیں کیں۔ دوسری بیعت پر قائم رہے یا کربلا گئے اور وہاں سے آکر تجدید کر لی، یہ اور بات ہے۔

---

① عمدۃ الطالب ص ۳۵۷.

(۱۶) حضرت حسن المثنیٰ بن حسن بن علی امیر المومنین رضی اللہ عنہ:

یہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے سگے بھتیجے اور داماد تھے۔ ان کی زوجہ محترمہ تھیں سیدہ فاطمہ بنت الحسین، اور ان کی والدہ تھیں سیدہ ام اسحاق بنت سیدنا طلحہ، جو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئی تھیں۔ یہ حضرت حسن المثنی کربلا میں موجود تھے اور صحیح سلامت واپس آئے۔ چونکہ یہ ہر بات کے عینی شاہد تھے، اس لیے انہیں سبائیہ سے سخت نفرت تھی۔

ابن عساکر کہتے ہیں:

''انَّ الحسن المثنّٰی بن الحسن بن علی بن ابی طالب قال لرجل من الرافضة واللہ لئِن امکننا منکم لنقطعنَّ ایدیکم وارجلکم ثم لا نقبل منکم توبة۔ فقال له رجل لِمَ لا تقبل منهم توبة؟ قال نحن اعلم بهؤلاء منکم۔ انَّ هؤلاء ان شاءوا صدقوکم وان شاءوا کذبوکم وزعموا ان ذالک یستقیم لهم''①

''حضرت حسن المثنی بن الحسن بن علی بن ابی طالب نے رافضیوں میں سے ایک شخص سے کہا واللہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں تم پر قابو دے دے، تو ہم یقیناً تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں اور پھر تمہاری توبہ بھی قبول نہ کریں۔ کسی نے عرض کیا توبہ کیوں قبول نہ کریں؟ تو فرمایا: ہم انہیں تم سے زیادہ جانتے ہیں یہ چاہیں تو ہم سے سچ بولیں اور چاہیں تو جھوٹ کہہ دیں اور گمان کریں کہ انہیں سب جائز ہے (یعنی بطور تقیہ)

① ج ۴، ص ۱۶۵، منقول از العواصم من القواصم تعلیقہ ص ۱۸۵۔

سبائیہ کو بھی ان سے اتنی ہی نفرت ہے ۔ چنانچہ احتجاج طبرسی (ص ۱۹۲) میں حضرت جعفر (الصادق) رحمہ اللہ کی زبان سے یوں کہلوایا گیا ہے۔

''لیس منا احذ الا و له عدوٌ من اهل بیته۔ فقیل له بنو الحسن لا یعرفون الحق، قال بلٰی و لکن یحملهم الحسد بینهم''

''ہم میں سے کوئی ایسا نہیں کہ خود اس کے گھر والوں میں اس سے حسد کرنے والے نہ ہوں۔ تو کہا گیا کہ ''کیا بنوالحسن حق کو نہیں پہچانتے'' تو فرمایا: ''ہاں مگر ان کے مابین حسد اس کا سبب ہے''۔

پھر اسی کتاب میں ص ۱۹۵ پر ہے:

''ولو توفّی حسن بن الحسن علی الزنا و الربوا و شرب الخمر لکان خیر اًممَّا توفَّی علیه''

''اگر حسن بن الحسن زنا کار، سود خوار اور نشہ باز ہو کر مرتا تو اس سے بہتر تھا جس پر وہ مرا''۔

سبائیہ کے یہ دونوں قول ہم نے حضرت مولانا اللہ یار رحمہ اللہ کی کتاب تحذیر المسلمین سے لیے ہیں۔

(۱۷) حضرت عبید اللہ بن العباس بن امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ:

یہ کربلا میں موجود تھے اور تمام امور کے عینی شاہد ہیں۔ انہیں سبائیہ سے سخت نفرت تھی اور امیر المومنین یزید سے انہوں نے محض دونوں بیعتیں ہی نہیں کیں بلکہ ان سے نہایت محبت رکھتے تھے۔

سوچنے کی بات ہے کہ انہوں نے اپنے والد ماجد اور عم بزرگوار کو شہید ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور خوب جانتے تھے کہ کس نے شہید کیا اور کس بنا پر۔ ان

کی والدہ تھیں سیدہ لبابہ بنت عبید اللہ بن العباس بن عبد المطلب اور زوجہ محترمہ تھیں سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن معبد بن عباس بن عبد المطلب ، جن سے ان کی بیٹی پیدا ہوئیں سیدہ نفیسہ، تو ان کا نکاح ہوا امیر عبداللہ بن امیر خالد بن امیر المومنین یزید سے۔ رضی اللہ عنہم

اگر حضرت عبید اللہ بن العباس نے اپنے والد ماجد کی شہادت میں حکومت کوفہ، یا امیر المومنین کو ملوث سمجھا ہوتا، تو کیا رشتہ ہوسکتا تھا۔ سیاسی بیعت اپنی جگہ ہے مگر یہ معاملہ بغایت محبت اور یگانگی کا ہے۔

(۱۸) حضرت سیدہ زینب بنت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہما:

ان کا حال اوپر گزرا کہ یہ جب اپنے برادر بزرگ کے ساتھ عراق جانے پر مصر رہیں تو ان کے خاوند حضرت عبداللہ بن جعفر نے انہیں طلاق دے دی کیونکہ قواعد شرعیہ کے مطابق اس خروج میں ملوث ہونا جائز نہیں سمجھتے تھے۔

سبائی خرافات میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے دو کم سن بچوں کا ذکر بہت کیا جاتا ہے اور دونوں کو عون اور محمد نام دیئے گئے ہیں، مگر یہ کذب محض ہے اور افترا خالص۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے زندہ فرزند صرف ایک تھے حضرت علی جو زینبی کہلاتے ہیں، اور وہ اپنے والد ماجد کے حکم سے کربلا نہیں گئے تھے۔

بہر حال سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ''کربلا'' کے تمام واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ وہ قاتلوں کو بھی جانتی تھی اور انہیں بھی جنہوں نے ان کی حفاظت کی اور متعدد حضرات کی جانیں بچالیں۔ ان پر سب حقیقتیں روشن تھیں۔

اب جو وہ دمشق پہنچیں تو اپنی بیٹی سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر اور اپنے

داماد امیر المومنین یزید کی سعادت مندی، دل جوئی، غم گساری اور خدمت گزاری سے اتنی متاثر ہوئیں کہ وہیں رہ گئیں۔

باقی حضرات کو تو امیر المومنین نے بغایت محبت واحترام سرکاری اہتمام سے مدینہ طیبہ بھیج دیا مگر اپنی خوش دامن سے جدائی گوارا نہ کی۔ حضرت سیدہ زینب کا مزار نواح دمشق میں زیارت گاہ خلائق ہے۔

(۱۹) حضرت علی بن الحسین رضی اللہ عنہ:

سب سے آخر میں حضرت علی (زین العابدین) کا ذکر اس لیے کیا جاتا ہے کہ سبائیہ کے یہاں بھی امیر المومنین یزید سے ان کے گہرے تعلقات کا اعتراف موجود ہے، مگر ''تقیہ'' کا بہتان رکھ کر اس انداز میں کہ ان کی روایتیں دیکھ کر کسی باوقار شخص کے دل میں ان کا احترام پیدا نہ ہو سکے۔

حضرت علی (زین العابدین) کا تعمیری انداز میں زندگی بسر کرنا، امیر المومنین یزید سے ان کے تعلقات یگانگی، اور تمام ہنگاموں سے دور رہنا، اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرنا، ایسے امور ہیں جن سے سبائیہ خلجان میں پڑ گئے۔ اس لیے انہیں تقیہ کا چولہ اڑھا دیا گیا۔ یعنی اپنے آدمیوں کو باور کرایا کہ ان کے حقیقی مواقف تو وہی ہیں جو ہم کہتے ہیں۔ انہوں نے تقیہ کر رکھا ہے۔ **نعوذ باللہ من ھفواتھم**

حضرت علی (زین العابدین) اگر ایسے ہی تقیہ باز تھے، تو انہوں نے جان کے خوف سے سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے کیوں بیعت نہیں کی اور کیوں ان کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا اور کس بنا پر علانیہ اموی حکومت کے مؤید اور وفادار رہے۔

(۲۰) حضرت یزید بن رکانہ بن عبدالعزیز بن ہاشم بن المطلب بن عبد مناف صحابی بن صحابی رضی اللہ عنہما:

بعہد امیر المومنین عبدالملک رحمہ اللہ۔ ان کا ذکر یہاں اس لیے کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو ایک ہی گھرانہ قرار دیا تھا۔ ان میں اتنی عینیت تھی کہ جب قریش نے بنو ہاشم کا مقاطعہ کیا ہے تو بنو المطلب بھی ان کے ساتھ شعب بنی ہاشم میں محصور ہو گئے۔ بنو ہاشم کی طرح بنو المطلب پر بھی صدقہ لینا حرام ہے اور خمس سے ان کے ناداروں کو حصہ دیا جانا مقرر ہے۔

حضرت یزید بن رکانہ نے دونوں بیعتیں کیں اور ہنگاموں سے دور رہے۔

مثل ہاشمیوں کے

یہاں ان حضرات کا ذکر کیا جاتا ہے جو باپ کی طرف سے ہاشمی نہ تھے لیکن یا تو ہاشمیوں کی ذریت میں ہیں یا دامادی کا رشتہ ہے یا اتنے قریب ہیں کہ ان کا سود و زیاں ایک ہو گیا۔

(۱) حضرت عبداللہ الاکبر:

جن کا لقب ان کے حسن و جمال کے سبب المطرف تھا۔

(۲) حضرت عبداللہ الاصغر:

یہ دونوں حضرات سیدہ رقیہ اور سیدنا عثمان کے فرزند ہیں اور حبشہ میں پیدا ہوئے تھے۔ دونوں نے بڑی عمر پائی اور ولایت عہدی کا نہیں خلافت کا زمانہ بھی پایا۔ رضی اللہ عنہم

(۳) سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما:

انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پوتے کی طرح پالا تھا۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کرام انہیں ''حب النبی'' کہتے تھے (نبی کا لاڈلا) (التوفی ۵۴) انہیں سبائیہ سے سخت نفرت تھی، اسی لیے سیدنا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے بیعت نہیں کی، اور انہیں لکھ دیا ''اگر آپ شیر کی کچھار میں ہوتے تو میں بخوشی آپ کا ساتھ دیتا مگر اس معاملے میں نہیں''۔ خانہ جنگی سے سیدنا اسامہ سخت بیزار تھے، اور غیر جانبدار سواد اعظم سے وابستہ رہے۔ ولایت عہد کی تو بیعت کی مگر خلافت کا زمانہ نہیں پایا۔

(۴) سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ:

ان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ ام کلثوم بنت سیدنا فضل بن العباس رضی اللہ عنہما سے کیا تھا۔ تاریخ اسلام میں آپ کی بڑی عظیم شخصیت ہے۔ خانہ جنگی سے سخت بیزار تھے اور غیر جانبدار سواد اعظم سے وابستہ رہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بیعت نہیں کی تھی مگر انہوں نے تحکیم کے وقت اپنا نمائندہ حضرت ابوموسیٰ ہی کو بنایا تھا۔ (المتوفی ۵۴) ولایت عہد کی بیعت کی مگر خلافت کا زمانہ نہیں پایا۔

(۵) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما:

ان کی زوجیت میں تھیں سیدہ عمرہ بنت عبیداللہ بن العباس رضی اللہ عنہم۔ انہیں یہ شرف حاصل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات آپ لکھ لیا کرتے تھے اور اس مجموعے کا نام آپ نے ''الصادقہ'' رکھا تھا۔

خانہ جنگی میں آپ اپنے والد ماجد کے سبب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ مگر جنگ میں عملی حصہ نہیں لیا کیونکہ امت کے مابین خون ریزی آپ کو گوارا نہ تھی۔ امیر المومنین یزید سے ولایت عہد کی بیعت کی اور پھر خلافت کی (المتوفی ۶۴ ھ)۔ خانہ جنگی کے بعد آپ کا قیام مکہ معظّمہ میں رہا پھر شام چلے گئے اور امیر المومنین یزید کے وفات کے بعد پھر مکہ معظّمہ آ گئے اور وہیں وفات پائی۔ ایک شاذ روایت میں آپ کی وفات مصر میں بتائی گئی ہے یہ غلطی اسی مناسبت کی وجہ سے ہے۔ مصر میں جن عبداللہ بن عمرو کا مزار ہے وہ ابن العاص کا نہیں ابن امیر المومنین عثمان کا ہے۔ رضی اللہ عنہم

(٦) حضرت زید بن امیر المومنین عمر الفاروق:

آپ حضرت سیدہ ام کلثوم بنت امیر المومنین علی کے بطن سے تھے۔ بڑی عمر پائی اور امیر المومنین یزید سے دونوں بیعتیں کیں اور سواد اعظم سے وابستہ رہے۔ رضی اللہ عنہم

سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہ وعلی کے آخری خاوند حضرت عبداللہ بن جعفر تھے اور انہی کی زوجیت میں انہوں نے وفات پائی۔ ان کی اور ان کے فرزند حضرت زید کی وفات ایک ہی وقت ہوئی اور نہیں کہا جا سکا کہ کسی کی پہلے ہوئی اور کس کی بعد میں شیخ الصحابہ عبداللہ بن عمر نے نماز جنازہ پڑھائی۔ رضی اللہ عنہم

اس طرح ثابت ہو گیا کہ کربلا کے واقعات میں جن ام کلثوم بنت علی کا ذکر ہے وہ بنت فاطمہ نہ تھیں بلکہ ام کلثوم الصغریٰ تھیں۔

(۷) سیدنا جعدہ رضی اللہ عنہ:

یہ ہبیرہ مخذومی اور سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے جو بہن تھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی۔ یعنی یدنا حسین رضی اللہ عنہ کے سگے بہنوئی تھے اور سگی پھوپھی کے بیٹے۔ امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں انتظامیہ کے رکن رہے۔ آخر میں کوفہ ہی اپنا مستقر رکھا۔

ابوحنیفہ الدینوری نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھنے والوں میں وہ بھی تھے مگر پھر ان کا کچھ پتہ نہیں ملتا یعنی نہ ان کا نام شہداء میں ہے اور نہ کربلا کے پس ماندگان میں۔ اس طرح واضح ہو گیا کہ الدینوری نے افترا کیا ہے، اور سیدنا جعدہ رضی اللہ عنہ اپنی دونوں بیعتوں پر قائم رہے۔

ان کی شخصیت غیر معروف نہ تھی۔ وہ جو بھی سیاسی قدم اٹھاتے اس کی بابت صراحت ملتی، اور اس کی دو ہی صورتیں تھیں یا تو شہداء میں ان کا نام ہونا یا ان میں جو سبائی افترا پردازوں کے مطابق قیدی بنا کر شام بھیجے گئے۔ کم از کم مسلم بن عقیل کے ساتھ مارے جانے والوں میں ان کا نام ہوتا۔

(۹) سیدنا سلمہ بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما:

آپ آنحضرت ﷺ کے ربیب تھے، سیدہ ام المومنین ام سلمہ صلوات اللہ علیہا کے فرزند۔ حضور ﷺ نے ان کا نکاح سیدہ عمارہ (امامہ) بنت سید الشہداء حمزہ سے کر دیا تھا۔ اس لیے ہر طرح مثل ہاشمیوں کے تھے۔ ساری عمر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے غیر جانبدار سواد اعظم سے وابستہ رہے اور تمام ہنگاموں سے دور۔ امیر المومنین یزید سے دونوں بیعتیں کیں اور ان پر قائم رہے۔

ان کی ہمشیر تھیں سیدہ زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا۔ جن کے دو بیٹے فتنہ حرہ میں کام آئے۔ جب ان کی لاشیں آئیں تو آپ نے فرمایا:

''مجھے اس (پہلے بیٹے) کی تو فکر نہیں کیونکہ اس نے تلوار نہیں اٹھائی تھی۔ مگر فکر اس (دوسرے بیٹے) کی ہے کہ اس نے تلوار اٹھائی''۔

گویا آپ کے نزدیک ان لوگوں کی عاقبت مخدوش تھی جنہوں نے اہل مدینہ کی بغاوت میں حصہ لیا۔ یہیں سے سبائیہ کی وضع کردہ وہ روایت باطل ہوگئی جو ان لوگوں نے سیدہ ام المومنین ام سلمہ صلوات اللہ علیہا کے بارے میں مشہور کر رکھی ہے کہ حضور ﷺ نے کربلا کی مٹی ایک شیشی میں انہیں دی تھی اور فرمایا تھا کہ

''جب یہ مٹی سرخ ہو جائے تو سمجھنا کہ میرا بیٹا حسین رضی اللہ عنہ شہید کر دیا گیا''۔

سبائیہ کا یہ افسانہ طبع زاد ہے اور نہایت درجہ احمقانہ۔ سیدہ ام المومنین کی وفات ۵۹ھ میں ہوئی تھی اور ان کا جو مسلک تھا وہ ان کی اولاد کے عمل سے ہویدا ہے۔

(۱۰) سیدنا ہند بن ہند بن ابی ہالہ:

سیدنا ہند بن ابی ہالہ، حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ صلوات اللہ علیہا کے فرزند تھے اور بنات طاہرات کے ''ماں جائے''۔

سیدنا ہند کے یہ فرزند ہند، بعد میں بصرہ جا بسے تھے۔ وہاں اتفاق سے وبا پھیلی اور بہت سے لوگ اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ سیدنا ہند بن ہند نے بھی اسی وبا میں وفات پائی۔

اب ان کی عظمت وجلالت قدر اور محبوبیت کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے کہ لوگوں نے اپنے اپنے گھر کی میتیں گھروں میں چھوڑ دیں اور سب کے سب ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔ آگے آگے لوگ نعرے لگا رہے تھے۔ لوگو دیکھو یہ رسول اللہ ﷺ کے ربیب کے فرزند کا جنازہ ہے۔ ①

جس قوم کو حضور ﷺ کے اعزہ سے اتنی محبت ہو، اس قوم کے متعلق یہ کیسے کہا جاتا ہے کہ وہ ''حب آل'' سے عاری تھی۔ جو محبت آل سے متبع سنت جماعۃ المسلمین کو ہے وہ کسی کو کیا ہو گی لیکن کتاب وسنت اور قواعد شرعیہ کو مسخ کر کے نہیں اور نہ اسلاف کرام پر طعنہ زن ہو کر۔

---

① الاستیعاب.

ہم عصر کوفی صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے تلامذہ رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے تربیت دادہ وہ حضرات، جو سانحہ کربلا کے وقت خاص کوفے میں موجود تھے، ان کی فہرست پر سرسری نظر ڈال لی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اہل کوفہ عموماً متبع سنت جماعۃ المسلمین میں تھے اور تمام امور کے عینی شاہد۔ ان کے مواقف فیصلہ کن اور قطعی الثبوت ہیں۔ عصری شہادت میں ان سے زیادہ وقیع کسی کی شہادت نہیں ہو سکتی بلکہ سوائے ان کے اور کسی کا موقف دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں۔

ان حضرات میں سے کسی نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے مکی موقف کی حمایت نہیں کی اور سب اس وقت مطمئن ہو گئے جب حضرت امیر عمر بن سعد کی کوشش سے فی الوقت یہ فتنہ ٹل گیا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع کر کے امیر المومنین کے پاس جانے کی راہ اختیار کر لی اور سب کو سخت صدمہ ہوا جب سبائیہ کی غداری سے بنا بنایا کام بگڑ گیا۔

(۱) سیدنا عبداللہ بن یزید بن حصین انصاری رضی اللہ عنہ:

(المتوفی ۶۹۔ ۷۰) یہ ابتدا میں سیدنا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ پھر عام الجماعہ میں سیدنا امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی اور پھر امیر المومنین یزید سے دونوں بیعتیں کیں اور ان پر مستقیم رہے۔ طبقے کے اعتبار سے وہ اصحاب بیعۃ الرضوان میں ہیں۔ رضی اللہ عنہم

(۲) سیدنا علقمہ بن خالد ابو خالد رضی اللہ عنہ:

(متوفی ۸۷) اصحاب بیعۃ الرضوان میں ہیں اور دوسرے غزوات میں شریک رہے۔ امیر المومنین یزید سے دونوں بیعتیں کیں۔ سو برس کی عمر پائی۔

(۳) سیدنا ابوالکاہل قیس بن عائذ احمسی رضی اللہ عنہ:

اپنے قبیلے کے امام تھے۔ (متوفی بزمانہ امیر حجاج رحمہ اللہ)

(۴) سیدنا اسماء بن خارجہ بن حصین فزاری رضی اللہ عنہما:

آپ کے والد ماجد اور عم بزرگوار بھی صحابی تھے۔ امیر عبید اللہ کے سالاروں میں ہیں اور حضرت امیر المومنین عبد الملک کے معتمد ترین کارکنوں میں تھے۔ انہی کے زمانے میں وفات پائی۔

(۵) سیدنا اسود ابو عمرو بن یزید بن قیس نخعی رضی اللہ عنہ (متوفی ۷۴)

(۶) سیدنا جابر بن سمرہ بن جندب عامری صحابی بن صحابی رضی اللہ عنہما:

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھانجے ہیں۔ (متوفی ۷۴)

(۷) سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ:

غزوہ احد اور بعد کے غزوات میں شریک رہے۔ المعارف کے مطابق ۶۰ ھ کے کئی سال بعد وفات پائی۔ امیر زیاد کے تحت بصرے کے والی تھے۔

(۸) سیدنا وہب بن عبد اللہ ابو جحیفہ العامری رضی اللہ عنہ (متوفی بزمانہ بشر بن امیر المومنین مروان)

(۹) سیدنا عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ:

صلح حدیبیہ سے پہلے ایمان لائے۔ انہیں یہ شرف حاصل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ان کے لیے دعا کی تھی:

''اللھم صل علی اٰل ابی اوفٰی''

''الٰہی ابواوفٰی کے گھرانے پر اپنی رحمت نازل فرما''۔

کوفہ جا بسے تھے اور وہیں وفات پائی۔ (متوفی ۸۷)

(۱۰) سیدنا عمرو بن میمون ابوعبداللہ الازدی رضی اللہ عنہ:

جاہلیت اور اسلام کے دونوں زمانے پائے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں ہیں۔ شاید اسی لیے بعض حضرات نے انہیں کبار تابعین میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ ایک صحابی کا دوسرے عالم وفقیہ صحابی سے استفادہ عام تھا۔ (متوفی ۷۵)

(۱۱) سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ:

سیدنا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں ہیں، جمل وصفین ونہروان میں آپ کا ساتھ دیا تھا۔ پھر عام الجماعۃ میں سیدنا امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔ اور امیر المومنین یزید سے دونوں بیعتیں کیں۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے مکی موقف کے خلاف تھے اور امام جماعت کے خلاف خروج ان کے نزدیک جائز نہ تھا۔ سبائیہ سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ وفات کے وقت وصیت کی تھی نماز جنازہ مختار ثقفی نہ پڑھائے۔ (متوفی ٦٧۔ ٦٨)

سیدنا عدی رضی اللہ عنہ کی بڑی عظیم شخصیت ہے ارتداد عرب کے زمانے میں آپ نے بڑا کام کیا۔ بنوطئی اور دوسرے قبائل کو محض تبلغ کے ذریعہ دوبارہ اسلام پر قائم کیا۔

(۱۲) سیدنا ابوعثمان عبدالرحمن النہدی رضی اللہ عنہ:

آپ عہد نبوی میں سن تمیز کو پہنچ چکے تھے۔ بڑے بڑے معرکوں میں حصہ لیا۔ قادسیہ، جلولاء، تستر، نہاوند، یرموک اور آذربائیجان کی فتوحات میں اہم خدمات انجام دیں۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تیرہ سال گزارے۔ آخر میں

کوفہ جا بسے تھے۔ پھر سانحہ کربلا کے بعد بصرہ چلے گئے۔ ①

اور فرمایا:

''میں ایسے شہر میں رہنا نہیں چاہتا جہاں رسول اللہ ﷺ کے نواسے کو شہید کیا گیا تھا''۔

یعنی جہاں کے رہنے والوں نے شہید کیا کیونکہ شہادت تو الطف میں ہوئی تھی یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے اس درجہ محبت رکھنے والے بزرگوار کا نام سانحہ کربلا کے سلسلے میں نہیں ملتا۔

اگر انہیں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے مکی موقف سے اتفاق ہوتا تو ان کا ساتھ دیتے۔ معلوم ہوا کہ وہ اپنی بیعت پر مستقیم رہے۔ سانحہ کربلا پر کوفی سبائیہ سے نفرت اس لیے ہوئی کہ بات بگاڑ کر یہ ظلم عظیم کیا تھا۔

دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ آپ نے کوفے سے نقل مکانی کی تو بصرے کی طرف، حالانکہ بصرہ بھی امیر عبید اللہ ہی کے زیر انتظام تھا۔ کیا یہ ایک کھلی ہوئی قطعی اور حتمی دلیل نہیں کہ اس مجاہد کبیر اور محب حسین کے نزدیک اس سانحے کی ذمہ داری حکومت پر نہ تھی اور صرف کوفی سبائی تھے جنہوں نے اس ظلم عظیم کا ارتکاب کیا۔

اگر حضرت ابوعثمان کے نزدیک حکومت کسی درجے میں ملوث ہوتی، تو بصرے جانے کے بجائے وہ مکہ معظّمہ کا رخ کرتے جہاں سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے امیر المومنین یزید کے خلاف محاذ بنا رکھا تھا۔

غرض یہ کہ کوفی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر طرح حکومت کے ساتھ تھے اور سبائیہ سے بیزار و متنفر۔ ان میں سے کسی نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام کی حمایت نہیں کی حتی کہ

① المعارف: ۱۸۸۔

کوئی صاحب ان سے ملاقات کے لیے بھی نہیں گئے پھر انہوں نے اس سانحہ عظمیٰ کی ذمہ داری حکومت پر نہیں ڈالی اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو سب نے مظلوم شہید سمجھا اور ان سے وہی محبت رکھی جو ذریت طاہرہ سے ہر مومن کو ہوتی ہے۔

اگر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اسی موقف پر رہتے جو مکہ معظمہ سے چلتے وقت تھا اور واقعی وہ ''عسکر خلافت'' کے ہاتھوں قتل ہوتے تو ہم عصر متبع سنت اہل ایمان نہ انہیں مظلوم جانتے اور نہ ان سے محبت رکھتے۔ کیونکہ امام جماعت کے خلاف خروج کسی درجے میں جائز نہیں۔

کوفی فقہاء امت رحمہم اللہ

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اوپر ذکر ہوا، ان جیسے بیسیوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ کوفہ بھرا ہوا تھا، سیدنا ابن مسعود اور دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے تلامذہ سے۔ ان ہی بزرگواروں سے دین لیا جاتا ہے اور ان کی فقہ پر تین چوتھائی امت عمل پیرا چلی آ رہی ہے۔

(۱) حضرت علقمہ بن قیس:

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اعاظم خلفا میں ہیں۔ جنگ صفین میں سیدنا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور زخمی ہوئے۔ ایک ٹانگ لنگ کرنے لگی پھر عام الجماعۃ میں سیدنا امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔ امیر المومنین یزید سے دونوں بیعتیں کیں۔ فرقہ بازی اور انتشار سے آپ کو سخت نفرت ہو گئی تھی۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے مکی موقف سے آپ نے کچھ دلچسپی نہیں لی۔ اور ان کے اپنے موقف سے رجوع کر لینے پر اطمینان کا سانس لیا۔ سانحہ کربلا کے بعد ۶۱ میں وفات پائی۔

(۲) حضرت اسود بن ہلال (متوفی ۶۴) اکابر فقہا میں ہیں۔

(۳) حضرت عاصم بن ابی النجود:

سید القراء ہیں اور قرات میں ان کا اتباع کیا جاتا ہے۔ علم قرات آپ نے سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما سے سیکھا تھا۔ (متوفی ۱۱۷)

(۴) حضرت عبد الرحمن السلمی:

قراۃ میں سیدنا علی کے شاگرد ہیں، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اکابر تلامذہ میں ہیں۔ (متوفی ۷۰) رضی اللہ عنہم

(۵) حضرت مسروق بن الاجدع:

(متوفی ۶۳) اکابر فقہاء میں ہیں بڑے بڑے فقہاء سے فیض اٹھایا۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اکابر تلامذہ میں ہیں۔

(۶) حضرت الحارث بن عبد اللہ بن کعب ہمدانی:

(متوفی ۶۵) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ سیدنا علی اور متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے فیض پایا۔ حدیث وفقہ میں اس درجے کے تھے کہ سیدنا حسن اور سیدنا حسین بھی ان کے حلقوں میں شرکت کرتے۔ رضی اللہ عنہم

(۷) حضرت امام شعبی:

(متوفی ۱۰۳) امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''علماء چار ہیں: سعید بن المسیب مدینہ میں، شعبی کوفے میں، حسن بصرہ میں، اور مکحول شام میں۔ رضی اللہ عنہم''

امام شعبی جیسے عظیم المرتبت فقیہ اور امام اہل السنہ کو عراق کے ایک شیعی عالم محمد حسین آل کاشف الغطاء نے اپنی کتاب ''اصل واصول شیعہ'' میں انہیں شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کوئی پوچھے کہ سیدنا علی سے محبت وعقیدت سے شیعیت کہاں ثابت ہوتی ہے۔

(۸) حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود (متوفی بزمانہ عبدالملک امیر المومنین):

آپ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھتیجے تھے۔ کثیر الحدیث تھے، مفتی اعظم تھے اور فقیہ عصر۔

یہ وہ بزرگوار ہیں جو تفقہ فی الدین میں امت کی رہنمائی فرماتے تھے۔ ان حضرات کو نہ امیر المومنین یزید کی خلافت کی صحت میں شک تھا اور نہ ان کے متفق علیہ امام ہونے میں۔ انہیں نہ امیر عبید اللہ سے کوئی شکایت تھی اور نہ امیر عمر بن سعد سے۔ انہیں نفرت تھی تو سبائیہ اور ان کے مکائد سے۔ پھر انہیں حضرت حسین اور ان کے ہاشمی ساتھیوں سے بدستور محبت قائم رہی کیونکہ وہ جماعت میں شامل ہو کر اپنی حرمت قائم کر چکے تھے۔

ان حضرات میں کسی کا کوئی بیان سانحہ کربلا کے سلسلے میں کیوں نہیں ملتا ہے اور یہ کیوں ملتا ہے کہ سبائیہ سے نفرت اور حسین رضی اللہ عنہ سے محبت پر سب حضرات مستقیم رہے۔

ضمیمہ
یہ سبائیت زدہ لوگ

اس ضمیمے میں مدیر الاشرف کراچی کے بیان کا تجزیہ کیا گیا ہے تا کہ اہل علم جان لیں کہ رفض کی جڑیں کتنی گہری ہیں۔ تھانوی صاحب کا اداریہ ان تمام کتابوں کا خلاصہ ہے جو اس سلسلے میں لکھی گئیں اس لیے ہم نے تبصرے کے لیے اسے چنا ہے۔

کیا یہ ادارے اہل السنہ کے ہیں؟

(۱)

دیار پاک و ہند میں فتنہ رفض کی آندھیوں نے ان سب کی آنکھوں میں دھول جھونک دی ہے، جو اپنے آپ کو علم و عمل کے میدان میں سنت کے علم بردار باور کراتے ہیں اور زبان و قلم کی روانی دکھاتے نہیں تھکتے۔

افترا پرداز عجمی الاصل تقیہ باز راویوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر طرح طرح کے بہتان باندھے ہیں اور ان کے ''مکی موقف'' کو حجت بنا کر خیالی تفصیلات مرتب کر کے نہایت چالاکی سے ان کا ''کوفی موقف'' نگاہوں سے اوجھل رکھنے کی کوشش کی ہے۔

اس طرح اپنے مذموم و مہلک مقاصد کے تحت انہیں حکومت کوفہ اور اجماعی خلافت حقہ کے خلاف نبرد آزما دکھا کر تمام ہم عصر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے تربیت دادہ علما و فقہا امت کے علاوہ دو بر اعظموں میں پھیلی ہوئی ساری امت کو دین سے بے پرواحب نبی سے عاری اور بے حسی کے ساتھ دنیا پرست ہی نہیں بلکہ ارتداد تک کے جرم کا مرتکب بنا دیا ہے۔

لیکن چونکہ ان کے ''مکی موقف'' کی کمزوری ظاہر تھی، اس لیے تمام توجہ ان کے خیالی مناقب، شخصی فضائل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت طاہرہ میں سب سے سوا بنا کر اور پھر امیر المومنین یزید کے وضعی مثالب کا طومار باندھ کر ''معرکہ کربلا'' کو کفر و اسلام کی جنگ بنا دیا ہے۔

مدیر ماہنامہ الاشرف کراچی پر تبصرہ

ہمارے سامنے اس وقت ماہنامہ الاشرف کراچی کا شمارہ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ ہے اگر یہ ماہنامہ ایک سنی ادارے کی طرف سے شائع نہ ہوتا تو ہمیں اس پر توجہ کی ضرورت نہ تھی مگر چونکہ اسے جامعہ اشرفیہ کا ترجمان بتایا جاتا ہے، اس لیے اس پر تبصرہ وقت کی اہمیت بن گیا۔ سب کتابوں اور رسالوں کی بجائے ہم نے الاشرف کا یہ مقالہ تبصرے کے لیے چنا ہے۔

مدیر ماہنامہ جناب محمد اسعد صاحب تھانوی اپنے اداریے میں فرماتے ہیں:

''اس ماہ مبارک میں نواسہ رسول حضرت امام حسین رحمہ اللہ نے جام شہادت نوش فرمایا اور حیات جاودانی حاصل کی، لیکن اپنے موقف سے نہ ہٹے۔ رضائے الٰہی اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کیونکہ نواسہ رسول صحابی مجتہد اور ذی رائے عالم وفقیہ تھے اور دل شوق شہادت سے لبریز تھا، اس لیے رشتہ داروں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وغیرہ کی رائے کے باوجود، اپنی رائے سے نہ ہٹے اور اپنے جد امجد کے دین سے غایت درجہ محبت کی بنا پر

سر داد و نداد دست در دست یزید

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے شہادت کی تمنا فرماتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے

ان کے نواسے کو شہادت کے درجے پر فائز فرما کر اس شوق کی تکمیل فرمائی اور آپ کی پیش گوئی الحسن والحسین سید الشباب اہل الجنۃ (حسن اور حسین رضی اللہ عنہما) جوانان بہشت کے سردار ہیں) کو پورا فرما دیا''۔

یہ پورا بیان ''شام غریباں'' کے کسی ذاکر کا تو کہا جا سکتا ہے لیکن کسی متبع سنت عالم کا باور نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس میں وہی افترا کیا گیا ہے جو سبائیہ کرتے چلے آ رہے ہیں اور اس میں ہم عصر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اسی طرح توہین کی گئی ہے جو سبائیہ کا شعار ہے۔

اب ہم اس بیان کی ایک ایک بات کا تجزیہ کرنا چاہتے ہیں۔ شاید اس طرح اسعد صاحب اور دوسرے سنی اس پر توجہ فرمائیں......

توہین رسالت

اس بیان میں سب سے بڑی گستاخی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کی گئی ہے کہ جیسے آپ تو ساری عمر شہادت کی تمنا میں تڑپتے رہے مگر حیات ارضی میں یہ تمنا پوری نہ ہوئی اور پوری ہوئی تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے۔ گویا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت ہے۔ یعنی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے اس امت نے گویا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا اور یوں ساری امت دین سے ہاتھ دھو بیٹھی۔

یا پھر یوں کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات میں جو کسر رہ گئی تھی وہ سیدنا

حسین رضی اللہ عنہ نے شہید ہو کر پوری کر دی اور یہ احسان ہے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا اپنے جد امجد پر صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہی بات اس شمارے (ص ۱۱) میں ایک اور صاحب نے اس طرح لکھی ہے:

''اس دن کی اکیسویں اور سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ اس روز اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو اس نعمت عظمیٰ سے نوازا جس کے حصول کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہش کی تھی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ حضور کو چند مصلحتوں کی وجہ سے اللہ نے یہ نعمت آپ کے نواسے کے ذریعے عطا فرما دی''۔

یعنی ان صاحب کے نزدیک بھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کی تکمیل سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ہوئی، پھر بھی دعویٰ ہے متبع سنت ہونے کا۔

شہداء کی حقیقت

اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندوں میں انبیاء کرام ہیں صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔ پھر ہیں صدیقین، پھر شہداء، اور پھر صالحین۔ چنانچہ جو لوگ اسلام و ایمان اور اخلاص میں نظری اور عملی اعتبار سے استقامت رکھیں وہ اس انعام یافتہ گروہ کی معیت کا شرف حاصل کر لیتے ہیں۔ ①

معلوم ہوا کہ شہادت ایک درجہ ہے انعام یافتہ حضرات کا۔ اس درجے تک

① النساء ۶۹، ۷۰۔

پہنچنے کے لیے قتل ہونا تو کیا، تلوار ہاتھ میں لینا بھی ضروری نہیں، جو شخص دین مبین کی حقانیت اور صداقت کے نور کا حامل ہو اور دوسروں کو بھی ان انوار کا مشاہدہ کرادے تو یہ ہے وہ شہادت جو ایک مومن کو انعام یافتہ جماعت میں شامل کر دیتی ہے۔

اب جو اس شخص کو شہید کہا جاتا ہے، جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جان دیتا ہے، تو اس لیے کہ اسی آن وہ درجہ شہادت پر فائز ہو جاتا ہے، اگرچہ اس کی پچھلی زندگی معیاری نہ ہو۔ یعنی چونکہ اللہ کی راہ میں قتل ہو کر اس نے دین مبین کی حقانیت کے ثبوت میں، اپنی جان دی اس لیے وہ شہید کہلاتا ہے اور اسے شہادت کے درجے پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ ایک شخص اسلام تو لے آتا ہے مگر ضروری نہیں کہ وہ مومن ہو لیکن جو مومن ہے وہ خود بخود مسلم بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ ایک شخص مسلم و مومن تو ہو مگر صالح نہ ہو لیکن جو صالح ہے وہ مومن اور مسلم بھی ہے۔

ہوسکتا ہے کہ ایک شخص صالح ہو مگر شہادت کا درجہ اسے حاصل نہ ہو لیکن جو شہادت کے درجے پر فائز ہے یا اسے اس مرتبے پر فائز کر دیا گیا ہے تو وہ صالح بھی ہوتا ہے اور مومن و مسلم بھی۔ اسی طرح ایک شخص مسلم و مومن و صالح اور شہید تو ہوتا ہے لیکن صدیقیت تک نہیں پہنچتا لیکن جو صدیق ہے وہ شہید بھی ہے صالح بھی مومن بھی اور مسلم بھی۔

اسی طرح جو صدیق ہے وہ نبی نہیں ہوتا مگر جو نبی ہے وہ تمام ذیلی مراتب پر خود بخود فائز ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک ایک نبی کے لیے ضروری نہیں کہ وہ رسول بھی ہو، لیکن جو رسول ہے وہ نبی بھی ہے اور تمام ذیلی درجات پر فائز بھی۔

ہوسکتا ہے کہ ایک شخص صاحب کتاب رسول ہو، لیکن ضروری نہیں کہ اس کی رسالت مکانی اور زمانی دائرے سے بالا ہو۔ البتہ رسول کا پیغام دائمی ہو اور زمان

ومکان سے بالاتو اس کا مرتبہ سب سے بلند ہوتا ہے اور تمام مدارج مقبولیت میں انتہائی کمال اسے حاصل ہوتا ہے۔

آنحضرت ﷺ، رسالت کے اسی درجے پر فائز ہیں کہ اس سے بلند تر کسی بندے کے لیے کوئی درجہ نہیں۔ آپ پر رسالت ونبوت وصدیقیت وشہادت وصالحیت اور ایمان واسلام اپنے کمالات کے ساتھ ختم ہے۔

اب جس امتی سے علم وعمل کی راہ میں کسی کمال کا ظہور ہوتو اس میں حضور ﷺ کے کمال کی نمود ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ میں مقبولیت کا انحصار اس پر بتایا ہے کہ آپ کا اتباع کیا جائے اور آپ کے مقرر کردہ اصول وقواعد کے مطابق اپنی زندگی ڈھالی جائے۔

"کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہوتو میرا اتباع کروتب اللہ تم سے محبت کرے گا"۔ ①

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو سراجاً منیرا (روشنی بخش چراغ) فرمایا ہے یعنی جسے جو روشنی ملے گی وہ آپ کے طفیل ہوگی۔ بلکہ آپ کی بعثت تو رحمۃ للعالمین ہے (تمام جہانوں پر رحمت کے سبب)

چنانچہ جو لوگ آپ پر ایمان نہیں رکھتے، ان سے بھی جو تعمیری کام انجام پاتا ہے یا کمالات انسانیہ میں سے کسی کمال کا ظہور ہوتا ہے تو وہ بھی حضور ﷺ کی پیروی کے سبب ہوتا ہے۔ یہ پیروی شعوری ہو یا غیر شعوری۔

یہی وجہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کا جو معیار مقرر کیا ہے اور اصول وقواعد دنیا کو بتائے ہیں، ان پر اس وقت تک

① آل عمران: ۳۱.

ایک شوشے کا بھی اضافہ نہیں کیا جا سکا اور نہ اس کے مقابلے میں قابل عمل کوئی فطری نظام حیات پیش کیا جا سکا ہے۔ چنانچہ اقوام عالم اضطراراً آپ ﷺ کی پیروی میں اصلاحات کر رہی ہیں۔

اس طرح عملاً ثابت ہو گیا کہ حضور ﷺ انعام یافتہ جماعت کے نقطہ آغاز وانجام ہیں۔ سب آپ کے طفیلی ہیں اور آپ کے محتاج۔ جس کو بھی جو مقام حاصل ہوتا ہے وہ حضور ﷺ کا رہین منت ہوتا ہے۔

لہٰذا یہ تصور نہایت درجہ گستاخی یا لاعلمی پر دلالت کرتا ہے کہ فلاں کے فلاں کارنامے سے حضور ﷺ کے کمالات کی تکمیل ہوئی۔ اب جو اللہ کی راہ میں جان دینے کی تڑپ کا حضور ﷺ نے ذکر فرمایا ہے تو یہ امتیوں کے لیے ہے کہ وہ اپنے اندر یہ تڑپ رکھیں تاکہ کامیاب ہوں اور مدارج عالیہ تک انہیں عروج نصیب ہو ورنہ جہاں تک درجہ شہادت کا تعلق ہے وہ آپ کو بدرجہ کمال پہلے ہی حاصل تھا کسی کے کسی عمل سے اس میں کچھ اضافہ نہیں ہوا۔ یہ تصور ہی سراسر ملحدانہ ہے اور توہین رسالت پر مبنی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ اولاد اور اتباع کے اعمال صالحہ کے اجر میں حضور ﷺ کو بھی پورا اجر ملتا ہے۔ لیکن اجر میں اضافے کا مطلب کمالات کا ارتقا نہیں اور نہ درجات کا عروج ہے۔

اس طرح صلحا کی اولاد میں سے جو لوگ ایمان کے ساتھ ان کا اتباع کریں انہیں اپنے بزرگوں کی معیت کا شرف حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس معیت سے ان کا درجہ نہیں بڑھتا بلکہ وہی رہتا ہے جس تک وہ دنیا میں پہنچ چکے تھے۔ ① صرف معیت کا شرف حاصل ہو جاتا ہے۔

① الطور: ۲۱.

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے وقعتی

اسعد صاحب نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو صحابی اس انداز میں کہا ہے جیسے ان کی یہ حیثیت ہو کہ وہ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے سے اختلاف کرنے کا درجہ رکھتے ہوں۔

اصطلاح شرعی میں، صحابی اس مومن کو کہتے ہیں جو عاقل و بالغ ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کچھ وقت گزارا ہو، اگرچہ یہ مدت چند ساعات ہی کی ہو جیسے سیدنا وحشی رضی اللہ عنہ، جنہوں نے سید الشہداء حمزہ رضوان اللہ وسلامنا علیہ کو غزوۂ احد میں شہید کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کے بعد وہ مکہ معظّمہ چلے گئے تھے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رہنے سے انہیں حیا آتی تھی۔

یہی ہیں وہ جنہوں نے ارتداد عرب کا فتنہ فرو کرنے میں بڑا حصہ لیا تھا اور مسیلمہ کذاب انہی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے مسیلمہ کے قتل کے بعد نعرہ لگایا تھا ''میں نے حمزہ کا بدلہ لے لیا''۔ اس طرح کہ سیدنا حمزہ کو شہید کیا تھا ایک کافر نے لیکن مسیلمہ کو قتل کیا ایک مومن نے رضی اللہ عنہ۔

اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درجات متعین فرما دیئے ہیں۔ وہ حضرات جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے اور دین کے لیے مصائب جھیلے، ان کو وہ حضرات نہیں پہنچتے جو بعد میں ایمان لائے اور کلمۃ اللہ بلند کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جاں سپاری کی۔

فتح سے پہلے ایمان لانے والوں میں، بڑا درجہ ان کا ہے جو ہجرت سے پہلے

ایمان لائے اور ان میں بڑا درجہ ان کا ہے جو دارارقم میں حضور ﷺ کے ساتھ جمع ہوتے تھے، جن کے چالیسویں ہیں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، جن کی قیادت میں مسلمانوں نے علانیہ کعبۃ اللہ میں جماعت سے نماز ادا کی۔

فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں کے علاوہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد ہے۔ ان حضرات کو اسلام لانے والا نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ ان کی پرورش ہی اسلام پر ہوئی تھی۔ اسلام لانے والا تو وہ عاقل و بالغ شخص کہلاتا ہے جو اپنا قدیم دین چھوڑ کر اسلام قبول کرے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد میں، بعض حضرات وہ تھے جو حضور ﷺ کی حیات ارضی کے دوران بالغ ہو گئے تھے جیسے حضور ﷺ کے سب سے بڑے نواسے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے فرزند حضرت علی بن ابی العاص، جو فتح مکہ کے دن حضور ﷺ کے ہم رکاب تھے اور بت شکنی میں حصہ لیا تھا۔

ان کے بعد ہیں سیدہ رقیہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کے فرزند حضرت عبداللہ الاکبر اور حضرت عبداللہ الاصغر جو حبشہ میں پیدا ہوئے تھے۔

اسی طبقے میں سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ ہیں جو حضور ﷺ کے ترتیب دادہ آخری لشکر کے سالار تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہیں حب النبی کہا کرتے تھے (نبی کا لاڈلا)۔

اسی طبقے میں سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے تینوں فرزند ہیں حضرت عبداللہ، حضرت عون اور حضرت محمد۔

ان حضرات کے بعد وہ ہیں جو بالغ تو نہ تھے مگر شعور کو پہنچ چکے تھے جیسے سیدنا عبداللہ بن الزبیر، سیدنا مروان بن الحکم، سیدنا ولید بن عقبہ، اور سیدنا عبداللہ بن عامر۔ سیدنا حسن کا شمار بھی انہی میں کیا جاتا ہے، اگرچہ وہ بمشکل پانچ برس کے ہوں

گے۔ رضی اللہ عنہم

ان کے بعد وہ حضرات ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو دیکھا تھا، مگر وہ اس عمر کے نہ تھے کہ آپ کو شعور کی آنکھ سے دیکھ سکیں، جیسے سیدنا حسین اور سیدنا عمر بن سعد رضی اللہ عنہما، ان حضرات کے بعد کوئی نہیں جسے کسی درجے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا شرف حاصل ہو۔ رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد میں جو حضرات وفات نبوی کے وقت بالغ نہیں تھے انہیں اعزازاً صحابہ رضی اللہ عنہم کہا جاتا ہے اور صغار صحابہ رضی اللہ عنہم کی حیثیت سے معروف ہیں۔ روایت کے اعتبار سے یہ سب حضرات عملاً تابعی ہیں کیونکہ ان کی تمام تربیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کی۔

ظاہر ہے کہ یہ صغار صحابہ رضی اللہ عنہم کسی درجے میں یہ حیثیت نہیں رکھتے کہ ان کی رائے یا ان کے کسی اقدام کو کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے مواقف کے مقابلے میں اقرب الی الصواب سمجھا جاسکے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ فرمان الٰہی کے مطابق اتباع ان کا ہے جو سابقون میں ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتباع ہی سے رضائے الٰہی میسر آسکتی ہے۔

یہ اتباع ان حضرات کے اجماعی مواقف پر مبنی ہونا چاہیے کیونکہ یہی فرمان الٰہی ہے۔

ان میں سے کسی ایک کو اتباع کے لیے خاص کر لینا اور اسی کے مواقف پر انحصار کرنا، فرمان الٰہی کی خلاف ورزی ہوگی، کیونکہ اسی طرح رفتہ رفتہ شرک فی النبوۃ اور فرقہ بازی کا خدشہ پیدا ہوسکتا ہے۔

چنانچہ سبائیہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے پر کھڑا کر کے اور انہی کو حق و باطل کا معیار بنا کر امت کا کلمہ متفرق کر رکھا ہے۔ اور اس طرح کہ

ان کا سود وزیاں امت کے سود وزیاں سے کلیۃً جدا ہو گیا اور اتحاد کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔

اب اسعد صاحب اور دوسرے حضرات کو سوچنا چاہیے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ جو پچھلوں سے پچھلوں میں بھی نہیں انہیں کس طرح جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماعی موقف کے مقابلے میں کھڑا کیا جا سکتا ہے اور کیسے کہہ سکتے ہیں کہ صحابیت میں ان کا کوئی درجہ تھا۔

اصطلاح سے قطع نظر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اعزازاً صحابی کہا جاتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تھا، انہیں گود میں لیتے تھے انہیں پیار کرتے تھے اور ان کے سینہ مبارک میں اپنے انوار منتقل کرتے ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا اور انوار کے منتقل ہونے ہی کا یہ نتیجہ نکلا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع کر کے جماعت کے موقف کی پیروی میں دمشق جانے کا اعلان کر دیا، جو کوفے میں مقیم اجلہ واکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور علما وفقہا کی طمانیت کا سبب بنا۔ یوں وہ شیاطین جو ایک زبردست سازش کے ذریعہ آپ کو عراق لائے تھے، ان کے قلوب آپ کی طرف سے پھر گئے۔ کیونکہ اپنے آخری موقف پر ان کی استقامت سے ان کا سارا منصوبہ غارت گیا۔ اسی لیے ان لوگوں نے برافروختہ ہو کر آپ کو شہید کر دیا۔

اپنے موقف سے رجوع کر لینے، جماعت میں دوبارہ شمولیت کا اعلان کر دینے اور پھر ان منافقوں ظالموں اور عیاروں کے ہاتھوں آپ کے شہید ہو جانے کے سبب امت میں آپ کی محبوبیت اور احترام میں اضافہ ہو گیا۔

یہ صورت حال جو تمام ہم عصروں کے نزدیک مسلم تھی، اسے نظر انداز کر کے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے مکی موقف کو حجت بنا کر انہیں جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اجلہ علما وفقہا امت کے مقابلے پر کھڑا کر کے یہ سبائیت زدہ لوگ وہی کچھ کہنے لگے ہیں جو سبائیہ کا مقصود ہے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ

اسعد صاحب نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ''امام'' لکھا ہے، حالانکہ یہ سبائیہ کی تقلید ہے۔ سبائیہ نے جن صنادید ملت کو ''ائمہ'' بنا رکھا ہے، ان میں سے کسی کو بھی شریعت مطہرہ اور تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم وفقہا کی روشنی میں ''امام'' نہیں کہا جا سکتا۔ خود ان حضرات نے بھی کسی معنی میں ''امامت'' کا دعویٰ نہیں کیا۔

(۱) شریعت مطہرہ کی اصطلاح میں ''مطلق امام'' تو وہ کہلاتا ہے جو مملکت اسلامیہ کی اجماعی حکومت کا متفق علیہ سربراہ ہو۔ اسی کو ''امام جماعت'' بھی کہتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے: ''تلزم جماعة المسلمين وامامهم'' (مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام سے وابستہ رہنا) ① سیدنا حسین رضی اللہ عنہ یا سبائیہ کے کسی اور ''امام'' کو اسی معنی میں ''امام'' کہنا ان کے ساتھ استہزا ہے۔

(۲) امامت کا دوسرا تصور ہے اضافت کے ساتھ۔ جب ایک شخص علم وفن کی کسی صنف میں اس درجے پر ہو کہ اس علم کے علماء اس کی رائے کو حجت جانیں، اس

① صحيح بخاري كتاب الفتن.

سے استفادے پر حریص ہوں اور دوسرے کو چھوڑ کر اس سے انتساب کریں تو ایسا شخص بھی اضافت کے ساتھ امام کہلاتا ہے جیسے امام التفسیر، امام الفقہ، امام لغت، امام نحو وغیرہ وغیرہ۔ جیسے فقہ میں چاروں مذاہب کے ائمہ ہیں۔ رضی اللہ عنہم

ایک شخص کتنا ہی بڑا عالم وفقیہ ہو یا روحانی رفعت رکھتا ہو، لیکن اس سے استفادہ کرنے والے لوگ جماعت کی حیثیت نہ رکھیں تو ایسے شخص کو امام نہیں کہتے۔ ''امام'' ایک اصطلاح ہے اور صرف ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کے متوسلوں کی تعداد بہت بڑی ہو اور اس کے فیوض عمومی ہوں اور پھر اس کی طرف انتساب کرنے والے لوگ صحیح العقیدہ متبع کتاب وسنت ہوں۔

مثلاً حضرت جعفر بن محمد کی شخصیت کیسی مقدس ومحترم تھی لیکن مشرق ومغرب کے طالبان علم کا ہجوم ہوتا تھا حضرت امام مالک کے حضور۔ یہ دونوں بزرگ ہم عصر تھے۔ اور ایک ہی شہر کے رہنے والے، مگر امامت تسلیم کی گئی حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی۔ اس سے حضرت جعفر رحمہ اللہ کی شخصیت کی عظمت کم نہیں ہوتی۔ کاش ان کا نام لینے والوں میں سبائی مکاروں کا گروہ نہ ہوتا۔

سبائی امت

امامت پر جو کچھ عرض کیا گیا، اس کے بعد صرف ایک بات رہ جاتی ہے اور وہ ہے سبائی تصور امامت، یعنی:

امام کا تقرر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور اس کا رتبہ انبیاء ورسل سے بڑا

ہے۔ امام کا منکر محض گمراہ ہی نہیں ہوتا بلکہ کافر ہوتا ہے اور واجب القتل۔ سبائیہ کی تمام کتابیں اس پر شاہد ہیں۔

ان کے بقول امام پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ اس لیے اسے یہ حق ہے کہ جس امر کو چاہے حلال قرار دے اور جسے چاہے حرام کہہ دے یعنی اسے شریعت میں ترمیم و تنسیخ کا اختیار ہوتا ہے۔ آخرت کا عذاب و ثواب بھی اس کی مرضی پر منحصر ہے۔ جسے چاہے جنت میں بھیج دے اور جسے چاہے جہنم میں جھونک دے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی امام کے تابع ہوتی ہے۔

لہٰذا جن حضرات کو سبائیہ نے ائمہ بنا رکھا ہے ان میں سے کسی کے نام کے ساتھ لفظ ''امام'' لگانا جائز نہیں کیونکہ یہ حقائق سے روگردانی ہوگی اور سبائیہ کی ہم نوائی۔ کہنے والا اپنی دانست میں کسی مفہوم میں کہے، اس میں سراسر ابہام شرک والحاد وزندقہ ہے۔

غور طلب:

اثنا عشری سبائیہ کے گیارہویں ''امام'' تک عجمی ملاحدہ کا اتنا زور نہ تھا کہ حکومت کے بل پر من مانی کرسکیں۔ یہ تو اس وقت ممکن ہوا جب مشرق میں بویہی ملاحدہ کا دور آیا اور مغرب میں عبیدی ملاحدہ کا۔

اسی دور میں کلینی وغیرہ نے اپنی کتابیں لکھیں اور ان کی اشاعت کی قدرت انہیں حاصل ہوگئی اور امامت کے سلسلے کی فکری اور عملی بدعات سیئات وخرافات کا ظہور ممکن ہوا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ ''ائمہ'' جس زمانے میں تھے، اس وقت تک خلافت اسلامیہ میں ضعف نہیں آیا تھا اور خلفاء کرام میں احتساب کی طاقت تھی۔

گویا اس کا امکان نہ تھا کہ کوئی شخص اپنے بارے میں علانیہ تعلیاں بگھارے اور امت کے غیظ وغضب سے محفوظ رہے۔

''مسیلمہ کذاب کا دعویٰ'' سبائیہ کے مزعومہ صفات کے مقابلے میں بہت ہلکا تھا، مگر حضرت خلیفہ رسول اللہ ﷺ اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے مرتد قرار دے کر پوری قوت سے اس کے خلاف جہاد کیا۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جن حضرات کرام اور اصفیاء عظام کو سبائی لوگ اپنی اختراعی صفات کے ساتھ ''ائمہ'' بتاتے ہیں وہ اسلامی معاشرے میں مقبول ومحترم رہے اور پورے خلوص کے ساتھ ان کا جماعۃ المسلمین سے وابستہ رہنا مسلم رہا۔

لہٰذا تسلیم کرنا ہوگا کہ سبائیہ نے ان حضرات پر افترا کیا ہے اور بہتان رکھا ہے۔ ان حضرات کا سبائی نظریات سے کچھ تعلق نہ تھا اور اس بارے میں جو کچھ سبائی لوگ بیان کرتے ہیں۔ وہ ان حضرات کے دنیا سے گزر جانے کے بعد کی باتیں ہیں۔

ایک طرف یہ حقائق ثابتہ ہیں جو ہم عصر معاشرے میں ان حضرات کے متعلق باور کیے جاتے تھے اور دوسری طرف سبائی مخترعات ہیں، تو ان دونوں میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے سبائیہ نے نہایت چالاکی سے ان پر تقیہ کا بہتان رکھا اور اپنے ہم مشربوں کو سمجھانا چاہا کہ ان کے اصل معتقدات وہی تھے جو ہم کہتے ہیں لیکن مسلمانوں کے طعن سے بچنے کے لیے انہوں نے تقیہ اختیار کر رکھا تھا اور یوں ان کا ظاہر کچھ قرار پایا اور باطن کچھ۔ لیکن کام پھر بھی نہ بنا کیونکہ اہل عالم تو ظاہر ہی دیکھتے ہیں، جب تک اس کے خلاف شواہد نہ پائے جائیں۔

حقیقت یوں ہے کہ جب سبائیہ نے دیکھا کہ ان ''ائمہ'' کے ذریعہ امت کو فنا کے گھاٹ اتارنے میں وہ کامیاب نہ ہو سکے تو انہوں نے تحریک کو اپنے ہاتھ میں

رکھنے کے لیے اپنے گیارہویں امام کا ایک خیالی بیٹا پیدا کر کے اسے غائب کر دیا، تا کہ اس کے نام سے من مانی کر سکیں اور جو چاہیں ان کی طرف منسوب کر دیں۔

اس ''مذہب'' کی کتابیں یوں تو بویہی ملاحدہ کے زمانے میں کلینی وغیرہ نے لکھیں اور بعد میں بھی لکھتے رہے لیکن صحیح معنی میں سبائیت کو ایک مستقل مدوّن دین بنانے کا کام صفویوں کے زمانے میں ہوا، جہاں ہزارہا مسلمانوں کو شہید کر کے اسماعیل صفوی نے ایران کو ایک رافضی ملک بنا دیا اور اب خمینی صاحب اس دین کے مجدد اور امام بن کر سامنے آئے ہیں۔

ان صاحب کو یہاں تک کہنے کی جرات ہے کہ حضور ﷺ تو اپنی دعوۃ کو کارگر بنانے میں ناکام رہے لیکن ان کے امام غائب صاحب جب تشریف لائیں گے تو صحیح معنی میں عدل قائم کریں گے اور وہی حقیقی دور ہوگا دنیا میں عافیت و مسرت و شادمانی کا۔

سبائیہ کے متفق علیہ اور بنیادی عقیدے کے مطابق امت کے پاس جو کتاب ہے اور جسے اللہ کا نازل کیا ہوا قرآن کہا جاتا ہے، وہ اپنی اس اصل شکل میں نہیں جو اس کے نزول کی تھی بلکہ اس میں بہت کچھ ردوبدل کیا گیا ہے۔ اس لیے اصل قرآن ان کے امام غائب لے کر آئیں گے پچھلی تمام کتابیں بھی ان کی اصل صورت میں وہی لائیں گے۔

''ان'' کی آمد کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سب سے پہلے خود حضور ﷺ ان سے بیعت کریں گے اور پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ۔ **نعوذ باللہ من شرور ھفواتھم۔**

اجتہاد حسین رضی اللہ عنہ

اسعد صاحب نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو صحابی مجتہد اور ذی رائے عالم وفقیہ بنا کر انہیں جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے پر کھڑا کر دیا ہے۔ حالانکہ تمام امت کا متفق علیہ مسلک چلا آرہا ہے کہ فکر وعمل کی تعیین کے لیے اول کتاب اللہ دیکھی جائے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جامعہ پھر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجماعی مواقف۔ اس کے بعد سوچے کہ جس راہ وہ چل رہا ہے اسے سبیل المومنین کہہ سکتے ہیں یا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا صریح فرمان ہے کہ اگر حکومت کے کسی اقدام یا حکم سے اختلاف ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔ یہی سب سے اچھی اور سمجھ داری کی بات ہے۔ اگر اس قطعی اور حتمی طریقہ کار کی بجائے کوئی شخص تمام آداب فراموش کر کے من مانی کرے تو اس کے لیے سخت ترین وعید ہے۔

''وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا''①

''اور جس نے رسول کی مخالفت کی، باوجود اس کے کہ اس پر ہدایت کی راہ واضح ہوئی اور وہ اس راہ چلا جو مومنوں کی نہیں تو ہم بھی اس کا رخ اسی طرف کر دیں گے جدھر وہ مڑا اور جہنم میں جھونک دیں گے جو بری

① النساء: ۱۱۵۔

ہے لوٹنے کی جگہ''۔

اس سے زیادہ صریح بات کیا ہو گی کہ جو حضرات تعلیمات ربانیہ کے امین تھے، ان کے اجماعی موقف کی مخالفت کر کے کوئی شخص اپنی رائے پر اڑا رہے تو اس نے سبیل المومنین سے منہ موڑ لیا۔

ان مومنوں کی صفت اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے:

''كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ''

''تم بہترین قوم ہو جسے اللہ نے لوگوں کے لیے چن چن کر بنایا ہے۔ تم ان باتوں کا حکم دیتے ہو، جن کی خوبی عیاں ہے (المعروف) اور ان امور سے روکتے ہو جن کی برائی ظاہر ہے (المنکر)''۔

جب یہ سب حضرات متفق اللسان ہو کر کسی شخص کو کسی اقدام سے روکیں تو یقیناً وہ اقدام ''منکر'' ہو گا اور جس امر کا حکم دیں تو یقیناً وہی حکم ''المعروف'' ہو گا۔

اس لیے اس نے اپنی رضا کے حصول کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ جو حضرات ہجرت سے پہلے ایمان لائے، انہی کا خوبی کے ساتھ اتباع کیا جائے اور ان کے اجماعی موقف کی خلاف ورزی سے احتراز کیا جائے۔

لہٰذا نص قرآنی کے مطابق کسی ایسے شخص کو حق وصواب پر نہیں سمجھا جا سکتا۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماعی اصرار کو قابل اعتنا نہ سمجھے اور یہ جانے کہ یہ سب غلط رو ہیں، اور میں جو کر رہا ہوں وہ صحیح راہ ہے۔

گویا واضح ہو گیا کہ صاحب الرائے مجتہد وہ ہے، جس کا موقف السابقون الاولون من المهاجرين والانصار کے موقف کے تحت ہو، یعنی جو حضرات سب

سے پہلے ایمان لانے والے ہیں ان ہی کا اجماعی موقف سبیل المومنین ہے یعنی مومنوں کی راہ۔ اوراس کے خلاف چلنا، اللہ اوراس کے رسول کے خلاف چلنا سمجھا جائے گا۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا ''مکی موقف'' اگران کے ''صحیح اجتہاد'' پر مبنی مان بھی لیا جائے تو کیا یہ حقیقت نہیں کہ عراق پہنچ کرانہوں نے اپنے موقف سے رجوع کر کے جماعت میں شمولیت کا اعلان کر دیا تھا۔

تمام امور کا جائزہ لے کران پر یہ حقیقت واضح ہوگئی تھی کہ حق وہی تھا جس پر جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجماع کرلیا تھا۔ یہی وہ بات ہے جوسبائیہ اورسبائیت زدہ لوگ سامنے نہیں آنے دیتے اوران کی جناب میں گستاخی اور بےادبی کر کے سبائی مفتریات اوراکاذیب کوشہرت دیئے جاتے ہیں۔

سیدنا حسین کا اپنے موقف سے رجوع کر لینا، اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی میں اپنی رائے بدل دینا، وہ حقیقت ہے، جس کے اتنے علمی اور عملی شواہد ہیں کہ ان کی تکذیب ممکن نہیں۔

(۱) مکہ مکرمہ سے کوفہ جانے والا شخص الطّف (کربلا) سے ہوکر کوفہ نہیں جاتا بلکہ جب نواح کوفہ پہنچنے کے بعد دمشق کی راہ اختیار کر لیتا ہے تب کربلا پہنچتا ہے۔ اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا موقف نہ بدلا ہوتا اور اپنے ''اجتہاد'' سے رجوع نہ کرلیا ہوتا یعنی امیرالمومنین کے پاس جانے کے لیے شام کی طرف نہ ہو لیے ہوتے تو الطّف کیوں پہنچتے؟

(۲) جوحضرات ''سانحہ کربلا'' کے بعد زندہ بچے، وہ مدینہ طیبہ جانے کی بجائے دمشق گئے تاکہ سیدنا حسین کے آخری موقف کی تکمیل کر دیں اور پھر ساری عمر اپنے

اسی موقف پر قائم رہے۔ یہی نہیں بلکہ گوناگوں انداز میں امیر المومنین سے اپنی محبت ورفاقت کے ایسے عملی ثبوت دیئے کہ ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) سانحہ کربلا کے بعد امت میں چار برس تک حکومت کے خلاف کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہیں ہوا، حالانکہ یہی امت تھی جس نے شہید یکتا سیدنا عثمان کے قصاص کے لیے زمین آسمان ایک کر دیا تھا۔ اگر امت نے سیدنا حسین کی شہادت کا ذمہ دار کسی درجے میں حکومت کو سمجھا ہوتا تو سخت ردعمل ظاہر ہوتا اور سبائیہ کو بڑی تقویت ملتی۔ معلوم ہوا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے سلسلے میں کوئی ناجائز اور ظالمانہ حرکت حکومت کی طرف سے نہیں ہوئی۔

(۴) چار برس کے بعد جب سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے داعیوں نے مدینہ طیبہ میں بغاوت کرائی اور امیر المومنین کے خلاف جذبات بھڑکائے، تو ان کے ''جرائم'' میں کربلا کا کچھ ذکر نہ تھا کیونکہ ساری امت جانتی تھی کہ اس سانحہ کی ذمہ داری حکومت پر نہ تھی بلکہ سبائی غداروں پر تھی اور داعیان ابن الزبیر رضی اللہ عنہما اس کا ذکر کرتے تو جگ ہنسائی ہوتی۔

(۵) اہل مدینہ کی بغاوت میں، بنو ہاشم نے امیر المومنین کا ساتھ دیا، اور ان الزامات کی تردید کی جو داعیان ابن الزبیر نے ان پر لگائے تھے۔

(٦) یہ امر نہایت درجہ قابل توجہ ہے کہ ہم عصر بنو ہاشم نے امیر المومنین سے اپنی یگانگی اور سبائیہ سے نفرت کے ایسے ثبوت چھوڑے ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا اپنے موقف سے رجوع کرنا اور امیر المومنین کے پاس جانے کے لیے دمشق کی طرف روانہ ہو جانا اظہر من الشّمس نظر آتا ہے اور سبائی مفتریات کا سب طومار سوختنی ٹھہرتا ہے۔

خود ایک سبائی معترف ہے اور اپنے رافضیانہ انداز میں، تاریخ وجغرافیہ دونوں سے بے نیاز ہو کر لکھتا ہے:

''فسار حتی قارب الکوفة فلقیه الحرّ بن یزید الریاحی فی الف فارس فاراد ادخاله الکوفة فامتنع وعدل نحو الشام قاصداً الی یزید بن معاویه لعنه الله'' ①

''تو وہ (یعنی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ) چلتے رہے یہاں تک کہ کوفے کے قریب پہنچ گئے تو انہیں حر بن یزید ریاحی ہزار سواروں کے ساتھ ملا اور انہیں کوفہ لے جانا چاہا مگر انہوں نے انکار کر دیا اور یزید بن معاویہ لعنہ اللہ کے پاس جانے کے لیے دمشق کی راہ اختیار کر لی''۔

اس حقیقت کو چھپانا اس کے لیے ممکن نہ تھا کہ عراق کے احوال دیکھ کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا تھا اور امیر المومنین کے پاس جانے کے لیے دمشق کی طرف چل دیئے تھے، اس لیے اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا مگر سبائیہ کا ظلم وغدر بتانے کی بجائے اس نے حضرت امیر عمر بن سعد پر اس سانحے کی ذمہ داری ڈال دی۔

بہر حال یہ امر جس کا اس سبائی نے اعتراف کیا اس کے علاوہ بھی خود سبائی کتابوں میں اس کے شواہد ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع کر کے جماعت میں شمولیت کا اعلان کر دیا تھا۔

''صاحب الرائے مجتہد'' کی للّٰہیت بھی اسی سے ثابت ہوتی ہے کہ اپنی غلطی عیاں ہونے پر اس سے رجوع کریں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اس معنی میں ''مجتہد اور ذی

① عمدة الطالب فی نساب آل ابی طالب مولفه جمال الدین حسنی طبع لکھنو ص ۱۷۹ .

رائے عالم وفقیہ'' کہنا چاہیے نہ اس بنا پر جو سبائی اور سبائیت زدہ لوگ قواعد شرعیہ سے بے پرواہ ہو کر کہتے ہیں۔

شوق شہادت یا طلب حکومت؟

سبائی روایات پر تکیہ کرنے والے حضرات، اس سوال کا کیا جواب دے سکتے ہیں کہ سبائیہ کے نزدیک جاہلیت کی زد میں تو تمام عالم اسلام تھا۔ کسی جگہ کی کوئی تخصیص نہ تھی ہر طرف ارتداد کے جھکڑ چل رہے تھے تو پھر ''اپنے جد امجد کے دین کی حرمت پر قربان ہونے کے لیے'' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کوفے کا انتخاب کیوں کیا، جو نہ تو حرمین سے بڑا ثقافتی مرکز تھا اور نہ دار الخلافہ۔ شہادت تو ہر جگہ حاصل کی جاسکتی تھی۔

کہتے ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کوفے کا انتخاب محض شہید ہونے کے لیے کیا تھا، حصول خلافت ان کا مقصود نہ تھا۔ اگر مقصود ہوتا تو محض ''بہتر'' ساتھیوں کے ساتھ نہ نکلتے بلکہ پورے اہتمام سے خروج کرتے۔ (معلوم نہیں کہ بہتر کا عدد کس بنا پر لیا گیا ہے)۔

کہنے کو تو کہہ دیا، مگر یہ نہ دیکھا کہ اکتفا ان بہتر ساتھیوں پر نہ تھا، بلکہ اس خیالی عظیم الشان فوج پر تھا، جو بقول سبائیہ ان کی آمد کی منتظر تھی، اور جس کی بنا پر آپ نے یقین کر لیا تھا کہ آپ کے جاتے ہی پورا عراق آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائے گا۔

اگر واقعی ایسا ہوتا اور حقیقتاً تمام عراق نے متحد ہو کر طے کر لیا ہوتا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے بیعت کر کے اس علاقے کو مرکز کے تسلط سے آزاد کرا لیں گے تو ایک

بات بھی ہوتی۔ مگر قواعد شرعیہ اور اصطلاح صحابہ رضی اللہ عنہم میں اسے خرج اجماع ہی کہا جاتا، جس پر کتاب وسنت میں سخت ترین وعیدیں ہیں۔

ہوسکتا تھا کہ اس کی تاویل کر لی جاتی، اور کہا جاتا کہ شام کی طرح عراق نے آزادی کی جنگ لڑنے کی ٹھان لی ہے۔ مگر یہ باتیں بھی فرضی ہوتیں اور سراسر حقیقت کے خلاف۔

شام نے سبائیہ کی وجہ سے بیعت سے انکار کیا تھا، اور وہ بھی متفق علیہ امام کی بیعت سے نہیں اور یہاں صورت ہوتی، بیعت کر کے توڑنے کی، جو کسی درجہ میں جائز نہیں کیونکہ اس سے امت کا کلمہ متفرق ہوتا ہے۔

مگر یہ باتیں خیالی ہیں کیونکہ عراق میں ایسی کوئی تحریک نہیں تھی اور نہ اہل عراق کی بھاری اکثریت ایسا کوئی خیال کرسکتی تھی، کیونکہ وہاں کتاب وسنت کا حکم چلتا تھا، بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علماء وفقہاء کے فیوض سے بہرہ ور جماعت ایسی کوئی بات کیسے سوچ سکتی تھی کہ اجماعی خلافت کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کا جواز نکالا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے ایسے مقبول بندوں کی جو صفت بیان کی ہے۔ وہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے عمل پر پوری طرح منطبق ہے۔

''إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَٰئِفٌ مِّنَ الشَّيْطَٰنِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ وَإِخْوَٰنُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ''①

''جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا، ان پر جب کوئی شیطانی وسوسہ طاری ہوتا ہے، تو متنبہ ہو جاتے ہیں اور یوں اچانک حقیقت آشکار ہو جاتی ہے،

① الاعراف: ۲۰۱۔۲۰۲۔

حالانکہ ان کے بھائی بندکجی کی طرف کھینچ رہے ہوتے ہیں اور کوئی کسر نہیں چھوڑتے''۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر سبائیہ کی شیطنت عراق پہنچ کر پوری طرح واضح ہوگئی اور انہوں نے رشتے میں اپنے بزرگ حضرت امیر عمر بن سعد کے مشورے کے مطابق دمشق کی طرف باگ موڑ دی۔ رضی اللہ عنہم

دست یزید

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ تھانوی صاحب نے سبائیہ کی مشہور کردہ رباعی کا مصرعہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی منقبت کے طور پر نقل کیا ہے اور مآل کا خیال نہیں کیا۔ سیدنا حسین کی یہ منقبت نہیں ہے بلکہ ان کی جناب میں نہایت درجہ گستاخی اور بے ادبی ہے۔ وہ اسے سنیں تو اس کے کہنے والے کو ملعون قرار دیں۔

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ سبائیہ نے یہ رباعی حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر کے ان پر افترا کیا ہے۔ کوئی متبع سنت اور عارف شخص ایسی بات نہیں کہہ سکتا جس میں ممدوح کی جناب میں استہزاء ہو اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مطعون ہوتے ہوں۔

یہ رباعی دراصل ایک ملحد وزندیق ایرانی معین کاشانی کی ہے، جسے مناسبت اسمی کے سبب حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر کے ذہنوں کو ماؤف کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

دوسری بات دیکھنے کی یہ ہے کہ جن حضرات نے ''دست یزید'' میں اپنا ہاتھ دیا انہوں نے ان کے خلاف کھڑے ہونے والوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ایسی بڑی غداری کا مرتکب قرار دیا کہ ان کی نگاہ میں اس سے بڑا کوئی غدر نہ تھا۔ تھانوی صاحب نے شاید صحیح بخاری میں حضرت شیخ الصحابہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ اعلان نہیں پڑھا۔

تیسری بات جو متفق علیہ ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کوفے پہنچ کر اپنے موقف سے رجوع فرما لیا تھا اور امیر المومنین کے پاس دمشق جانے کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔ اس کے بارے میں کیا کہا جائے گا اور ان کے فرزند ارجمند سیدنا علی بن الحسین رضی اللہ عنہما نے جو اپنا ہاتھ دست یزید میں دے دیا تو کیا تھانوی صاحب انہیں ناخلف کہیں گے۔

حسرت کا مقام ہے کہ جن لوگوں کا فریضہ تھا عقائد درست کرنا، عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم قائم کرنا، آنحضرت ﷺ کی سنت جامعہ اور تعلیمات قرآنیہ کی اشاعت کرنا، وہ سبائیت کے نقیب بن گئے اور پھر اپنے آپ کو متبع سنت بھی کہتے ہیں۔

اب اسعد تھانوی صاحب یہ بھی بتائیں کہ وہ کون سا کلمۃ اللہ تھا جسے بلند کرنے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ کیا امام جماعت کے خلاف بغاوت کو اعلاء کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے؟ پھر بتائیں کہ موقف سے رجوع کر کے کیا انہوں نے اعلاء کلمۃ اللہ سے بھی رجوع کر لیا؟

ذریت طاہرہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ نواسوں میں سب سے چھوٹے تھے اور وفات نبوی کے وقت اس عمر کے نہ تھے کہ شعور کی آنکھ سے آپ کو دیکھتے۔

(۱) ان میں سب سے بڑے ہیں سیدہ زینب کے فرزند حضرت علی بن ابی العاص جو بالغ تھے اور فتح مکہ کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے ساتھ لے گئے تھے اور بت شکنی میں انہوں نے حصہ لیا۔

ایک سبائی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''میں بیٹھتا ہوں تم میرے کندھوں پر کھڑے ہو کر یہ بت گرا دو''۔

انہوں نے ادب کی بنا پر عذر کیا تو فرمایا:

''تم رسالت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے میں امامت کا بوجھ اٹھا سکتا ہوں، لہٰذا تم یہ کام کرو''۔

روایت تو وضع کر ڈالی اور رسالت و امامت کو مادی بوجھ بنا کر ترازو میں تولنے کی بھی بات کی، مگر بھول گئے کہ ایک منحنی شخص رسالت کا بوجھ اٹھا کر غار ثور تک گیا تھا۔ پھر یہ بھی بھول گئے کہ ان کے بنیادی عقیدے کے مطابق امامت کا درجہ رسالت سے بڑا ہے۔

اس روایت میں ایک افترا یہ بھی ہے کہ نام کی مناسبت سے علی بن ابی العاص

کی بجائے علی بن ابی طالب بنا دیا۔ چچا کا بیٹا اور داماد تو واقعی آپ کے دوش مبارک پر قدم رکھنے کی جرات نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن ایسا کوئی واقعہ ہوا ہوتا تو نواسہ یہ شرف حاصل کرسکتا تھا کیونکہ لحمک لحمی و دمک دمی کا مظہر نواسہ خودبخود ہوتا ہے یعنی ''تمہارا گوشت میرا گوشت ہے۔ اور تمہارا خون میرا خون''۔ چچا کا بیٹا اور داماد اگر اس منقبت کا اہل بنا بھی دیا جائے تو یہ منقبت مجازاً ہوگی۔ لیکن نواسے کی یہ منقبت حقیقی ہوتی ہے۔

اس قسم کی روایتوں سے یہ لوگ اپنے ممدوحوں کے مناقب بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ بت شکنی جس انداز سے ہوئی وہاں کسی کو کسی کے کندھے پر چڑھانے کا کیا موقع تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کعبہ شریف کی چھت پر کھڑے ہوکر اذان دی تھی تو وہ کس کے کندھوں پر چڑھ کر وہاں پہنچے تھے۔

(۲) اور (۳) حضور ﷺ کے دوسرے اور تیسرے نواسے تھے، سیدہ رقیہ اور حضرت عثمان کے فرزند حضرت عبداللہ الاکبر جو اپنے حسن و جمال کے سبب المطرف کہلاتے تھے۔ انہوں نے اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ الاصغر نے بڑی عمر پائی۔

یہ دونوں بھائی حبشہ میں پیدا ہوئے تھے اور اپنے والد ماجد شہید یکتا عثمان کی شہادت عظمیٰ کا سانحہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اور وہ یہ بھی دیکھ رہے کہ اس سانحے کے سبب خانہ جنگی کی صورت پیدا ہوگئی تھی۔ ان کے لیے کیا موقع نہ تھا کہ اپنے مظلوم والد ماجد کے قصاص کا مطالبہ کرنے والوں کا ساتھ پورے جوش اور جذبے سے دیتے؟

مگر انہیں یاد تھا کہ کس طرح ان کے والد ماجد نے فرمایا تھا:

''میں جان دے دوں گا مگر کسی کلمہ گو کا خون اپنی گردن پر نہیں لوں گا''۔

اسی جذبے سے یہ دونوں بھائی بھی سرشار تھے۔ اس لیے انہوں نے عملی سیاست میں حصہ نہیں لیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے غیر جانبدار اور امن کوش سواد اعظم کے ساتھ رہے۔ رضی اللہ عنہم

(۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے نواسے تھے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ۔ صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت درجہ مشابہت رکھتے تھے اور خلقی نورانیت کے سبب، جو بھی آپ کو دیکھتا، اس کا دل خود بخود آپ کی طرف کھنچتا۔ لیکن اس لاڈ پیار نے آپ کے مزاج میں نزاکت کی بجائے ایسا نکھار پیدا کر دیا تھا کہ اسے آپ ہی کا حصہ کہا جائے۔

آپ کی سب سے بڑی منقبت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک دن اپنے برابر منبر پر بٹھا کر فرمایا:

''میرا یہ بچہ سردار ہو گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا''۔ اور الحق کہ ایسا ہی ہوا۔

وہ دل دوز سانحہ جو سبائی غداروں مفسدوں اور ملت کے اندرونی دشمنوں کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوا جس نے عالم اسلام کی چولیں ہلا دیں، وہ تھا امت کے محبوب ترین امام سیدنا عثمان ذوالنورین کی مظلومانہ شہادت عظمیٰ کا واقعہ۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اس سانحہ پر سخت صدمہ تھا۔ ذاتی اور ملی دونوں حیثیتوں سے آپ نے اس کا بہت اثر لیا۔ اسی لیے آپ کو سبائیہ سے سخت نفرت تھی اور آپ چاہتے تھے کہ اس مفسد گروہ سے مسلم معاشرہ پاک کر دیا جائے۔۔

چنانچہ سبائیہ نے جب سب طرف سے ناامید ہو کر آخر میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو گھیر کر بیعت لینے پر آمادہ کر لیا، تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اس کی سخت مخالفت کی اور ہر طرح چاہا کہ اپنے والد ماجد کو اس گروہ سے بے تعلق رکھیں لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

اس بیعت سے مدینہ طیبہ کی فضا مکدر ہوگئی اور سبائیہ نے جب دیکھا کہ ان کا مدینہ طیبہ میں رہنا ممکن نہ ہوگا، تو انہیں فکر ہوئی کہ کسی طرح وہاں سے نکل کر کوفہ پہنچ جائیں جو ان کا ایک زیر زمین خفیہ مرکز تھا۔

اس کے لیے انہیں ایک بہانہ بھی مل گیا۔ سیدہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے جب یہ صورت حال دیکھی تو منصب خلافت کی حرمت بحال کرنے اور سبائی فتنے کی سرکوبی کے لیے نہایت تعمیری انداز میں پرامن طریقے پر سبائیہ کے خلاف رائے عامہ استوار کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ سبائیہ نے سیدہ ام المومنین کے اس اقدام کو حکومت کے خلاف بغاوت سے تعبیر کیا اور امیر المومنین رضی اللہ عنہا پر زور دیا کہ یہ وہ بغاوت کچلنے کے لیے نکلیں۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور دوسرے تمام بزرگوں نے اس کی سخت مخالفت کی اور اصرار کیا کہ حالات کا پوری طرح جائزہ لینے کے بعد ہی کوئی قدم اٹھائیں لیکن مستقر خلافت نہ چھوڑیں مگر اس بارے میں بھی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو ناکامی ہوئی۔

جمل و صفین میں وہ اپنے والد ماجد کے ساتھ رہے اور اسے آداب فرزندی کا تقاضا جانا مگر خود عملاً جنگوں میں حصہ لینے سے گریز کیا کیونکہ وہ مسلمانوں کے مابین خون ریزی و تصادم کے سخت خلاف تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی ان کے ہاتھ میں اختیار آیا، انہوں نے سبائیوں کا قصہ پاک کرنے کے لیے فوراً سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی اور خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ انہیں علم تھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی نہیں جو ان غداروں کا صفایا کر کے امت کا کلمہ متحد کر سکے۔

یہ تھا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا عظیم ترین تعمیری کارنامہ، جس سے امت میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور اس خوشی میں اس سال کا نام ہی عام الجماعۃ رکھ دیا گیا۔ سبائیہ کے تمام عزائم جب اس طرح خاک میں مل گئے تو انہیں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے سخت نفرت ہو گئی۔ چنانچہ آپ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا اور آپ کا تمام مال و اسباب ہی نہیں لوٹا گیا بلکہ خواتین کے زیور تک بھی نوچ لیے گئے۔

کل تک یہ لوگ جسے امیر المومنین کہتے تھے اب اسے مذل المسلمین کہنے لگے یعنی مسلمانوں کو ذلیل کرنے والا۔ مگر چونکہ وہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی تھے اور انہیں امام دوئم بنایا گیا تھا، اس لیے بعد کے سبائی لوگ ان کا نام احترام سے لیتے ہیں ویسے حقیقتاً ان کی مجالس میں ان کا ذکر زبان چبا چبا کر محض ضمناً لیا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے نواسے جو آپ کو نہایت درجہ محبوب تھے، ان کی وفات خانہ جنگی سے پہلے ہی ہو گئی تھی۔ ان کے بعد کے دونوں نواسے اس خانہ جنگی میں حصہ لے سکتے تھے مگر نہیں لیا حالانکہ تمام ہنگامہ ان کے والد ماجد کی شہادت کے سبب تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے نواسے اس درجہ بلند رتبہ تھے کہ طاقت ہونے کے باوجود انہوں نے نہایت دور اندیشی اور امت کی خیر خواہی میں اپنے دیرینہ موقف کے مطابق خانہ جنگی بند کرا دی اور امت کا کلمہ متحد کر دیا۔ ①

غرض یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں بڑے نواسوں نے اس انداز میں زندگی گزاری کہ امت میں محبوب رہے اور جماعت سے وابستہ رہنا اپنا شعار رکھا۔ انہوں نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جس سے امت کی وحدت پر حرف آئے اور کلمہ متفرق ہو۔ اس طرح وہ اللہ کی اس بشارت کے اہل ہو گئے۔

---

① صحیح بخاری، کتاب الصلح۔

''تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ''①

''یہ ہے آخری گھر جسے ہم ان لوگوں کے لیے بناتے ہیں جو نہ تو زمین پر اپنی برتری کے خواہاں ہوتے ہیں اور نہ فساد کے۔ اچھا انجام تو ہوتا ہی ہے محتاط زندگی بسر کرنے والوں کا''۔

(۵) سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچویں اور سب سے چھوٹے نواسے تھے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، جو وفات نبوی کے وقت شیر خوار تھے، انہوں نے جب ہوش سنبھالا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے تھے۔

یہ امر مسلم ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو سیدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا نے دودھ پلایا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک کا ایک ٹکڑا ان کی گود میں آ پڑا۔ وہ سخت ہراساں اور نہایت درجہ پریشان ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں فاطمہ کے بچہ ہوگا تو اسے آپ دودھ پلائیں گی''۔

گویا رمضان ۸ ھ تک سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پیدا نہیں ہوئے تھے۔

① القصص: ۸۳.

حضور ﷺ طائف کا معرکہ سر کر کے شوال ۸ ھ میں مدینہ طیبہ واپس ہوئے اور آپ ہی کے ساتھ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ آئے تھے۔ یعنی یا تو اس سے دو چار روز پہلے یا دو چار روز بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور سیدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا نے انہیں دودھ پلایا۔ سبائیہ نے حسب دستور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی عمر وفات نبوی کے وقت چار برس بتانے کی کوشش کی ہے اگر چہ مفید مطلب یہ عمر بھی نہیں۔

بہر حال جب وقت آیا کہ سیاست اسلامیہ میں آل علی کا مقام پیدا ہو گیا، اور انہوں نے سب صورت حال دیکھی اور یہ بھی دیکھا کہ کسی طرح زمام کاران کے ہاتھ سے نکل گئی تو یہ قدرتی بات ہوتی کہ وہ اپنی سیاسی حیثیت مستحکم کرنے کی کوشش کریں اور یہ موقع انہیں اسی وقت ملتا جب امیر المومنین یزید منصب خلافت پر فائز ہوئے۔ چنانچہ یہ ان کی نزاکت مزاجی تھی کہ انہوں نے امیر المومنین سے تجدید بیعت سے انکار کر دیا۔ سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے بھی بیعت سے انکار کر دیا تھا اس طرح ایک خلفشار کی صورت پیدا ہو گئی۔

لیکن حالات ان کے سامنے تھے کہ جو سیاسی فضا قائم ہو گئی تھی اس میں اس کا امکان نہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ساری امت کے اجماعی موقف کے خلاف کوئی قدم اٹھا سکیں۔ اس لیے تجدید بیعت سے انکار کے علاوہ انہوں نے کچھ نہ کیا اور خاموش بیٹھ گئے۔

اس سلسلے میں کسی نے ان سے کچھ تعرض بھی نہیں کیا کہ یہی سنت خلفا تھی کہ بیعت سے انکار کرنے والے لوگ جب تک حکومت کے خلاف کوئی عملی قدم نہ اٹھائیں اس وقت تک انہیں چھیڑا نہ جائے۔ چنانچہ امیر مکہ نے بھی خاموشی اختیار کر لی، حتیٰ کہ لوگوں کو ان کے پاس آنے جانے سے بھی نہ روکا، حالانکہ قانوناً وہ حق رکھتے

تھے کہ اس سلسلے میں احتیاطی تدابیر اختیار کر کے نگرانی کا انتظام کر دیں۔

کوئی شخص ثابت نہیں کر سکتا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے نام نہاد شیعہ سے رابطہ قائم کرنے کی ابتدا کی ہو۔ یہ تو سبائی تھے، جنہیں جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا بیعت سے انکار کرنا معلوم ہوا، تو انہوں نے حسب عادت فتنہ جوئی کے تحت ان سے رابطہ قائم کیا اور کئی مہینے کی پیہم کوشش کے بعد انہیں عراق کے سفر پر آمادہ کر لیا۔ بیس برس سے یہ لوگ گھٹن محسوس کر رہے تھے اور انہیں شر انگیزی کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

اب انہیں امید کی کرن نظر آئی کہ پچھلی تاریخ پھر دوہرائیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی شاطرانہ چالوں سے، طرح طرح کی ہوائی باتیں بنا کر، انہیں باور کرا دیا کہ عراق پوری طرح ان کی حمایت پر ہے اور انقلاب کے تمام انتظامات مکمل کر لیے گئے ہیں۔

جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے، تمام اعزہ و اقربا نے اور تمام مخلصوں نے انہیں سمجھایا کہ ان غداروں کی باتوں میں نہ آئیں اور جماعت کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے سے گریز کریں کیونکہ ایسے اقدام پر کتاب وسنت میں سخت ترین وعیدیں ہیں، مگر اہل اخلاص کی یہ سب کوششیں بیکار گئیں اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے سبائیہ کی باتوں کو حقیقت پر مبنی سمجھ کر خروج کا ارادہ مصمم کر لیا۔

یہ تاریخ کا بدترین المیہ تھا اور یہ المیہ سبائی غداروں کا پیدا کردہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، حدود عراق میں داخل ہوئے تو انہیں معلوم ہو گیا کہ سبائیہ نے کس طرح اپنے مذموم مقاصد کے تحت دھوکہ اور فریب سے کام لیا ہے۔

چنانچہ آپ نے حضرت امیر عمر بن سعد سے گفت وشنید اور مشورے کے بعد اپنے موقف سے رجوع کر لیا، اور امیر المومنین کے پاس جانے کے لیے دمشق کی راہ اختیار کر لی۔

جو ساٹھ سبائی آپ کو مکہ معظّمہ سے لائے تھے، وہ بھی آپ کے ساتھ ہو گئے، کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ جب موقع ملے تو پانسہ پلٹ دینے کی کوشش کریں اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو دمشق نہ جانے دیں۔ اگر وہ وہاں پہنچ گئے تو پھر ہمارے عزائم بار آور نہیں ہو سکیں گے۔

چنانچہ الطّف (کربلا) پہنچ کر انہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ورغلانے کی کوشش کی کہ دمشق جانے کی بجائے، کسی اور طرف نکل چلیں، لیکن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے سختی کے ساتھ ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر برافروختہ ہو کر ان غداروں نے آپ پر اچانک حملہ کر کے آپ کو اور آپ کے چند اعزہ کو شہید کر دیا۔

جس طرح سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ اس لیے کیا تھا کہ انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی تھی، اسی طرح سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالا کہ وہ امیر المومنین یزید کے پاس جانے پر مصر رہے، اور پھر کذباً و افتراءً اس کا الزام حکومت پر رکھ دیا۔

غرض یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچوں نواسوں نے اپنے اپنے احوال سے گزر کر امت کے لیے یہ اصول ہمیشہ کے لیے قائم کر دیا کہ ہر حال میں جماعت سے وابستہ رہیں، اگرچہ پہلے تینوں کو دنیا بھلا دے اور کسی خطیب کی زبان پر ان کے لیے دعائیہ کلمات نہ نکلیں، یا چوتھے پر قاتلانہ حملہ ہو اور اس کا مال و اسباب لوٹ لیا جائے، اور اگرچہ پانچویں کو اپنی جان دینی پڑے اور اس کے اہل و عیال میں سے بعض کا خون بہے۔

مظلومانہ شہادت

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اکابر واعاظم کا مشورہ نہیں مانا، اپنے اعزہ واقربا اور اہل اخلاص کی درخواست رد کردی، حتیٰ کہ حکومت کی طرف سے جو مودبانہ تجویز پیش کی گئی تھی، اسے بھی درخور اعتنا نہ سمجھا اور ان غدار سبائیوں کے ساتھ چل دیئے، مگر کس طرح کہ ان کے اس اقدام کے سبب ان کی ہمشیر کو طلاق ہوگئی۔

بہر حال راہ میں جو واقعات پیش آئے ان سے انہیں اندازہ ہوگیا کہ ان غدار، مکار اور دغا باز سبائیوں نے عراق کی صورت حال کے بارے میں سراسر جھوٹ بولا تھا۔ حدود عراق میں داخل ہوتے ہی ان کی مکاری کھل گئی۔

پھر جب کوفے کے قریب پہنچ کر ایک منزل پہلے پڑاؤ ڈالا تو دیکھا کہ کوفے سے ایک بھی غیر سرکاری شخص ان کی زیارت کو نہیں آیا۔ اور آئے تو امیر عبید اللہ کے بھیجے ہوئے حضرت امیر عمر بن سعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں کے بیٹے اور امیر شمر ذی الجوشن سیدنا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے برادر نسبتی۔

باہمی گفت وشنید سے طے یہ پایا کہ غلط فہمیاں رفع کرنے کے لیے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سیدھے دمشق تشریف لے جائیں تاکہ سبائیہ کے کید ودجل سے نجات ملے اور اس ناپاک گروہ کا قلع قمع کیا جاسکے۔

چنانچہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے دمشق کی راہ اختیار کرلی اور اس سرعت سے کہ

پہلا پڑاؤ الطّف میں ڈالا، جہاں قافلے قیام کیا کرتے تھے۔ حضرت امیر ابن سعد کو جو مسرت یہ تصفیہ کرانے میں ہوئی اس کے سبب وہ بھی مشایعت کے لیے ساتھ تھے۔ وہ ساٹھ سبائی جو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو مکہ معظّمہ سے لائے تھے وہ بھی ساتھ ہو لیے اور آپ سمجھے کہ آپ کی پیروی میں چل رہے ہیں۔

لیکن ان کی غداری کی حقیقت پڑاؤ ڈالنے کے بعد کھلی۔ طبری نے تفصیل دی ہے کہ کس طرح ان بدبختوں نے آپ کے سامنے تجویز رکھی کہ دمشق جانے کی بجائے کسی اور طرف نکل چلیں اور وہاں مرکز بنا کر انقلاب لانے کی تیاریاں کریں اور پٹی یہ پڑھانی چاہی کہ بنو طے کے لوگ سب آپ کے لیے کٹ مرنے پر تیار ہو جائیں گے لیکن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے سختی کے ساتھ یہ تجویز رد کر دی اور فرمایا کہ ہم عہد شکنی نہیں کر سکتے۔ جو فیصلہ ہوا ہے اسی پر عمل کیا جائے گا۔

جب یہ لوگ اپنی بات منوانے میں ناکام ہو گئے تو برافروختہ ہو کر آپ پر قاتلانہ حملہ کر دیا اور آپ کے دو چار ساتھیوں کو بھی شہید کر دیا۔ بے خبری میں ایسا ہوا ہی کرتا ہے۔ حضرت امیر ابن سعد جو غالباً خواتین کی وجہ سے کچھ فاصلے پر ہوں گے انہوں نے جو یہ صورت حال دیکھی تو ان غداروں پر ٹوٹ پڑے بنو ہاشم نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ اس طرح ان سب کو وہیں ختم کر دیا گیا۔ یوں یہ جنگ ہوئی اگر اسے جنگ کہا جا سکے۔

سبائی خرافات میں اسے باقاعدہ مہابھارت کی سی جنگ بنا دیا ہے اور طرح طرح کی تفصیلات مرتب کی ہیں۔ ویسے تو ''شامیوں'' کی فوج لاکھوں کی بتائی گئی ہے۔ لیکن کم سے کم تعداد چار ہزار بتائی جاتی ہے۔

اب سوچنا چاہیے کہ چار ہزار شمشیر زن اور تیر انداز ساٹھ ستر آدمیوں کو گھیر لیں اور مقصود ہو ان سب کو فنا کے گھاٹ اتار دینا، تو اپنا ایک آدمی بھی ضائع کیے بغیر وہ ان سب کو تیروں کی ایک ہی باڑ سے ختم کر سکتے تھے اور خیموں کو آگ لگا کر سب خواتین اور بچوں کو بھون دیا جاتا۔

مگر صورت حال یہ ہے کہ چودہ ہاشمی شہید ہوئے اور پچیس بچ گئے اور خواتین سب محفوظ رہیں۔ پھر دیکھنا چاہیے کہ جو حضرات زندہ بچے ان کا رویہ کیسا رہا۔ کیا وہ سب کے سب امیر المومنین کے ہاں باحترام تمام دل گرفتہ اعزہ کے ساتھ رہے یا نہیں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنی بیٹی اور داماد کی خدمت گزاری اور سعادت مندی کے سبب وہیں رہ گئیں اور مدینہ طیبہ نہیں گئیں۔ اپنے محبوب خاوند سے آنکھیں چار کرنے کا ان میں یارا نہ تھا۔ باقی حضرات کو ان کی خواہش کے مطابق سرکاری اہتمام سے مدینہ طیبہ بھیج دیا گیا۔

تمام بنو ہاشم کو سبائیہ سے نفرت رہی اور سب امیر المومنین سے خوش رہے۔ حتی کہ جب چار برس بعد اہل مدینہ نے بغاوت کی تو بنو ہاشم امیر المومنین کی حمایت میں پیش پیش تھے۔

پھر دیکھنا چاہیے کہ سانحہ کربلا کے بعد چار برس تک امت میں حکومت کے خلاف کچھ رد عمل ظاہر نہیں ہوا۔ تمام امور مملکت بدستور جاری رہے۔ معلوم ہوا کہ ہم عصر امت نے اس سانحہ عظمیٰ میں حکومت کا ہاتھ نہ جانا اور سب نے سبائیوں ہی کو مطعون کیا۔

سبائیہ نے جس طرح سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کیا اور ان کا سب مال واسباب لوٹ لیا، محض اس لیے کہ وہ اپنے تعمیری نظریات کے تحت خلافت سے دست

بردار ہو گئے تھے، اور زمام کار سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ بالکل اسی طرح انہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا کیونکہ وہ امیر المومنین کے پاس جانے پر مصر رہے۔

سبائیہ کا ہمیشہ یہ طریقہ رہا کہ جسے انہوں نے امام کہا اور اس کی منقبت میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے، اسے اپنی مرضی کا تابع رکھنے کی کوشش کی اور اگر اس نے ان کے جال سے نکلنا چاہا تو اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے حتی کہ اسے قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ اور پھر اس کی یاد میں رونے پیٹنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس گروہ کی پوری تاریخ ہمارے زمانے تک اس پر شاہد ہے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ہاشمی رفقا کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے آخری موقف سے ثابت کر دیا بلکہ اہل عالم پر بطور حجت پیش کر کے امت کو متنبہ کر دیا کہ جماعت اور اس کے امام سے وابستگی ہی موجب رضاء الہٰی ہے کیونکہ تعلیمات ربانیہ اور ارشادات نبویہ اس پر شاہد ہے۔

یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ حالات سے مجبور ہو کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع کیا تھا بلکہ اپنے جد امجد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی محبت میں ایسا کیا تا کہ دنیا جان لے کہ اپنے غلط موقف سے رجوع کمال ایمان و عرفان کی علامت ہے اور یہ کہ آدمی باہمی گفت و شنید کے بعد جو عہد کرے اس پر پوری قوت سے کاربند رہنا چاہیے اگرچہ نتیجہ کچھ بھی نکلے۔

یہی وجہ ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام امت میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ہاشمی شہداء کرام کی عظمت اور محبت قائم ہے اور ہر عہد کے مسلمانوں میں سبائیہ سے نفرت عام رہی، جنہوں نے دین کو غارت کرنے اور امت کے عزائم خاک میں ملا

دینے کی کوشش سے کبھی دریغ نہ کیا۔

تخت کیانی اوندھا دینے والوں اور درفش کاویانی کے پرخچے اڑا دینے والوں سے انہیں جو نفرت ہمیشہ رہی اسی کے نتیجے میں قدم قدم پر افتراق انگیزی اور امت کی بربادی انہوں نے پیش نظر رکھی بلکہ اسے ضروریات دین میں سمجھا۔

جوانانِ جنت

سبائیہ کا ایک مقولہ ہے جسے افتراءً حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے کہ ''حسن وحسین (رضی اللہ عنہما) جوانان جنت کے سردار ہیں''۔ عقلاً ونقلاً کسی طرح یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ حضور ﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ آئے ہوں جو صراحتاً نصوص قرآنیہ کے خلاف ہیں۔

جو درجات اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں ان کے خلاف حضور ﷺ کا کوئی مقولہ کیسے ہوسکتا تھا۔ سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما ذریت طاہرہ میں ہیں، مگران کا درجہ اہل ایمان کے درجات میں ایسا نہیں کہ انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل سمجھا جا سکے۔

کیا کسی کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ وہ اپنے عم بزرگوار سیدنا جعفر طیار رضوان اللہ وسلامنا علیہ کے سردار تھے۔ وہ جعفر طیار رضی اللہ عنہ جو اولین اہل ایمان میں ہیں اور بعثت کے وقت بالغ ہو چکے تھے۔ پھر انہوں نے دو ہجرتیں کیں۔ ان کی پہلی ہجرت ایسی بابرکت تھی کہ ان کی دلیرانہ تقریر اور سورۂ مریم کی تلاوت کے نتیجے میں سیدنا نجاشی رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے اور یوں ایک آزادانہ وخودمختار ملک دارالاسلام بن گیا۔

ان کی دوسری ہجرت ایسی عظیم الشان تھی کہ انہوں نے عین جوانی میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے اور پرچم اسلام کو سرنگوں ہونے سے بچانے کے لیے جس طرح جان دی وہ انہیں کا حصہ تھا۔ جوانان جنت میں ایسی عظیم شخصیت سے سیدنا حسن اور سیدنا

حسین رضی اللہ عنہما کو افضل کیسے کہا جا سکتا ہے اور کسی ہم عصر نے کب کہا۔

اس عقلی دلیل کے بعد ایک ایسی حسی دلیل ہے، جس کے سامنے کوئی روایت نہیں ٹھہرتی، اگرچہ کتنی ہی سندوں سے اسے بیان کیا جائے۔ اور وہ دلیل یہ ہے کہ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو انہیں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے پائیں دفن کیا گیا۔

دادا کے پہلو میں پوتے کی تدفین ایک فطری عمل ہوتا، مگر اسے خلاف ادب سمجھا گیا اور ان کی حیثیت یہی جانی گئی کہ دادا کے قدموں میں دفن ہوں۔ اس طرح سبائیہ کے ''امام سوئم'' نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ ان کا درجہ انبیاء و رسل سے افضل تو کیا ہوتا صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی کم ہے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی تدفین کے اس عمل سے سبائیہ کی وہ روایت بھی باطل ہو گئی کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ انہیں روضہ شریف میں دفن کریں مگر ''مروان مانع آیا'' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ بزور شمشیر اپنا منصوبہ بروئے کار لائیں لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سمجھانے سے باز رہے۔

سبائیہ کو جو ازلی ابدی دشمنی اموی سادات کرام سے ہے خصوصاً سیدنا مروان رضی اللہ عنہ سے اس کی بنا پر تدفین کے سلسلے میں یہ روایت وضع کی گئی مگر بھول گئے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اگر روضہ شریف میں دفن نہ کر سکے تو کم سے کم یہ تو کر سکتے تھے کہ انہیں جنت البقیع میں کسی نمایاں جگہ دفن کریں۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ تبرکاً سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے پائیں دفن کر دیا۔ اس طرح سبائیہ کے ہاں ''ائمہ'' کے بارے میں تمام مشرکانہ بلکہ سفیہانہ مبالغات کا جو دفتر ہے اسے خود ان کے ''امام سوئم'' نے سوختنی قرار دے دیا، اور اس انداز میں کہ قیامت تک کے لیے حجت ہو گیا۔ جس کا دل چاہے دیکھ لے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی قبر کہاں ہے اور یہ قبر وہاں کس کی تجویز پر بنائی گئی۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا مکی موقف

دنیا کے عظیم ترین حکمران اور ہم عصر امت کے مقبول ترین امام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سبائی کرگسوں کے پر قینچ کر دیئے تھے اور ان میں یارائے دم زدن نہیں رہا تھا۔ امیر یزید رضی اللہ عنہ کے ولی عہد المسلمین ہونے کے بعد انہوں نے بال و پر نکالنے شروع کیے، گو پرواز کی طاقت ابھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔

حضرت امیر المومنین یزید رحمہ اللہ جیسے ہی منصب خلافت پر فائز ہوئے اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ان سے بیعت کی تجدید سے انکار کر دیا، تو سبائیہ کی بن آئی اور وہ سمجھے کہ بیس برس کی بے عملی سے جو گھٹن وہ برداشت کر رہے تھے اس سے چھٹکارے کی سبیل پیدا ہو گئی۔

چنانچہ انہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آنا جانا شروع کر دیا تا آنکہ چار مہینے کی کوشش سے وہ انہیں طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر خروج پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل فکر و نظر نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اس اقدام سے روکا، کیونکہ ان کی نگاہ میں ایسی کوئی بات نہ تھی جس کی بنا پر امیر المومنین یزید کے خلاف خروج کا جواز ثابت کیا جا سکے۔

جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنا گواہ بتایا ہے اور جن کے اجماعی موقف کے اتباع ہی میں اس نے اپنی رضا منحصر کی ہے، ان سے زیادہ دین مبین کے اصول

وقواعد کون جان سکتا تھا۔ اوراس دین کے تقاضے ان سے زیادہ کس پر کھل سکتے تھے۔

ان بزرگواروں نے سخت ترین احوال میں اسلام قبول کیا، اور جان و مال کھپا کراس دین کے لیے اقوام عالم سے جنگ مول لی۔ پھر وفات نبوی کے بعد ارتداد عرب کا وہ فتنہ فرو کیا، جو ایران کی مجوسی حکومت نے قبائل عرب کو بہکا کر کھڑا کیا تھا، ان کے متعلق یہ تصور کیسے کیا جا سکتا ہے کہ انہیں دین سے محبت نہیں رہی تھی، اور وہ اسے غارت ہوتے دیکھتے رہے، بلکہ ''باطل'' کا تسلط برداشت کر لینے ہی میں انہوں نے اپنی عافیت سمجھی۔

جناب عبدالرشید نعمانی صاحب

ہمارے شہر کے ایک اور صاحب ہیں عبدالرشید صاحب نعمانی جنہیں ان کے معتقد شیخ الحدیث کہتے ہیں، ان صاحب کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ازراہ شفقت خروج سے روکا تھا۔ گویا ویسے تو سب حضرات، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے موقف کے مؤید تھے۔ مگر ازراہ شفقت انہیں روکنا چاہتے تھے تاکہ وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔

شاید ان صاحب کے بقول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے یوں کہا ہوگا:

''میاں کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو۔ ہمیں دیکھو۔ ہم بھی تو اپنی آنکھوں دین کو غارت اور امت کا حال واستقبال تباہ ہوتے دیکھ رہے ہیں، پھر بھی ہم نے چپ سادھ لی ہے۔ تم بھی اسی طرح اپنی جان

جو کھم میں نہ ڈالو اور جو ہو رہا ہے وہ ہونے دو‘‘۔

یہ ہے وہ تصور جو سبائیت زدہ لوگ آخرت کی باز پرس سے بے پروا ہو کر، اپنی کم نگاہی بلکہ مسخ قلب کے سبب پیش کر کے اسے ’’حب حسین اور حب دین‘‘ باور کراتے ہیں۔

بے شک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ان کے مکی موقف سے روکا تھا اور بر بنا شفقت نہیں چاہتے تھے کہ سبائیہ کے بہکانے میں آ کر وہ دین کے اصول وقواعد پامال کریں، امت کا کلمہ متفرق ہو اور ان کے نام سے زنادقہ وملاحدہ اپنی مفتریات کے ذریعہ دین کو مسخ اور امت کو پست کرنے کی قوت حاصل کر لیں۔

یہ حضرات سبائیہ کی فتنہ انگیزیوں اور تباہ کاریوں کے عینی شاہد تھے اور دیکھ رہے تھے کہ خدا خدا کر کے امت میں یکجہتی پیدا ہوئی ہے، امت کا ارتقائی عمل جاری ہے، اور اقوام عالم پر خلافت اسلامیہ کا رعب طاری ہے اور یہ ہے کہ اس میں اگر خلل پڑا تو فتنوں کا دروازہ پھر کھل جائے گا۔

اس لیے انہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو شفقت وخیر خواہی کے سبب سبائیہ کے بہکائے میں آنے سے روکا تھا۔ یہ حضرات جنہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو روکا، وہ دو چار دس پانچ نہیں تھے بلکہ ایک جماعت تھی سینکڑوں پر مشتمل۔ اس جماعت میں بیعت عقبہ کے شرکا سے لے کر سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے آخری نبوی لشکر تک کے شرکا تھے اور ان سب کے نزدیک سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا خروج کسی درجے میں جائز نہ تھا۔

یہ حضرات جو زمین پر اللہ کے گواہ تھے، انہیں دین کے بارے میں مداہنت کا مرتکب کہا جائے اور جو پچھلوں سے پچھوں پر بھی نہیں، انہیں ان کے مقابلے میں حق پر باور کیا جائے، تو یہ شعار ملت کے اندرونی دشمنوں کا تو ہو سکتا ہے، مگر ان کا نہیں

جنہیں دعویٰ ہو حق کے علم بردار اور سنت کے پیرو کار ہونے کا اور وہ بھی یہ جاننے کے باوجود کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کر لیا تھا اور اس بات کے قائل ہو گئے تھے کہ حق وہی تھا جس کی پیروی کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے متفق اللسان ہو کر انہیں حکم دیا تھا۔

سازش ہی سازش

سب سے آخر میں جو ساٹھ کوفی سبائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو لینے آئے تھے کیا وہ جانتے نہ تھے کہ عراق میں حکومت کے خلاف کوئی بے چینی نہیں۔ تمام امور بخیر و خوبی انجام پا رہے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے تربیت دادہ علما و فقہا نے وہاں خالص دینی ماحول قائم کر رکھا ہے اور اس انداز میں کہ حرمین شریفین کے بعد کوفہ تیسرا بڑا ثقافتی مرکز بن چکا ہے اور ہر طرح امن و امان اور خوشحالی کا دور دورہ ہے۔

سبائیت زدہ لوگ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہ ساٹھ سبائی جو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو لینے آئے تھے تو ''حب اہل بیت اور عشق حسین'' میں نہیں ان کا آنا محض اس لیے تھا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی نزاکت مزاج سے فائدہ اٹھا کر ایک نیا فتنہ کھڑا کریں۔ یعنی یا تو حسینی قافلے کو بجرم بغاوت حکومت کے ہاتھوں قتل کرائیں، یا اگر ان کے بچ جانے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے تو خود انہیں قتل کر کے اس کا الزام حکومت پر ڈال کر آہ و واویلا کا ایسا سماں باندھیں کہ دنیا غم و اندوہ میں ڈوب جائے اور اموی خلافت کا پورا انظام درہم برہم کر دیا جائے۔

مگر ہوا کچھ بھی نہیں۔ انہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو حکومت سے لڑانے میں تو کامیابی حاصل نہیں کی لیکن خود انہیں شہید کر کے جو فضا پیدا کرنی چاہی وہ پیدا نہ ہوسکی کیونکہ ہم عصر امت پر ان کا کید و دجل اور ملت کشی کے اقدامات کی قلعی کھل چکی تھی اسی لیے جہاں تک عالم اسلام میں ''سانحہ کربلا'' کے سلسلے میں حکومت کے خلاف کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہیں ہوا۔ البتہ سبائیہ سے نفرت عام ہوگئی اور امت نے جان لیا کہ اسلام میں ہر فتنے کے بانی سبائیہ ہیں۔

کاش یہ مدعیان علم آنکھیں کھولیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے تربیت دادہ فقہا اسلام کے قطعی الثبوت مواقف پیش نظر رکھ کر بات کریں تو عامۃ المسلمین کو سبائی مکائد سے محفوظ رکھ کر رضا الٰہی حاصل کر سکتے ہیں۔

ایک خالص سبائی افترا

ابن اثیر رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امیر المومنین یزید کے مابین مراسلت کا ایک افسانہ نقل کیا ہے، جو ایک مدعی علم وتسنن کے نزدیک حجت ہے۔ اس کا ترجمہ ہم یہاں انہی کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں: ①

''یزید کا خط حضرت ابن عباس کے نام

امابعد! مجھے اطلاع ملی ہے کہ ملحد ابن الزبیر نے آپ کو اپنی بیعت کے لیے کہا تھا اور آپ ہماری وفاداری میں ہماری بیعت پر مستقیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ جیسے رشتہ دار کو بہتر سے بہتر جزائے خیر عطا فرمائے، جو وہ ان حضرات کو عطا کرتا ہے جو صلہ رحمی کرتے ہیں اور اپنے عہد پر قائم رہتے ہیں۔ سو، اب میں کچھ بھی بھولوں، پر آپ کے اس احسان کو نہیں بھولوں گا۔ اور نہ آپ کی خدمت میں فوراً ایسے صلے کی روانگی جو آپ کے شایان شان ہو۔ اب آپ اتنا خیال رکھیں کہ جو بھی بیرونی آدمی آپ کی خدمت میں آئے، اور ابن زبیر نے اپنی جادو بیانی سے اسے متاثر کر لیا ہو، تو آپ ابن زبیر کے حال سے اسے آگاہ فرما دیں کیونکہ اس حرم کی حرمت کے حلال کرنے والے کی بہ نسبت لوگ آپ کی زیادہ سنتے اور زیادہ مانتے ہیں''۔

① نعمانی: یزید کی شخصیت.

حضرت ابن عباس کا سرزنش نامہ یزید کے نام:

یزید کے اس خط کے جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کو جو سرزنش نامہ تحریر کیا ہے وہ یہ ہے:

''امابعد! تمہارا خط مجھے ملا۔ میں نے جو ابن زبیر سے بیعت نہیں کی تو واللہ اس سلسلے میں، میں تم سے حسن سلوک اور تمہاری ثنا وصفت کا خواہاں نہیں۔ بلکہ جس نیت سے میں نے ایسا کیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ اور تمہیں جو یہ زعم ہے کہ میرے حسن سلوک کو فراموش نہ کرو گے تو اے انسان اپنے اس حسن سلوک کو اپنے پاس اٹھا رکھ، کیونکہ میں اپنے حسن سلوک کو تم سے اٹھا رکھوں گا۔ اور تم نے جو مجھ سے یہ درخواست کی ہے کہ میں لوگوں کے دلوں میں تمہاری محبت پیدا کروں اور ابن زبیر سے ان کو نفرت دلاؤں اور ان کو بے یار و مددگار چھوڑنے پر آمادہ کروں سو ایسا بالکل نہیں ہوسکتا۔ نہ تمہاری خوشی ہمیں منظور ہے اور نہ تمہارا اعزاز۔ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے حالانکہ تم نے حسین کو اور ان کے جوانان عبدالمطلب کو قتل کیا، جو ہدایت کے چراغ اور ناموروں میں ستارے تھے۔ تمہارے سواروں نے تمہارے حکم سے ان لوگوں کو آغشتہ بخوں ایک کھلے میدان میں اس حال میں ڈال دیا کہ ان کے بدن پر جو کچھ تھا وہ چھینا جا چکا تھا۔ پیاس کی حالت میں ان کو قتل کیا گیا اور بغیر کفن بے سہارا پڑا رہنے دیا گیا، ہوائیں ان پر خاک ڈالتی رہیں اور بھوکے بجو باری باری سے ان کی لاشوں پر آتے جاتے رہے، تا آنکہ حق تعالیٰ نے ان کے لیے ایسی قوم کو بھیجا جن کے ہاتھ ان کے خون سے

رنگین نہ تھے۔ ان لوگوں نے آ کر ان کو کفن دیا اور دفن کیا، حالانکہ بخدا ان ہی کے طفیل تجھے یہ عزت ملی ہے اور تجھے اس جگہ بیٹھنا نصیب ہوا جس جگہ اب بیٹھا ہوا ہے۔ اب میں خواہ سب چیزیں فراموش کر دوں، پر اس بات کو فراموش نہیں کر سکتا کہ تو نے ہی حسین کو مجبور کر کے رسول اللہ ﷺ کے حرم سے حرم الٰہی میں پہنچایا اور پھر تو اپنے سواروں کو برابر ان کے پاس بھیجتا رہا اور مسلسل لگا رہا تا آنکہ ان کو عراق کی طرف روانہ کر کے چھوڑا۔ چنانچہ وہ حرم مکہ سے اس کیفیت میں نکلے کہ ان کو دھڑکا لگا ہوا تھا اور پھر تیرے سواروں نے ان کو جا لیا۔ یہ سب کچھ تو نے خدا، رسول اور ان اہل بیت کی عداوت میں کیا، جن سے اللہ تعالیٰ نے نجاست دور کر کے ان کو خوب پاک وصاف کر دیا تھا۔

حسین نے تمہارے سامنے صلح کی بھی پیش کش کی اور واپس لوٹ جانے کی بھی درخواست کی، مگر تم نے یہ دیکھ کر کہ وہ اس وقت بے یار و مددگار ہیں اور ان کے خاندان کا استیصال کیا جا سکتا ہے۔ موقع کو غنیمت جانا اور تم ان کے خلاف باہم تعاون کر کے ان پر اس طرح ٹوٹ پڑے کہ گویا تم مشرکوں یا کافروں کے خاندان کو قتل کر رہے ہو۔ پس اب میرے نزدیک اس سے زیادہ اور کیا تعجب کی بات ہو گی کہ تو میری دوستی کا طالب ہے، حالانکہ تو میرے دادا کے خاندان کو قتل کر چکا ہے اور تیری تلوار سے میرا خون ٹپک رہا ہے۔ اب تو، تو میرے انتقام کا ہدف ہے اور اس خیال میں نہ رہنا کہ آج تو نے ہم پر فتح پا لی ہے۔ ہم بھی کسی نہ کسی دن تجھ پر فتح پا کر رہیں گے۔ والسلام‘‘

ان سبائیت زدہ نام نہاد سنی ''عالم'' نے ابن اثیر سے یہ افسانہ نقل کر کے اپنی دانست میں بڑا تیر مارا ہے، اور پھر اسے مزید تقویت پہنچانے کے لیے انساب الاشراف کا بھی حوالہ دیا ہے کہ جیسے اس افسانے کے دو معتبر راوی ہوں اور یوں اسے مستند سمجھا جائے۔

حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ البلاذری نے انساب الاشراف میں یہ خیالی مراسلت ہشام ابن الکلبی کے حوالے سے درج کی ہے اور سب جانتے ہیں کہ یہ ہشام اور اس کا باپ اور اس کا بیٹا تینوں غالی سبائی تھے اور کذب وافترا میں مشہور۔ ابن اثیر نے یہ روایت اسی کلبی افسانے سے نقل کی ہے۔

اس باہمی مراسلت کا ہیچ محض اور افترا خالص ہونا بدیہی ہے کیونکہ سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے خلافت کا دعویٰ، امیر المومنین یزید کی وفات کے بعد کیا تھا، اور اپنی بیعت کی طرف علانیہ دعوت بھی اسی وقت دی تھی۔ حصار مکہ سے پہلے ان کی طرف سے خلافت کا دعویٰ ہی نہیں ہوا تھا۔ گویا اس کذب ومفتری ابن الکلبی کے نزدیک حضرت امیر المومنین یزید نے شکریے کا خط سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو عالم بالا سے بھیجا اور ان کے پاس بھی ایسا کوئی ذریعہ تھا کہ وہ اپنا ''سرزنش نامہ'' امیر المومنین تک برزخی فاصلہ طے کر کے پہنچا سکیں اور کلبی جس شیطان کا غلام تھا وہ یہ دونوں خط اڑا لایا اور یوں ان راویوں تک پہنچا۔

پھر دیکھنا چاہیے اس سرزنش نامے کا احمقانہ مضمون کہ مدینے سے مکے تک اور مکے سے عراق تک، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ جیسے صاحب عزیمت شخص خوف کے عالم میں آگے آگے بھاگے جا رہے ہیں اور ان کے تعاقب میں ''یزیدی فوجی دستہ'' چلا آ رہا ہے۔ مگر سینکڑوں میل تک تعاقب کے باوجود ان تک پہنچ نہیں پاتا، تا آنکہ جب وہ

دمشق کی طرف امیر المومنین کے پاس جانے کے لیے روانہ ہو چکے، تب کہیں انہیں ''کربلا'' میں گھیر کر قتل کر سکا، اور وہ سب بہیمانہ حرکتیں کیں جو اس غالی سبائی نے اس ''سرزنش نامے'' میں درج کی ہیں اور جنہیں شام غریباں میں ذاکروں کی زبان سے طرح طرح کے انداز میں سنا جا سکتا ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما جو حبر الامۃ کہلاتے ہیں اور امام المفسرین، انہیں اس کذب راوی نے ایسا جاہل باور کرانا چاہا ہے کہ انہوں نے آیۂ تطہیر کا مخاطب امہات المومنین کو سمجھنے کی بجائے، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اوران کے ساتھیوں کو سمجھ لیا۔

پھر اس عجمی سبائی تصور کے تحت ان سب ہاشمیوں کو دادا کی اولاد سے خارج کر دیا جنہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا اور انہیں خروج سے روکا۔ پھر جو حضرات ''کربلا'' سے زندہ واپس آئے اور انہوں نے دمشق جا کر امیر المومنین سے بیعت کر لی اور سخت احوال میں بھی اس بیعت پر قائم رہے وہ بھی دادا کی اولاد سے نکل گئے اور اوران کا بھی نور طینت اور طہارت نفس سلب کر لی گئی۔

غرض یہ ہے کہ تیرگی عقل اور دل کی بیماری کے سبب جذبات میں بہہ جانے والے لوگ پہلی صدی ہجری کے دور فتن پر تبصرہ کرتے وقت، ہم عصر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مواقف نظر انداز کر کے ''ٹھیٹھ'' رافضیانہ لہجہ اختیار کر لیتے ہیں۔ اور پھر بھی دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ متبع سنت ہیں اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے پیرو۔

حیرت ہے کہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے اس مفتری ابن کلبی کا افسانہ قبول کر لیا اور نہ سوچا کہ یہ کذاب کس طرح سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کتاب وسنت سے بے بہرہ اور خود اپنے گھرانے کے احوال سے بے خبر بتا رہا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے نزدیک وہ عراق کا جغرافیہ بھی نہیں جانتے تھے جہاں انہوں نے کئی برس تک عہد علوی میں حاکمانہ فرائض

انجام دیئے۔

کیا وہ کہہ سکتے تھے کہ الطّف جہاں ان کے قریب ترین اعزہ شہید ہوئے، وہ بے آب وگیاہ چٹیل میدان تھا تپتی ریت تھی اور جھلسی ہوئی زمین۔

کیا وہ اس سے بے خبر تھے کہ الطّف ایک نخلستان تھا جہاں آب شیریں کے متعدد چشمے رواں تھے، جن میں مچھلیوں کی کثرت تھی اور زمین ایسی شاداب تھی کہ وہاں قافلے اترا کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو یاقوت حموی: معجم البلدان بذیل مادہ الطّف جسے انہوں نے حسینی قافلے کی شہادت گاہ بتایا ہے اور سب تفصیل دی ہے اور فرات کا کچھ ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ وہاں سے کوسوں دور تھا۔

کیا یہ نعمانی اور تھانوی قسم کے لوگ ان سطور پر غور کر کے دیکھنا چاہیں گے کہ ان کی تحریر سے نقصان کن لوگوں کو پہنچتا ہے اور تقویت کن کذابوں افترا پردازیوں کو ملتی ہے۔

سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما اور اہل حرمین

حنبلی صاحب نے سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی تحریک اور اہل مدینہ کی شورش کو حق وصواب بتانے پر علما کا اتفاق بتایا ہے۔ کاش انہوں نے سرسری طور پر صحاح پر ایک نظر ڈالی ہوتی اور ہم عصر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مواقف دیکھ لئے ہوتے تو ایسی پادر ہوا بات نہ کہتے۔

صحاح میں جہاں کہیں سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی سیاسی سرگرمیوں کا ذکر ہے وہاں اسے فتنہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما ہی کہا گیا ہے، اکابر واعاظم صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کے اقدام کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا اور اسے خرق اجماع سے تعبیر کیا۔

''عن نافع ان ابن عمر اتاه رجلان فی فتنة ابن الزبیر فقالا ان الناس صنعوا ما ترى وانت ابن عمر، وصاحب رسول الله ﷺ فما يمنعك ان تخرج فقال يمنعني ان الله حرم علينا دم اخي المسلم قالا الم يقل الله تعالى وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فقال ابن عمر قد قاتلنا حتى لم تكن فتنة وكان الدين لله وانت تريدون ان تقاتلوا حتى تكون فتنة ويكون الدين لغير الله''۔ ①

''حضرت نافع سے مروی ہے کہ دو صاحب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں، سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے فتنے کے دوران حاضر ہوئے اور عرض کیا

① صحیح بخاری کتاب الفتن۔

لوگوں نے جو کچھ کیا وہ آپ دیکھ رہے ہیں حالانکہ آپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، تو آپ کو خروج سے کیا بات روکتی ہے۔ فرمایا: مجھے یہ بات روکتی ہے کہ اللہ نے مجھ پر میرے مسلم بھائی کا خون حرام کیا ہے۔ انہوں نے کہا: کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان سے لڑو تا آنکہ فتنہ نہ رہے۔ تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''ہاں ہم لڑے تا آنکہ فتنہ نہ رہا اور دین اللہ کے لیے ہو گیا اور تم چاہتے ہو کہ لڑو تا کہ فتنہ ہو اور دین غیر اللہ کے لیے ہو جائے''۔

یہی موقف دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا تھا۔ وہ خانہ جنگی کو نہایت درجہ مذموم اور مہلک سمجھتے تھے۔ ①

ابو منہال نے سیدنا ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے اپنی اور اپنے والد کی ملاقات کا حال بیان کیا ہے ۔ یہ وقت تھا جب ایک طرف شام میں حضرت امیر المومنین مروان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان ہو گیا تھا، اور دوسری طرف سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما خلافت کے مدعی تھے، اور تیسری طرف خوارج کی شورہ پشتی تھی۔ اثناء گفتگو میں سیدنا ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں خدا لگتی کہتا ہوں کہ میں قریش کے ان گھرانوں سے سخت ناراض ہوں۔ عرب کے باشندو! تم جانتے ہو کہ تم ذلت وقلت اور ضلالت کے کس عالم میں تھے۔ پھر اللہ نے تمہیں اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نجات دی تا آنکہ تم اس مرتبے کو پہنچ گئے جو تمہارے علم میں ہے۔ اب یہ دنیا ہے جس نے تمہیں تباہ کر رکھا ہے۔ یہ صاحب جو شام میں ہیں بخدا

---

① صحیح بخاری، کتاب الفتن.

محض دنیا کے شمشیر بکف ہیں اور یہ لوگ جو تمہارے درمیان ہیں (یعنی خوارج) بخدا یہ بھی محض دنیا کے لیے لڑ رہے ہیں اور یہ صاحب جو مکے میں ہیں بخدا یہ بھی محض دنیا کے لیے لڑ رہے ہیں''۔

صحیح بخاری (کتاب التفسیر) میں سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی تحریک اور بنو ہاشم و بنی امیہ سے ان کی رقابت کا حال حضرت ابوملیکہ کے حوالے سے اس طرح بیان ہوا ہے:

''ہم سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: تمہیں ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی اس بات پر تعجب نہیں ہوتا کہ جب وہ اپنی خلافت کی تحریک لے کر اٹھے تو میں نے کہا کہ میں اپنے آپ کو ان کا ایسا پابند بنا لوں گا کہ ایسی پابندی میں نے نہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کی اور نہ عمر رضی اللہ عنہ کی کی۔ حالانکہ وہ ہر طرح بھلائی کے ان سے زیادہ مستحق تھے۔ میں نے سوچا تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے فرزند ہیں، زبیر رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں، خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں، لیکن وہ تو میرے مقابلے میں اکڑتے ہی چلے گئے اور نہیں چاہتے کہ میرا ان سے کوئی تعلق ہو میرے خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ میں اپنے آپ کو ان کے سامنے اس طرح پیش کروں گا اور وہ مجھے ٹھکرا دیں گے۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ ان کے پیش نظر بھلائی نہیں اور اگر یونہی ہونا ہے تو پھر بہتر ہے کہ میرے چچا کی اولاد میری پرورش کرے۔ یہ بات مجھے اس

سے کہیں زیادہ محبوب ہے کہ میری پرورش دوسرے کریں''۔

اس سلسلے میں صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت ہے ①

ابن ابی ملیکہ اور ابن جریج کے مابین کچھ اختلاف تھا یعنی حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کا ساتھ دینے یا نہ دینے کا تو دونوں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ''کیا آپ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے جنگ کر کے حرم کی بے حرمتی کرنا چاہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا:

''لوگوں نے کہا تھا: ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے بیعت کرو''۔ میں نے کہا: ''ان سے زیادہ اس امر کا حقدار اور کون ہوگا۔ ان کے باپ کو دیکھو تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری ہیں (یعنی سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ) ان کے نانا کو دیکھو تو وہ صاحب غار ہیں (یعنی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) ان کی والدہ کو دیکھو تو وہ ''ذات النطاقین'' ہیں (یعنی سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا) ان کی خالہ کو دیکھو تو وہ ام المومنین ہیں (یعنی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) ان کی پھوپھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں (یعنی ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ان کی دادی ہیں (یعنی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا) پھر اسلام میں وہ پرہیز گار رہیں، قرآن کے بڑے عالم ہیں۔ بخدا اگر بنو امیہ میرے ساتھ صلہ رحمی کریں تو یہ صلہ رحمی قریبی رشتہ داروں کی طرف سے ہوگی۔ اور اگر میری پرورش کریں تو یہ پرورش محترم ہم چشموں کی طرف سے ہوگی۔ پھر میں تویتات، اسامات اور حمیدات کو ترجیح کیوں دوں۔ آپ کی مراد بنوتویت بنو اسامہ اور بنو اسد سے تھی۔

① کتاب التفسیر، باب قولہ ثانی اثنین اذھما فی الغار ۔

اور یہ جو ابو العاص کے فرزند ہیں (یعنی سیدنا عبدالملک) تو وہ مردانہ وار بڑھ رہے ہیں اور یہ صاحب جو ہیں (یعنی سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما) تو انہوں نے اپنی دم سکیڑ رکھی ہے''۔

سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی تحریک کو بنو ہاشم نے اچھی نظر سے نہیں دیکھا، اور دوسرے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ان کی بیعت سے گریزاں رہے۔ حتی کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے فرزند سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی کہ وہ شام چلے جائیں اور وہاں حضرت امیر المومنین عبدالملک نے ان کی پزیرائی محبت واحترام سے کی۔ اسی طرح حضرت محمد بن علی بن ابی طالب بھی شام چلے گئے تھے اور واپس اس وقت ہوئے جب حضرت امیر المومنین عبدالملک کی بیعت کی تکمیل ہوگئی۔ رضی اللہ عنہم

صحیح مسلم میں ہے: ①

ابو نوفل سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کو شہر کی گھاٹی میں سولی پر لٹکا ہوا دیکھا۔ قریش پاس سے گزر جاتے تھے اور دوسرے لوگ بھی۔ اتنے میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ادھر سے گزرے تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

''ابو خبیب رضی اللہ عنہ تم پر سلام ہو، ابو خبیب تم پر سلام ہو، ابو خبیب تم پر سلام ہو۔ بخدا دیکھو میں نے تمہیں اس کام سے روکا تھا، بخدا دیکھو میں نے تمہیں اس کام سے روکا تھا، بخدا دیکھو میں نے تمہیں اس کام سے روکا تھا۔ بخدا میں جانتا ہوں کہ تم بہت روزے رکھنے والے راتوں کو نماز پڑھنے والے اور رشتہ داروں کا حق ادا کرنے والے تھے۔ بخدا اگر تم

---

① ج ۲، ص ۳۱۶، طبع مصر۔

اس قوم میں سب سے برے تھے تب تو یہ امت بہت ہی اچھی ہے''۔

اتنا فرما کر آپ چلے گئے۔ رضی اللہ عنہم

اب حنبلی اور نعمانی جیسے حضرات بتائیں کہ جن ''علماء'' کا انہوں نے ذکر کیا ہے کہ وہ سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی تحریک کو بنظر تحسین دیکھنے پر متفق تھے وہ ان اکابر واعاظم صحابہ رضی اللہ عنہم کی بابت کیا کہیں گے۔

صحیح بخاری میں یزید کی مذمت؟
نعوذ باللہ

صحیح بخاری کی روایت ہے (کتاب الفتن) جس کا عنوان ہے:

''باب قول النبی ﷺ هلكة امتی علی ایدی اغیلمة من قریش''

''باب نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے چند چھوکروں کے سبب ہوگی''۔

اس عنوان کے تحت روایت یوں ہے: ①

عمرو بن یحییٰ بن سعید بن عمرو بن سعید کہتے ہیں کہ مجھے میرے دادا جان نے بتایا کہ میں مدینہ شریف میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت مروان بھی ہمارے ساتھ تھا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے صادق ومصدوق ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے چند لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی۔ اس پر مروان کی زبان سے نکلا خدا کی لعنت ہو، لونڈوں کے ہاتھوں پر ہوگی؟ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے اگر میں بتانا چاہوں کہ فلاں فلاں کے لڑکے ہوں گے تو بتا بھی سکتا ہوں۔

عمرو کا بیان ہے کہ

''پھر میں دادا جان کے ساتھ جب بنی مروان کی حکومت شام پر قائم

① ترجمہ عبدالرشید صاحب نعمانی ص ۲۹.

ہوئی تو ان کے ہاں آیا جایا کرتا تھا اور دادا جان جب ان نوخیز لونڈوں کو دیکھتے تو فرمایا کرتے کہ غالباً یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا تھا ہم یہ سن کر کہتے کہ آپ کو خوب معلوم ہے''۔

نعمانی صاحب نے حضرت ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا ایک بیان فتح الباری کے حوالے سے دیا ہے، جس میں انہوں نے مسند احمد اور سنن نسائی کے حوالے سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

''انَّ فساد امتی علٰی ایدی غلمة سفهاءٍ من قریش ''

''میری امت کی تباہی قریش کے چند بے وقوف لونڈوں کے ہاتھوں ہو گی''۔

ایک سوال

للہ کوئی صاحب بتائیں کہ صحیح بخاری کی جو حدیث ہے، اور دوسری کتابوں سے جو کلمات نقل کیے گئے ہیں ان میں امیر المومنین یزید اور دوسرے اموی خلفاء کرام کا ذکر کہاں سے آ گیا۔ پھر راوی کے دادا جان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ کیا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بعد میں انہیں بتا دیا تھا کہ مروان کی وجہ سے وہ صاف بات نہ بتا سکے ورنہ ان کی مراد یزید اور بنو مروان سے تھی۔ پھر دریافت کیا جا سکتا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا بنو فلاں و بنو فلاں۔ تو ان صاحب نے یزید اور آل مروان پر حصر کس بنا پر کر دیا۔ کیا قریش میں صرف بنو امیہ تھے اور دوسرے کسی خاندان میں کوئی مفسد پیدا نہیں ہوا،

جس نے امت کی ہلاکت کے اسباب پیدا کیے ہوں؟

ہر صاحب نظر، یہ تسلیم کرے گا کہ جہاں تک روایت کا تعلق ہے وہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بیان پر ختم ہوگئی۔ آگے جو کچھ ہے وہ راوی اور اس کے دادا جان کی بات ہے۔ اسے صحیح بخاری میں یزید کی مذمت، یا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کی جرات وہی کر سکتا ہے جو جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفاء اسلام سے بغض اور نفرت کے سبب اپنے حواس کھو بیٹھا ہو۔

اب ہم آتے ہیں حدیث کے ان کلمات کی طرف جو غور طلب ہیں اور سبائیت زدہ لوگ ان سے دور از کار معانی پیدا کرنا چاہتے ہیں، تا کہ امت اپنے اسلاف کرام اور صنادید اسلام سے متنفر ہو جائے اور ضمناً یہ کہنا چاہے کہ دعوۃ محمدیہ کارگر نہ ہو سکی جیسے خمینی صاحب کہتے ہیں۔

ھلکۃ امتی

امت کی ہلاکت کے معنی یہ کیسے سمجھے جا سکتے ہیں کہ فلاں وقت امت ہلاک ہو گئی یا فلاں وقت ہلاک ہو جائے گی۔ اس کے معنی صرف یہ ہیں اور محض یہی ہو سکتے ہیں کہ قریش میں چند بدراہ لوگ مفاد ملت کے خلاف ایسے کام کریں گے جن کے سبب امت پر مصائب ٹوٹیں گے۔

ورنہ جہاں تک امت کا تعلق ہے تو یہ آخری امت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اقوام عالم پر اپنا گواہ بنایا ہے تو یہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے اور نا ممکن ہے کہ اس پر

کبھی عمومی تباہی آئے۔

ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی وقت اس کا کوئی طبقہ غلط روی کے سبب سزا کا مستحق ٹھہرے تو اللہ کا وعدہ ہے کہ اگر کبھی اس نے مسلم قوم کو سزا دی اور اس پر ادبار چھایا تو پھر وہ کسی دوسری قوم کو اپنے دین کی حفاظت کے لیے کھڑا کر دے گا۔

چنانچہ تاریخ کا جب جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ جب اموی خلافت ناکارہ ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے عباسیوں کو کھڑا کر دیا، اور جب عباسی خلفاء اپنی غلط روی سے تباہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ترکوں کو کھڑا کر دیا۔

اور یہی ہوتا رہے گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا اس امت سے وعدہ ہے کہ وہ اسے ہمیشہ ہر خوف کے بعد راحت، ہر بے راہ روی کے بعد دین پر استقامت اور ہر پستی کے بعد رفعت عطا فرمائے گا۔ اسے اپنا دین قائم رکھنا ہے تا آنکہ تمام اقوام عالم پر یہ امر ہویدا ہو جائے کہ سوائے قرآنی نظام کے اور کوئی نظام، فلاح وارتقا، انسانیت کے لیے کامیاب نہیں ہوسکتا۔

اسی لیے یہ امر بھی مشہور ہے کہ امت مسلمہ کے نظام خلافت کے اتباع میں دنیا کی تمام قومیں اپنے سیاسی معاشی اور معاشرتی معاملات میں شعوری یا غیر شعوری طور پر ویسی ہی اصلاحیں کرتی چلی آرہی ہیں جن کی تعلیم قرآن حکیم دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قوموں کی ہلاکت کے اسباب بتائے ہیں، مثلاً یہ کہ وہ تعلیمات ربانیہ سے روگرداں ہو جائیں اور ان میں فکری وعملی متحارب فرقے پیدا ہو گئے ہوں، جو ایک دوسرے سے اپنا سود وزیاں الگ رکھیں، یا جماعت اتنی پراگندہ ہوگئی ہو، کہ اس میں تاب مقاومت نہ رہے اور اقوام عالم میں اپنا وقار کھو بیٹھی ہو۔ یا پھر معاشی ناہمواریوں اور مظالم کے سبب معاشرہ تباہ ہو رہا ہو یا معاشرتی اخلاق دگرگوں ہو

گئے ہوں اور فواحش کی کثرت ہو۔

کیا کوئی صاحب عقل وعدل یہ کہہ سکتا ہے کہ اموی عہد مبارک ومسعود میں یہ سب آفاتیں برپا ہوچکی تھیں اور اقوام عالم میں امت مسلمہ کی بالادستی ختم ہوگئی تھی۔ یا ہم عصر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علماء وفقہاء امت اس پر مجتمع ہو گئے تھے کہ اموی نظام حکومت بدلا جائے۔

دنیا تو یہ دیکھتی ہے اور واقعات ثابتہ شاہد ہیں کہ امیر المومنین یزید اور اموی خلافت مبارکہ کو جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، علماء وفقہاء امت اور سارے عالم اسلام کی حمایت حاصل تھی اور یوں سو برس کے اندر اندر امت مسلمہ متمدن دنیا پر چھا گئی اور قوموں کی قومیں دائرہ اسلام میں داخل ہوگئیں اور پھر یہ امر بھی مشہود ہے کہ جب تک خلافت مبارکہ کا نظام فعال تھا تو جو بھی اس کے خلاف کھڑا ہوا، اس نے منہ کی کھائی کیونکہ عالم اسلام میں اسے حمایتی میسر نہ آسکے۔

اب ہم آتے ہیں ان لوگوں کی نشاندہی کی طرف جو قرشی تھے اور انہوں نے امت کی پہلی صدی کو داغ دار بنا دیا اور فتنوں کا وہ دروازہ کھولا جس کے بند ہونے کی سبیل نظر نہیں آتی۔

اغیلمۃ من قریش

راوی کے دادا جان نے اموی نونہالوں کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ وہی امت کی ہلاکت کا سبب بنیں گے۔ حالانکہ اغیلمہ کہنے سے مفسدوں کی عمر نہیں بتائی گئی بلکہ

ان کی تحقیر کے لیے یہ کلمہ آیا ہے، اور دنیا کی ہر زبان میں آتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں تمہاری اتنی عمر ہوگئی مگر طفلانہ حرکتیں نہیں گئیں۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان ہوائے نفس کے تحت یا مکار لوگوں کے بہکائے میں آ کر کوئی ایسا کام کر بیٹھتا ہے جو خود اسے لوگوں کی نگاہوں سے گرادے، یا ملک وملت کو اس کے سبب نقصان پہنچ جائے۔

بنی فلاں وبن فلاں

نعمانی صاحب نے بنی فلاں وبنی فلاں کا ترجمہ کیا ہے: ''فلاں فلاں کے لڑکے''۔ اگر انہوں نے یہ ترجمہ اموی سادات کرام سے بغض وحسد کی بنا پر بالقصد نہیں کیا، تو ہم کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ ترجمہ غلط کیا ہے۔

جب کہا جاتا ہے: ''ابن فلاں'' تو اس سے مراد ہوتا ہے اس کا وہ بیٹا جو خود اس کی پشت سے ہو۔ مثلاً جب کہیں گے ''ابن ہاشم'' تو مراد ہوگی حضرت عبدالمطلب سے۔ لیکن جب کہیں گے ''بنو ہاشم'' تو خود ان کے فرزندوں کے علاوہ اس نسل کے تمام افراد بنو ہاشم کہلائیں گے اگرچہ وہ کسی زمانے کے ہوں اور کسی خطہ زمین پر آباد ہوجائیں۔

اس طرح ''بنی فلاں'' کا ترجمہ ''فلاں کا لڑکا'' نہیں ہے بلکہ اس نسل کے افراد کا ذکر ہے۔ چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ''بنی فلاں وبنی فلاں'' کہہ کر یہ بتایا ہے کہ ایسے مفسد لوگ قریش کے مختلف بطون کے ہوں گے۔ ہر گھرانے میں اچھے برے لوگ ہوتے ہیں اور نسلی خوں کی مشترک صفات کے ساتھ ہر شخص کا اپنا انفرادی

کردار ہوتا ہے اور افتادطبع ہوتی ہے، وہ راستی کی طرف مائل ہو یا کج روی کی طرف اور اس کا انداز فکر تعمیری ہو یا تخریبی، اور وہ آداب معاشرت کا پابند ہو یا باغی۔

بہر حال راوی کے دادا ہوں یا نعمانی صاحب اور ان جیسے دوسرے سبائیت زدہ لوگ، اگر احادیث کے مطالب کا استخراج اسی طرح کرتے رہے تو اس امت کا خدا حافظ۔

صحیح بخاری میں یزید اور اموی خلفاء کی منقبت

حنبلی صاحب کا بیان نعمانی صاحب نے بطور حجت سے پیش کیا ہے کہ اموی خلفاء کے خلاف کھڑے ہونے والوں کی تحسین پر علماء کا اجماع ہے۔ لیکن انہوں نے شاید صحاح کا مطالعہ ضروری نہیں سمجھا:

''... حدثنی عمیر بن ھانی انه سمع معاویة یقول سمعت النبی ﷺ یقول لا یزال من امتی امة قائمة بامر اللہ لا یضرھم من خذلھم ولا من خالفھم حتی یاتی امر اللہ وھم علی ذالک، فقال مالک بن یخامر قال معاذ ھم بالشام۔ فقال معاویة ھذا مالک یزعم انه سمع معاذاً یقول وھم بالشام ''①

''مجھ سے عمیر بن ہانی نے کہا کہ انہوں نے (سیدنا) معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ میری امت کی ایک بڑی جماعت اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری پر قائم رہے گی۔ اسے نہ وہ لوگ نقصان پہنچا سکیں گے جو اس کا ساتھ نہ دیں اور نہ وہ جو اس کی مخالفت کریں تا آنکہ قضاء الٰہی نافذ ہو، اور وہ اسی حال میں ہوں۔ اس پر (سیدنا) مالک بن یخامر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ (سیدنا) معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ اہل شام ہوں گے۔ اس پر (سیدنا) معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ مالک

---

① ملاحظہ ہو: صحیح بخاری ج ۲، ص ۸۶، طبع مصر۔

ہیں۔ ان کا گمان ہے کہ انہوں نے (سیدنا) معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ وہ اہل شام ہوں گے''۔

''عن معاویة بن قرة عن ابیه قال قال رسول الله ﷺ اذا فسد اهل الشام فلا خیر فیکم لاتزال طائفة من امتی منصورین لایضرهم من خذلهم حتی تقوم الساعة۔ وفی الباب عن عبدالله بن حواله، وابن عمر وزید بن ثابت، وعبدالله بن عمرو، هذا حدیث حسن صحیح۔ ''①

''معاویہ بن قرۃ سے روایت ہے، وہ اپنے والد کے حوالے سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اہل شام میں فساد برپا ہو تو تمہارے لیے پھر خیر نہیں میری امت کا ایک بڑا گروہ اللہ کی نصرت سے بہرہ ور رہے گا۔ انہیں وہ لوگ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ جو انہیں چھوڑ دیں تا آنکہ وقت موعود آ جائے۔ اس باب کے تحت روایتیں (سیدنا) عبداللہ بن حوالہ سے (سیدنا) ابن عمر سے، (سیدنا) زید بن ثابت سے اور سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے بھی ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے اور صحیح ہے''۔

واقعی جب ہم دیکھتے ہیں کہ اموی خلافت ختم ہو گئی اور عباسی خلافت قائم ہوئی، تو اس دور میں حرمت کلمہ کے غلط تصور کے سبب ایسے ایسے ناپاک سبائی فرقوں نے سر اٹھایا کہ پناہ بخدا۔ یہ تو علماء وفقہاء امت اور خلفاء کرام تھے جنہوں نے علوم اسلامیہ کی تدوین کر کے دین کو خالص رکھا، ورنہ یہ فرقے اپنی سیاسی قوت کے سبب

① ملاحظہ ہو: جامع ترمذی ابواب الفتن.

معلوم نہیں، کس کس انداز میں دین کو غارت کر دیتے۔

پھر ملاحظہ ہو سنن ابی داود کتاب الجہاد:

''عن ابن حواله قال قال رسول الله ﷺ سيصير الامر الى ان تكونوا جنوداً مجنَّدةً جندٌ بالشام وجند باليمن وجند بالعراق۔ قال ابن حواله خرلي يا رسول الله ان ادركتُ ذالک۔ فقال عليک بالشام فانها خيرة الله من ارضه يجتبي اليها خيرة من عباده فامَّا اذا ابيتم فعليكم بيمنكم واسقوا من غُدركم فانَّ الله توكَّل لي بالشام واهله۔''

''(سیدنا) ابن حوالہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بات یہاں تک پہنچے گی کہ تم منظم فوجی گروہ بن جاؤ گے۔ ایک لشکر ہوگا شام کا اور ایک لشکر یمن کا اور ایک لشکر عراق کا''۔ ابن حوالہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ اگر ایسا وقت مجھ پر آئے تو میرے لیے تجویز فرمایئے''۔ تو فرمایا کہ شام سے وابستہ رہنا کہ اللہ کے اختیار کردہ وہ بہترین لوگ ہوں گے اس کی زمین پر۔ لیکن اگر تمہیں یہ منظور نہ ہو تو پھر اپنے یمن سے وابستہ رہنا اور وہاں کی جھیلوں میں پانی پینا اور جانوروں کو پلانا (یعنی خانہ جنگی سے دور رہ کر امن سے رہنا) ویسے اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تو شام اور وہاں کے باشندوں ہی کو قابل اعتماد بنایا ہے''۔

پھر ملاحظہ ہو جامع ترمذی (ابواب الفتن):

''...... حدثنا بھز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ قال قلت یا رسول اللہ این تامرنی قال ھھنا و نحا بیدہٖ نحو الشام ھٰذا حدیث حسن صحیح۔''

''بہز بن حکیم نے اپنے والد کے حوالے سے اور انہوں نے ان کے (یعنی بہز کے) دادا کے حوالے سے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کس طرف کا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا: ''ادھر کا'' اور اشارہ کیا شام کی طرف۔ یہ روایت حسن صحیح ہے''۔

پھر یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ فتنہ حرہ کے موقع پر شیخ الصحابہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے امیر المومنین یزید کے خلاف خروج کو اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی بڑی غداری قرار دیا تھا کہ ان کی نگاہ میں اس سے بڑا کوئی غدر نہ تھا اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کی اس بات سے اتفاق کیا تھا۔ ①

اب ایک شیعی مصنف شخص کی روایت ملاحظہ ہو۔ ②

عبدالرزاق بن ہمام صنعانی کہتے ہیں کہ صفین کے موقع پر ایک شخص نے کہا:

الٰہی اہل شام پر لعنت کر (غالباً سبائی ہوگا) تو سیدنا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''لا تسبّ اھل الشام فان بھا الابدال فانّ بھا الابدال فان بھا الابدال''۔

① صحیح بخاری، کتاب الفتن۔
② البدایہ والنہایہ، ج۸، ص ۲۰۔

''اہل شام کو برا مت کہو۔ ان میں ابدال ہیں ان میں ابدال ہیں، ان میں ابدال ہیں''۔

ایک اہم ترین حدیث

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ①

لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کی بابت پوچھا کرتے تھے، لیکن میں شر کی بابت بات کیا کرتا تھا کہ کہیں میرے زمانے میں برپا نہ ہو۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ہم جاہلیت اور شر میں تھے، تو اللہ ہمارے لیے خیر لے آیا (یعنی اسلام) تو کیا اس خیر کے بعد کچھ شر آجائے گا۔

فرمایا: ''ہاں'' (یعنی ایران کی مجوسی سازش سے ارتدادِ عرب)

میں نے عرض کیا: ''اس شر کے بعد خیر ہوگی''۔ فرمایا: ''ہاں مگر اس میں کمزوری رہے گی''۔ میں نے عرض کیا: ''کمزوری کیا ہوگی''۔ فرمایا: ''ایسے لوگ ہوں گے جو میری ہدایت کا خیال کیے بغیر عمل کریں گے۔ تمہیں ان کی کوئی بات گوارا ہوگی اور کوئی بات ناگوار''۔

میں نے عرض کیا: ''پھر اس کے بعد تو شر نہیں آئے گا''۔ فرمایا: ''ہاں، جہنم کے دروازوں پر بلانے والے کھڑے ہوں گے جو بھی ان کے کہنے سے ادھر جائے گا وہ اسے جہنم میں جھونک دیں گے''۔ میں نے عرض کیا:

① ملاحظہ ہو: صحیح بخاری کتاب الفتن.

یا رسول اللہ ان کی کچھ علامت تو بتایئے''۔ فرمایا: ہم ہی میں سے ہوں گے اور ہماری ہی زبان بولیں گے''۔ میں نے عرض کیا: ''اگر ایسا وقت مجھ پر آجائے تو پھر میرے لیے آپ کا کیا حکم ہے؟'' فرمایا؟:

''مسلمانوں اور ان کے امام سے وابستہ رہنا''۔

میں نے عرض کیا: ''اگر ان کی جماعت اور امام نہ ہو تب؟'' تو فرمایا: ''ان سب فرقوں سے الگ ہوکر بیٹھ رہنا اگرچہ کسی درخت کی جڑ کو دانتوں میں پکڑ کر بیٹھنا پڑے تا آنکہ تمہیں موت آجائے اور تمہیں اسی حال میں پائے''۔

یہ جہنم میں جھونکنے والے لوگ سبائیہ ہیں جنہیں اب تک تخت کیانی کے اوندھا دیئے جانے پر صدمہ ہے اس لیے اسلم طریقہ انہیں یہی نظر آیا کہ مسلم معاشرے میں در آئیں اور اپنی افترا پردازی سے طرح طرح کے وسوسے مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کر کے ان کے عقائد خراب کر دیں اور سازشوں کے ذریعہ ان کی کوئی اجماعی حکومت بننے نہ دیں۔

صریح بشارت

''عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبیٌ خلفه نبی وانه لا نبی بعدی فیکون خلفاء فیکثرون قالوا فما تامرنا قال فوابیعة الاول

فالاول۔ اعطوھم حقھم فان اللہ سائلھم عما استوعاھم ''①

''سیدنا ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے، اور انہوں نے نبی ﷺ کے حوالے سے بتایا کہ بنو اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کے ہاتھ میں تھی۔ جب ایک نبی وفات پاتا، تو اس کا جانشین ایک نبی ہوتا۔ یہ امر قطعی ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے، (یا ایک ہی وقت کئی کئی کھڑے ہو جائیں گے) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''پھر ہمارے لیے آپ کا کیا حکم ہے؟'' فرمایا: ''جو پہلے آتا جائے اسی کی بیعت پوری کرو۔ انہیں ان کا حق ادا کرو تو اللہ تعالیٰ ان کی رعایا کے بارے میں خود ہی ان سے باز پرس فرمائے گا''۔

بارہ خلفاء

''عن جابر بن سمرۃ قال سمعت النبی ﷺ یقول یکون اثنا عشرا مبراً فقال کلمۃً لم اسمعھا فقال ابی انہ قال کلّھم من قریش ''②

''(سیدنا) جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں، میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ بارہ امیر ہوں گے پھر جو کچھ آپ نے فرمایا وہ میں سن نہ سکا تو میرے والد نے کہا کہ آپ نے فرمایا: سب

①بخاری و مسلم۔
②صحیح بخاری کتاب الاحکام اور صحیح مسلم کتاب الامارۃ۔

قریش میں ہوں گے''۔

یہ بشارت اختتام خلاف امویہ تک کے لیے ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ تھا۔ اس تعداد میں چھٹا شمارہ حضرت امیر المومنین یزید رحمہ اللہ کا ہے۔

روایات کے علاوہ سب سے اہم ہے ہم عصر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع کہ انہوں نے امیر المومنین یزید کو مفترض الطاعہ امام تسلیم کیا اور ان کے خلاف خروج کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غداری بتایا۔

چنانچہ سب نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کو بے جواز قرار دیا اور انہیں خرق اجماع اور خروج عن الجماعۃ کے عواقب سے ڈرایا۔ اسی لیے مدینہ، مکہ اور کوفہ میں جو اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے انہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے خروج سے بے تعلقی برتی، تا آنکہ انہوں نے اپنے موقف سے رجوع کر کے دمشق کی راہ اختیار کر لی اور یوں الطّف (کربلا) میں قیام کے دوران سبائیہ نے آپ کو شہید کر دیا۔ اس طرح سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی حرمت اور محبوبیت میں اضافہ ہو گیا اور سبائی غداروں سے نفرت عام ہو گئی۔

سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو جو تھوڑی سی کامیابی حاصل ہوئی اور بعض صغار صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کا ساتھ دیا تو اس لیے کہ انہوں نے خلافت کا دعویٰ امیر المومنین یزید کی وفات کے بعد کیا تھا۔ مگر کامیاب اس لیے نہ ہو سکے کہ مرکز میں حضرت امیر المومنین مروان کی بیعت ہو چکی تھی۔ بہر حال سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کا پورا دور فتنے کا کہلایا۔ بیعت کی تکمیل نہ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کی ہو سکی اور نہ سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی۔ تا آنکہ حضرت امیر المومنین سیدنا عبدالملک رضوان اللہ ورحمۃ علیہ نے تمام فتنوں کا استیصال کر کے امت کا کلمہ متحد کر دیا اور شاہ راہ ارتقا پر اس انداز میں رواں دواں کر

دیا کہ اہل عالم اسے عجوبہ تسلیم کرتے ہیں۔

حضرت ابو ادریس خولانی رحمہ اللہ، جو کبار تابعین میں ہیں انہوں نے سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بينا انا نائم رايت الكتاب احتمل من تحت راسی فطننت انه مذهوب به فاتبعته بصری فحمد به الی الشام۔ وان الايمان حين تقع الفتنة بالشام۔ ''

''میں سو رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ میرے سر کے نیچے سے کتاب اٹھالی گئی اور میں نے خیال کیا کہ اسے کہیں لے جایا جائے گا۔ اس پر اپنی نگاہ لگادی تو اسے شام کی طرف لے جایا گیا اور جب فتنہ بپا ہوگا تو ایمان کا مہبط شام ہوگا۔ یہ روایت سیدنا ابوامامہ اور سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص سے بھی ہے۔ رضی اللہ عنہم

اس روایت کو کسی سند کی ضرورت نہیں۔ عیاں راچہ بیاں۔ ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جمل وصفین کے فتنوں کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اجماع کرلیا، اور یوں سبائی فتنہ زاویہ خمول میں چلا گیا۔

اس کے بعد حضرت امیر المومنین سیدنا عبدالملک رحمہ اللہ نے اندرونی فتنوں کا استیصال کر کے جب امت کا کلمہ متحد کردیا، تو امت پر شاہ راہ ارتقاء کھل گئی۔ اس عہد میں صرف قرآن حکیم کی حکمرانی تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فیوض سے سنت کے اتباع پر مدار رہا۔ کسی فرقے کو سر اٹھانے کی تاب نہیں رہی اور اگر کسی نے فتنہ جگانے کی کوشش کی تو اس کا سر کچل دیا گیا۔

دین مبین کی سادہ فطری تعلیمات کے ساتھ اسلام کے داعی ساری دنیا میں

پھیل گئے اور جہاں گئے وہاں کی مقہور قوموں نے انہیں اپنا نجات دھندہ قرار دیا۔ اس عہد مبارک ومسعود میں نہ فقہی امور پر مجادلہ تھا اور نہ کلامی مسائل پر مناظرہ۔ عجمی الاصل مفسروں نے جس طرح دین کو چیستان بنا دیا ہے اور سنت کے نام سے جس طرح بدعات کو فروغ دیا جا رہا ہے، اموی عہد مبارک ومسعود ومنور میں ایسی الجھنیں نہ تھیں۔

سادہ عملی زندگی تھی جسے دیکھ کر خود بخود اقوام عالم کے قلوب اس دین فطرت کی طرف جھکتے تھے اور جدھر مسلمان جاتے تھے وہاں کے مقہور عوام انہیں نجات دہندہ قرار دیتے تھے۔ یوں سو برس کے اندر اندر تین چوتھائی متمدن دنیا پر اسلامی تعلیمات چھا گئیں، اور دنیا نے دیکھ لیا کہ واقعی مہبط ومرکز ایمان شام تھا اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نوع بنوع انداز میں ملت اسلامیہ پر نازل ہو رہی تھیں۔ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ ''تاکہ کفار پیچ وتاب کھائیں''①

ایک اور صریح بشارت

''لا یزال ھذا الدین قائماً حتّٰی یکون علیکم اثنا عشرة خلیفة کلھم تجتمع علیه الامة''②

''یہ دین پوری شان سے منظم رہے گا یہاں تک کہ بارہ خلفاء ایسے ہوں

①سورة الفتح.
②سنن ابی داود کتاب الفتن.

گے کہ ان میں سے ہر ایک پر پوری امت کا اجماع ہو گا‘‘۔

یہ بشارت صراحتاً آخر عہد اموی تک کے لیے ہے (۱) ابو بکر رضی اللہ عنہ (۲) عمر اول رضی اللہ عنہ (۳) عثمان رضی اللہ عنہ (۴) علی رضی اللہ عنہ (۵) معاویہ رضی اللہ عنہ (۶) یزید اول (۷) عبدالملک (۸) ولید اول (۹) سلیمان (۱۰) عمر ثانی (۱۱) یزید ثانی (۱۲) ہشام رضی اللہ عنہم ۔ پھر اختلال اور خلافت عباسیہ کا قیام سبائی تحریک کی خون آشامی اور مسلم معاشرے میں مشرکانہ ملحدانہ زندیقانہ تصورات کا فروغ اور کلمہ متفرق۔

شکوۂ اہل السنہ والجماعۃ

لایا ہے نامہ بر وہی شقہ رسید ① کا	اللہ! چھوٹ جائے نہ دامن امید کا
تاریخ پر محاکمہ جبراً ہوا ہے بند	دستور ہے قدیم ہی عہد جدید کا
تنقیح اب بھی جرم ہے تحقیق مفسدہ	یعنی رہے نہ سلسلہ گفت وشنید کا
حق بات جو کہے اسے کہتے ہیں فتنہ جو	کیا خوب ہے نتیجہ یہ قول سدید ② کا
البتہ گالیاں جو اکابر کو دے اسے	پرسش کا خوف نہ کھٹکا وعید کا
تلبیس وافترا پہ ہے قدغن نہ فحش پر	کچھ امتیاز ہی نہیں پاک وپلید کا
کتنا ہی محترم ہو کوئی اپنے عصر میں	رکھیں تعلق اس سے تو بغض شدید کا
ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ نہ ہو حرمت کے ساتھ اور	عزت سے نام لے نہ سکیں ہم یزیدؒ کا
ہر جانشین احمد مرسل ﷺ پہ تین حرف	فرعون ہو خطاب ولیدؒ ورشیدؒ کا
اصحاب پر ہو طعن ائمہ پہ لعن ہو	مروان کو کہا کریں بیٹا طرید کا
ذم طلحہؓ وزبیرؓ کی طنز ابنؓ عوف پر	اور مضحکانہ ذکر ہو سعدؓ وسعید کا
انکار ہو بناتؓ کا ازواجؓ سے ہو کد	رشتہ رکھیں نبی ﷺ سے تو قطع وبرید کا

① جب ''خلافت معاویہ ویزید'' اس وقت کی حکومت نے ضبط کی تھی تو یہ نظم میں نے ایوب خاں کو بھیج دی تھی۔ وہاں سے اس کی رسید تو آگئی اور بس۔ بہر حال کتاب بعد میں واگزار ہوگئی۔ یہ عدلیہ کا منصفانہ فیصلہ تھا۔

② قول سدید: تعمیری فیصلہ۔

جو فیصلہ صحابہؓ نے اجماع سے کیا	ہم نام دیں اسے تو ضلال① وبعید کا
ملت کو سرنگوں کہیں اور ارتقا کو ہیچ	یعنی پدید پر ہو گماں ناپدید② کا
ہاں محو دل سے تختِ کیانی نہ ہو کبھی	نو روز آج بھی ہو ہمیں روزِ عید کا
آلِ نبی کو خیر سے کہہ دیں تقیہ باز	یوں بول بالا ہو گا حسین شہید کا
جو مملکت بنے اسے قائم نہ رہنے دیں	یہ دید ہے۔ نہیں ہے یہ قصہ شنید کا
مطلب نہیں ہے سنت خیر الوریٰ سے کچھ	معمول الٹ دیا ہے کتاب مجید کا
بلکہ کتاب کو بھی تو مفقود کہتے ہیں	اور کارنامہ ہے یہ امام فقیر کا
اخبار ونشرگاہ کو یہ سب روا رہے	اور سربجیب ناطقہ حق کے مرید کا
آل بوَیہ اب بھی مسلط ہیں ذہن پر	اب تک وہی ہے زاویہ کج اپنی دید کا
ہر مرحلے پہ ہے نئی سازش کا سامنا	نقشہ وہی ہے عہد قدیم وجدید کا
گویا ہمارے کیش کا رشتہ ہے آج بھی	باطل سے کچھ قریب کا حق سے بعید کا
فرما گئے ہیں حضرت مولائےؒ روم یہ	عنبر کو جب خیال کریں ٹکڑا لید کا
اور گم رہی وجہل پہ سمجھیں مدار امن	یا زہر پر گمان ہو دوائے مفید کا
اس قوم کی ہلاکت ذہنی میں شک نہیں	جو فرق یوں مٹا دے سیاہ وسفید کا
اب بھی کھلے نہ آنکھ تو میں کیا کہوں علی	جب سلسلہ ہی بند ہے گفت وشنید کا

① ضلال بعید: سخت گم راہی.
② سبائی روایت ہے کہ الحکم کو حضور ﷺ نے مدینہ سے نکال دیا تھا۔

تتمہ

خطاب بامّت

بزبان امیر المومنین یزید اول رحمہ اللہ

میں یزید اموی امت احمد کا امام	کہتا ہوں مجھ کو صحابہ رضی اللہ عنہ نے دیا تھا یہ مقام
میری تائید میں ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھیں تمام	یوں مرے ہاتھ میں آئی تھی خلافت کی زمام

مومنو! آج میں ہوتا ہوں مخاطب تم سے

کہتے ہیں چند ہی الفاظ مناسب تم سے

تم جو بنتے ہو حسین بن علی کے غم خوار	اور دنیا کو کیے دیتے ہو مجھ سے بیزار
آل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کرو استفسار	خود ہی کھل جائے گا کیسا ہے تمہارا کردار

وہ تو سب میرے محب اور وفادار رہے

ہر طرح میری عنایت کے سزاوار رہے

وہ علی بن حسین رضی اللہ عنہ اور عمر بن علی رضی اللہ عنہ	پھر محمد رضی اللہ عنہ وہی مختار ے پیچ جن کی چلی
ابن جعفر رضی اللہ عنہ جو سمجھتے تھے مجھے اپنا ولی	ابن عباس رضی اللہ عنہ جو ہیں باغ نبوت کی کلی

کربلا کو تو وہ کہتے تھے کہ اک سانحہ تھا

جس میں خود میرا کسی طرح کوئی ہاتھ نہ تھا

پھر ہیں زید بن حسن اور حسن بن حسن رضی اللہ عنہ	بلکہ ہاشم کے گھرانے کا ہر ایک مرد وزن
سب نے رکھا تھا سیاست میں فقط ایک چلن	میرے دشمن کو سمجھتے تھے وہ اپنا دشمن

وہ مرے بعد بھی تو میرے طرف دار رہے

میرے ہی گھر کی خلافت کے طلبگار رہے

ان کی ہمدردیاں سب آل امیہ سے رہیں	جو ہوا ان کے خلاف اس سے رکھا بغض دکیں
ان کا فتویٰ تھا کہ مختار ہے کذاب ولعیں	فرقہ بازوں کو وہ کہتے تھے کہ ہیں دشمن دیں

اور تو اور رہے ابن زبیرؓ ان سے خفا

کیونکہ ان تک کی خلافت کو نہ تسلیم کیا

تم کو دعویٰ ہے کہ ہو آل علی کے شیدا	مگر افسوس عمل سے نہیں لگتا ایسا
ان کے ہوتے تو نہ کرتے مجھے ایسے رسوا	ان کا موقف جو رہا اس کو سمجھتے سچا

ویسے میں خوب سمجھتا ہوں تمہاری گھاتیں

ایک دن آئے گا کھل جائیں گی ساری باتیں

ہیں حسینؓ بن علیؓ میرے چچا کے فرزند	سرور ﷺ دیں کے نواسے ہیں علیؓ کے دلبند
مرتبے میں ہیں سوا مجھ سے دو چند وسہ چند	میں نے ہرگز یہ نہ جانا کہ ہوں ان کی مانند

ہاں مگر بات سیاست کی جب آ جاتی ہے

باپ بیٹے کی محبت کو بھی کھا جاتی ہے

تم کو معلوم ہے کہ کیا چیز تھے اہل عراق	ان کی فطرت تھی دغا اور نفاق اور شقاق
پھانس کو بانس بنا دینے میں شہرہ آفاق	چاق ہر فتنہ جگانے میں تو ہر مکر میں طاق

پڑ گئے پیچھے حسینؓ بن علیؓ کے وہ پلید

ان کے دھوکے میں نہ آتے تو نہ ہوتے وہ شہید

کوفے پہنچے تو ہوئی ان پہ حقیقت روشن	دوست سمجھے تھے جنہیں نکلے وہ پکے دشمن

چاہتے تھے کہ نہ مانیں تو اڑا دیں گردن	تا کہ قائم رہے امت میں ہمیشہ ان بن

اپنے اسلاف سے اخلاف کو باغی کر دیں
جو حکومت بنے جڑ کھوکھلی اس کی کر دیں

بات یہ تھی جو حسینؓ ان سے ہوئے تھے بیزار	اور دمشق آ کے وہ بیعت کے لیے تھے تیار
اس کو برداشت نہ کر سکتے تھے کوفی غدار	ان کا منصوبہ ہوا جاتا تھا سارا بیکار

یوں دکھانے کو کہ رکھتے ہیں بہت کچھ دم خم
آل ہاشم پہ وہ کر بیٹھے تھے حملہ یک دم

ادارے کی دیگر کتب

① امیر معاویہ ؓ اور یزید کی ولی عہدی مع واقعہ حرہ، تصویر کا دوسرا رخ
تالیف حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ، مولانا مطلوب الرحمٰن ندوی نگرامی

② اہل سنت اور محرم الحرام — تالیف حافظ صلاح الدین یوسف ؒ

③ اسلامی خلفاء وملوک اور تاریخ اسلام سے متعلق چند غلط فہمیوں کا ازالہ
تالیف حافظ صلاح الدین یوسف ؒ

④ امیر حجاج بن یوسف ثقفی ؒ چند غلط فہمیوں کا ازالہ — تالیف وترتیب محمد فہد حارث

⑤ اولیاء اللہ اور تصوف — تالیف علامہ عبد السلام مبارکپوری

⑥ وقائع دلپذیر بادشاہ بیگم اَوَدھ (جلد اول) — تالیف عبد الاحد رابط

⑦ ہندوستان کی سیاسی تاریخ کا مذہبی پہلو (جلد دوم) — تالیف پروفیسر محمد ایوب قادری

⑧ وبائی امراض اور جمعہ وجماعت پر پابندی — تالیف ڈاکٹر محمد مشتاق احمد

⑨ جدید سبائی گروہ کا علمی تعاقب — تالیف حافظ عبید اللہ

⑩ حیات سیدنا یزید ؒ — تالیف ابو الحسین عظیم الدین صدیقی

⑪ خلافت معاویہ ؓ ویزید ؒ — تالیف علامہ محمود احمد عباسی ؒ

⑫ داؤدی بوہرے ایک اجمالی تعارف — تالیف محمد فہد حارث

⑬ دین تصوف — جمع وتدوین: محمد فہد حارث

⑭ حضرت معاویہ ؓ کی سیاسی زندگی — تالیف مولانا علی احمد عباسی ؒ

⑮ خلیفہ راشد سیدنا معاویہ ؓ پر سو اعتراضات کا علمی تجزیہ — تالیف پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

⑯ سیرۃ امام ابوحنیفہ ؒ (اتہام وشیعیت کی حقیقت) — تالیف مولانا علی احمد عباسی ؒ

⑰ فضائل صحابہ واہل بیت ؓ اور مسائل واقعات محرم الحرام — تالیف حافظ صلاح الدین یوسف ؒ

⑱ شہید کربلا اور کردار یزید کا علمی وتحقیقی جائزہ — تالیف حافظ عبید اللہ

⑲ تاریخ شاہان عالم — تالیف ابوحیان ظہیر الدین بابر

⑳ مولانا محمد اسماعیل ریحان کی "تاریخ امت مسلمہ" کا تحقیقی جائزہ (حصہ اوّل) — تالیف حافظ عبید اللہ

حارث پبلی کیشنز

Email: haris.publications@gmail.com